

ابھی اک خواب باقی ہے

نگہت سیما

”ساراج کا مہینہ تھا اور غالباً چندہ تاریخ۔“ اس نے انگلیوں پر حساب لگایا۔
ہاں چندہ تاریخ ہی تو تھی۔ آج سے ٹھیک چار سال پہلے ساراج کی اسی تاریخ کو وہ اس گھر سے رخصت ہوئی تھی اور آج چار سال بعد وہ اسی تاریخ کو ایک بار پھر اسی گھر میں واپس آگئی تھی اور کون جانے اب اسے ہمیشہ اسی گھر میں رہنا پڑے۔ اس نے میز سے نیچے جھانک لالان کے اطراف میں کھلے پھول بتا رہے تھے کہ

موسم بہار آچکا ہے اور لالان کے بچوں سچ پلاسٹک کی سفید کرسیوں پر وہ سب بیٹھے تھے دونوں بھابھیاں اور ان کی بہنیں اور پتا نہیں کون کون تھا۔ چھوٹے دونوں بچے لالان میں ایک طرف فٹ بال سے کھیل رہے تھے۔
جب اس کی شادی ہوئی تھی تو بڑے بھیا کا بولی صرف وہ سال کا تھا اور چھوٹے بھیا کی بیگی ایک سال کی اور اب۔۔۔ اس نے جھک کر دیکھا دور سے وہ دونوں صاف دکھائی نہیں دے رہے تھے پتا نہیں کیسے ہوں گے

بہنوں میں تو دونوں بہت پیارے تھے۔ نکا ایک اس دن دل میں انہیں دیکھنے کی خواہش پیدا ہوئی لیکن وہ باہر مگر می سانس لے کر پیچھے ہٹ کر کرسی پر بیٹھ گیا۔

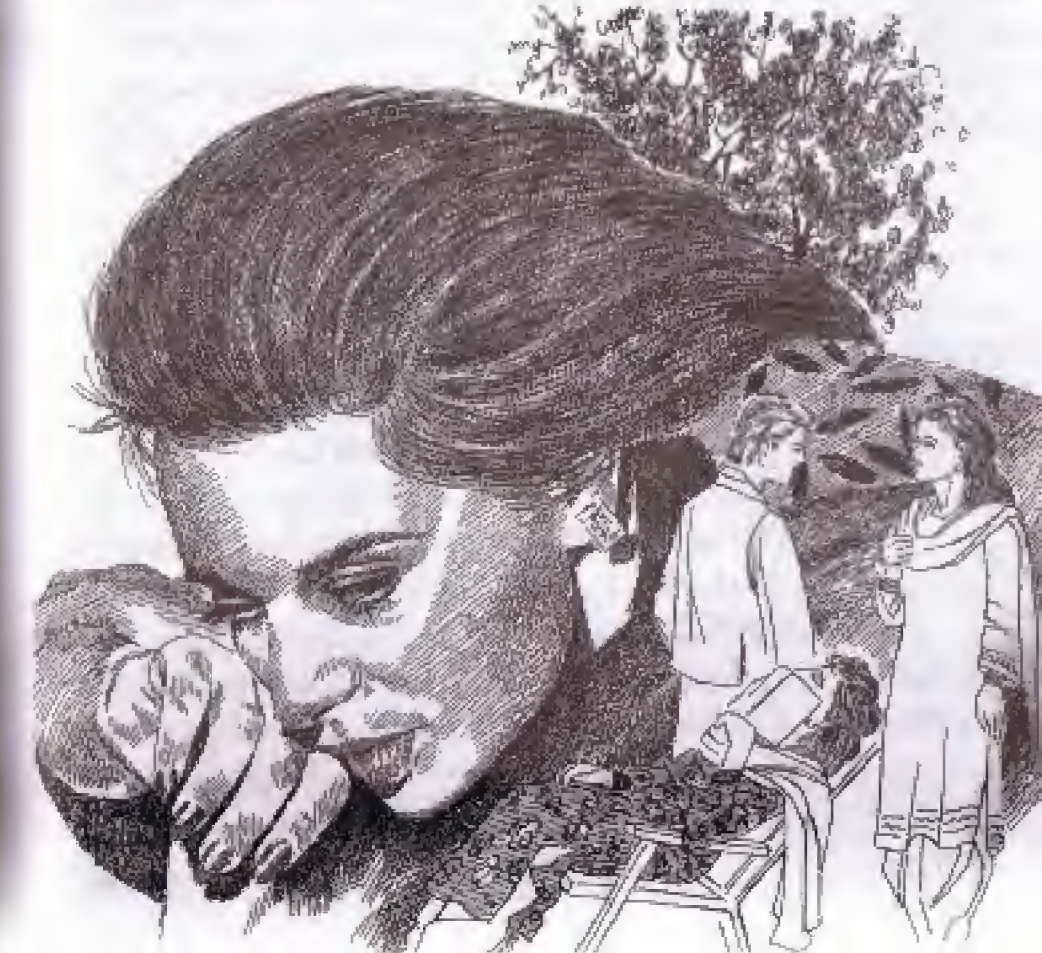
اسے آئے بارہ تیرہ گھنٹے تو ہو چکے تھے اس نے پھر کمر پر حساب لگایا پتا نہیں اسے کیا ہو گیا تھا حالانکہ وہ اس وقت یار تھی جو منٹوں میں زبانی بڑی بڑی رقمیں جمع کر چکی تھی اور اس وقت بار بڑے فخر سے کہتے تھے۔

”میری امی تو جتنی کس ہے اور تم دونوں نالائق“ میں نے سمجھا کہ تم کوئی تیر مار لو گے۔“ لیکن یہ تو تب کی بات تھی جب وہ صرف سات سال کی تھی، بڑے بھیا بارہ سال کے اور چھوٹے بھیا تیرہ سال کے وہ چھوٹے بھیا سے پورے چھ سال چھوٹی تھی اور اس وقت یار کی بے حد لافلی۔

آج صبح جب اس نے لاہور انٹر پورٹ سے باہر قریب رکھا تھا تو صبح کے تین بجے تھے یا شاید چار باہر نکلا اور میرا تھا۔ اس سٹیج اندر میرے میں اس نے بڑے بھیا کو دیکھنے کی کوشش کی تھی وہ کچھ زیادہ تو نہیں بدلے تھے

وہ ابھی تک اور ایک لوگ رہے تھے۔ اتنے ہی اسماٹ وہ تب بھی تھے آج سے چار سال پہلے جب وہ سولہ سال کی تھی تو وہ چوبیس سال کے تھے اور ایک دو سال بچے کے باپ تھے اور اب جب وہ ایک اور بچے کے باپ بن چکے تھے اب بھی اس سٹیج اندر میرے میں وہ اتنے ہی ایک تھے گئے تھے جیسے وقت ان کے پاس سے گزرا ہی نہیں تھا۔ کچھ بھی تو نہیں بدلا تھا سب ویسا ہی تھا شاید۔۔۔ جب وہ یہاں سے گئی تھی تب بھی دونوں بھابھیاں سر شام لالان میں آتی تھیں ان کی بہنیں بھی کبھی شادی بھابی کی دونوں بہنیں ہوئیں بھی ایک اور روشی بھابی کی بہن تو مستقل یہاں ہی رہتی تھی پڑھائی کی غرض سے سال کے تو مہینے تو شادی بھابی کی بہنیں اور حریف ہوتی تھیں۔ جب روشی بھابی اپنی بہن کو ہاسٹل سے گھر لائی تھیں یہ کہہ کر کہ بہن کا گھر ہوتے ہاسٹل میں رہنے کی کیا ضرورت ہے تو شادی بھابی نے۔۔۔ مارے حسد کے اپنی بہن کو بھی بلالیا تھا۔

”بونی اکیلے مجھ سے نہیں سنبھالا جاتا اگر آپ



اجازت دیں تو دوشی کو بالوں کچھ دونوں کے لیے۔" اس نے اسفند یار سے پوچھا تھا اور اسفند یار نے خوشی سے اجازت دے دی تھی۔

"ہاں ہاں کیوں نہیں۔" سب کے لیے اس بڑے حویلی نما گھر میں جگہ تھی صرف اس کے لیے نہیں تھی۔ اس نے چلوں پر اگلے آنسو کو اگلی کی پور پر لے کر جھٹکا۔

"ہاں صرف ایلیا اسفند یار کے لیے اس گھر میں جگہ نہیں تھی۔"

☆☆☆

جب وہ ایئر پورٹ سے باہر نکلی تھی تو شاید صبح کے چار بجے تھے اور اب شام کے پانچ بج رہے تھے۔ اس نے پھر انگلیوں پر گنا۔ بارہ گھنٹے سے زیادہ ہو گئے تھے۔ اور کسی نے اس کی خبر تک نہیں لی تھی۔ کوئی اس سے ملے نہیں آیا تھا۔ صبح بڑے بھیانے اس کا بیگ کمرے میں رکھتے ہوئے کہا تھا۔

"ابھی سب سو رہے ہیں تم بھی آرام کرو تھکی ہوئی ہوگی اتنی لمبی فاصلت تھی۔" ہاں ممکن تو وہ بے حد محسوس کر رہی تھی جہاز میں بھی باوجود کوشش کے اسے نیند نہیں آ سکی تھی۔

وہ چار سال بعد وطن چارہ تھی پتا نہیں کیا ہوگا وہاں سب ویسے ہی ہوں گے یا بدل چکے ہوں گے بولی اور بنگی تو تو رابڑے ہو گئے ہوں گے تو زمین کیسا ہوگا شابی بھالی جیسا یا بھیا جیسا بولی تو سارے کا سارا بھیا پر گیا ہے۔

چھوٹی ای کی اب بھی اتنی ہی سرد مہر ہوں گی یا بدل گئی ہوں گی اب تو خود ان کی بیٹی بڑی ہو گئی ہوگی شاید ان کا دل نرم پڑ گیا ہو۔ وہ نو سال کی تھی جب چھوٹی ای کے ہاں انوشہ پیدا ہوئی تھی اور اب وہ گیارہ سال کی ہوگی اور بدر اس سے ایک سال ہی تو چھوٹا تھا وہ تو دس سال کا ہوگا کتنا آسوت ساتھ اور وہ آرب مصطفیٰ وہ پتا نہیں ابھی تک ۱۷ برس گھر میں رہتا ہوگا یا چلا گیا ہوگا کس قدر لڑکا تھا۔ چھوٹی ای کی بھالی جیسے وہ اپنے ساتھ ہی لائی تھیں ایک بار شابی بھالی نے اسے بتایا تھا کہ

بہناہ پائینو

چھوٹی ای نے اسی شرط پر شادی کی ہے ابی سے کہ آرب مصطفیٰ کو ساتھ ہی رہیں گی کیونکہ ان کے والدین نہیں تھے اور چھوٹی ای ہی اس کے لیے سب کچھ تھیں۔ ابی جان پتا نہیں وہ اب بھی اس سے ویسی ہی محبت کرتے ہوں گے جیسے ابی جان کی زندگی میں کرتے تھے یا پھر۔۔۔ وہ ایک لمحے کے لیے بھی تو خود کو ماضی کی یادوں سے آزاد نہیں کر سکی تھی۔ اس نے سوچا تھا وہ چار سال بعد وطن آ رہی ہے تو سب ہی اسے لینے آئے ہوں گے لیکن صرف بڑے بھیا کو دیکھ کر اسے از حد مایوسی ہوئی تھی۔

"کیسی ہو بے بی؟" بڑے بھیا کے لہجے میں بہت ایسی نرمی تھی۔

"ابا زکیا ہے؟" "ٹھیک۔۔۔ ہے۔" اس کے حلق سے پھنسی پھنسی آواز نکلی تھی۔

اب وہ انہیں کیا بتاتی کہ اس نے تو ایک ماہ سے ایاز کو دیکھا تک نہیں تھا۔ ایک ماہ پہلے وہ اسے واشنگٹن سٹی میں نینا عادل کے قلیٹ میں چھوڑ کر ایسا گیا تھا کہ پھر اس سے بات تک نہیں کی تھی۔ اس کا ٹکٹ اس کی تیاری سب نینا نے ہی کی تھی۔ نینا نے بتایا تھا اسے کہ ایاز نے فون پر اس سے بات کی ہے اور ایسا کرنے کو کہا ہے۔

☆☆☆

ایک ماہ پہلے اپنے ایاز ٹرنٹ کی کڑکی کھولنے ہوئے اس نے سوچا تھا آج کتنی سردی ہے یہاں۔۔۔ وہاں ماڈل ٹاؤن کے اس بڑے سارے گھر کے ہر کمرے میں گیس کے ہیٹرز جل رہے ہوں گے اور شاید ماڈل ٹاؤن کی کشادہ سڑکیں بھر میں ڈوبی ہوں گی۔ وہ کتنی ہی دیر ماضی میں کھوئی رہی تھی یا پھر شنگ روم میں سب بیٹھے موٹک پھلی اور چائے پڑے کھا رہے ہوں گے اور شاید کسی نے ایلیا اسفند یار کو یاد بھی نہ کیا ہو۔ ابی جان نے بھی نہیں کہ ان کے پاس انوشہ جو آگئی ہے اور کیا انوشہ کو یا کر ایلیا ان کے دل سے اتر گئی تھی۔

وہ ایلیا اسفند یار جیسے وہ اپنی اولادوں میں سب سے زیادہ چاہتے تھے۔ شاید وہ ان کے دل سے اتر ہی

اپریل ۲۰۰۷ء

ابی شاید بیٹیاں ماؤں کے ہونے سے ہی باپوں کے دل میں رہتی ہیں اس کی ابی جان بھی تو ایک دن ہانک چلی گئی تھیں۔ رات جب وہ اسے پیار کر کے بے کمرے میں گئی تھیں تو اچھی بجلی تھیں لیکن صبح جب اس کی آنکھ کھلی تو چھوٹے بھیا نے روئے ہوئے سرخ آنکھوں کے ساتھ اسے بتایا تھا کہ ابی جان کو رات کو یہ قسم کا ہارٹ ایٹک ہوا ہے۔

"بے بی تم ای کے لیے دعا کرو نا" چھوٹے بھیا نے اسے ناشتا کروایا تھا حالانکہ اس کا ناشتا کرنے کا جی نہیں چاہ رہا تھا لیکن ہر روز کی طرح اس نے ضد نہیں کی تھی اور جب چاہ ناشتا کر لیا تھا۔ پھر اسی دوپہر کو ابی جان واپس آ گئی تھیں۔ خاموش بند آنکھوں کے ساتھ اس نے انہیں کتنا ہی کا رونا ہاتھ پکڑ کر ان کی ناک پر ہاتھ رکھ کر آنکھوں کو چم کر لیکن وہ تو بولتی ہی نہیں تھیں بڑے بھیانے اسے گود میں بھر کر بتایا۔

"بے بی ہماری ابی جان فوت ہو گئی ہیں اور اللہ میاں کے پاس چلی گئی ہیں۔"

"کیا میں اللہ میاں کے پاس نہیں جاسکتی بھیا؟" ان دنوں وہ کتنی ضدی ہو گئی تھی ہر وقت روتی اور اللہ میاں کے پاس جانے کی ضد کرتی تھی۔ پھر جس روز اس کی آنکھیں ساگر دھبی اور بڑے بھیانے اسے چاکلیٹ کا بیگٹ گفٹ دیا تھا اسی روز اسفند یار چھوٹی ای کو لائے تھے اور ان کے ساتھ آرب مصطفیٰ بھی تھا بڑے بھیا کا ہم عمر ہی ہوگا اور پھر ایاز ملک کی دہائز اسے ماڈل ٹاؤن کے اس بڑے سارے گھر سے باہر لے آئی تھی۔

"میں نے تمہیں کافی بتانے کو کہا تھا۔" جب کڑکی بند کر کے وہ کافی کا کپ لے کر ایاز ملک کے پاس گئی تھی تو ایاز ملک نے گرم گرم کافی کا کپ اس کے ہاتھ سے لے کر زمین پر دے مارا۔ گرم کافی کے چھینٹے اس کے پاؤں پر پڑے تھے۔

"ایلیا اسفند یار آئی ہیٹ پڑتا نہیں کس جرم کی پاداش میں تم مجھ پر سلاط کی گئی ہو۔"

یہ کتنی عجیب بات تھی کہ شادی کے چار سال بعد بھی وہ ایلیا اسفند یار ہی تھی ایلیا ایاز ملک نہیں۔۔۔ اس سے

۱۱۷

ماہنامہ پاکیزہ

جون ۲۰۰۷ء

کتابیں اور اخبار اٹھا کر نیچے پھینک دیے تھے۔ وہ اپنے غصے کا اظہار اس طرح ہی کرتا تھا چیزیں پھینک کر اور توڑ کر۔

”آپ مجھے پاکستان واپس کیوں نہیں بھیج دیتے۔“ چار سالوں کی خاموشی کے بعد اس نے زبان کھولی تھی اور یہ دراصل وہ نہیں نینا عادل بول رہی تھی نینا عادل جو ایاز ملک کی سگی تایا زاد تھی لیکن اسے ایلیا اسفندیار سے ہمدردی تھی۔

”ایلی! تم ایاز سے کیوں نہیں کہتیں کہ وہ تمہیں واپس پاکستان بھجوا دے۔“ اس نے کئی بار کہا تھا اور آج صبح بھی وہ اس سے کہہ رہی تھی ”ایلی! اس طرح تو تم مرجاؤ گی تم ایاز سے کہو یا پھر میں کہتی ہوں میرے خدا تم چار سال سے اس اذیت میں ہو، کاش میں پہلے یہاں آجاتی۔“ نینا عادل ورچینیا میں تھی اور کوئی سات ماہ پہلے واشنگٹن مٹی آئی تھی۔

”پاکستان واپس.....“ اس نے قہقہہ لگایا تھا۔

”ہاں..... یہ خیال مجھے پہلے کیوں نہیں آیا۔ چار سال سے تم میرے سر پر مسلط ہو غدا ب بنی ہوئی ہو لیکن اس کے لیے تمہیں خود ڈیڈ سے کہنا ہوگا کہ تم پاکستان آنا چاہتی ہو۔“ اس نے اس کی کلائی کودائیں ہاتھ کی گرفت میں لے کر تفریبا روڑ ڈالا تھا۔

”اور تم کہو گی..... تم ڈیڈ سے کہو گی آج ہی۔“ اس نے اس کی کلائی چھوڑ کر اسی وقت نمبر لایا تھا لیکن ڈیڈ سے اس کی بات نہیں ہو سکی۔۔۔ اگلی صبح جب وہ ناشتا بنا رہی تھی تو نہ جانے کس کا فون آیا تھا کہ ایاز ملک نے ناشتا بھی نہیں کیا اور فوراً ہی کہیں جانے کے لیے تیار ہو گیا، ایلیا دیکھ کر اس نے اندازہ لگایا تھا کہ وہ کہیں زیادہ دنوں کے لیے جا رہا ہے۔

”تم اپنے کچھ کپڑے لے لو میں نیکلاس جا رہا ہوں تمہیں نینا آپی کے پاس چھوڑ جاؤں گا۔“ پھر اسے نینا عادل کے حوالے کرتے ہوئے اس نے کہا تھا۔

”آپی! اس کی بات ڈیڈ سے کر دیجئے گا اور اگر وہ کہیں تو پھر پاکستان کے لیے ٹکٹ وغیرہ لے کر اسے پاکستان روانہ کر دیجئے گا۔“

”کیوں تم کہاں جا رہے ہو؟“
”نیکلاس جا رہا ہوں، ہو سکتا ہے زیادہ دن لگ جائیں اور ایلیا اپنی فیملی کے لیے اداس ہو رہی ہے۔“
”اچھا.....“ نینا عادل کا اچھا بہت معنی خیز تھا۔
”اور نیکلاس میں تمہیں کیا کام ہے؟“

”وہ.....“ ایاز نے سر کھجایا ”دراصل میرا فریڈ بیمار ہے وہاں اسپتال میں ایڈمٹ ہے کچھ دیر پہلے ہی فون آیا تھا۔“ نینا عادل کچھ دیر اسے دیکھتی رہی پھر وہ انہیں لاؤنج میں چھوڑ کر اندر نینا کے بیڈروم میں چلی آئی تھی۔ نینا عادل جو ایاز ملک کے سگے تایا کی بیٹی تھی اس سے بے حد مختلف تھی۔ اس نے ایلیا کو بتایا تھا کہ ورچینیا آنے کے صرف تین سال بعد اس کا ہسپتال ایک حادثے میں اپنی ٹانگیں کٹوا بیٹھا تھا اور اس نے چار سال اس اجنبی شہر میں تنہا اس کی خدمت کی اور پھر چار سال بعد وہ مر گیا تب بھی وہ پاکستان واپس نہیں گئی کیونکہ اس کے دو بیٹے تھے اور اسے ان کے مستقبل کے لیے جنگ کرنا تھی اب اس کا بڑا بیٹا پندرہ سال کا اور چھوٹا گیارہ سال کا تھا۔

”میں نے بہت محنت کی ہے، ایلیا اور بہت مشکل ہوں۔ کبھی سوچتی ہوں یہاں رہنے کا فیصلہ صحیح تھا کبھی سوچتی ہوں شاید غلط تھا لیکن وہاں پاکستان میں بھی کون تھا میرا ایک چچا جان اور چچی میرے ڈیڈ تو میری شادی سے چند ماہ پہلے ہی وفات پا گئے تھے اور ماما میرے بچپن میں..... سوچتے تو یہاں ہی رہنا تھا اپنے بچوں کے لیے میرے پاس یہ تھے لیکن تمہارے پاس تو ایسا کچھ نہیں ہے کوئی آسرا نہیں ہے اور یہاں اکیلے اس طرح جینا آسان نہیں ہے ایلی۔ پھر وہاں پاکستان میں تمہارا بھرا پُرا گھر ہے تم ایاز سے کہو تمہیں پاکستان بھیج دے۔ جب وہ تمہیں پسند نہیں کرتا تمہارے ساتھ زندگی نہیں گزارنا چاہتا تمہیں پل پل اذیت دیتا ہے تمہیں اپنے بچوں کی ماں نہیں بنانا چاہتا تو پھر کیوں رہ رہی ہو تم..... میں چچا جان سے سب کہہ دیتی ہوں۔“

”نہیں پلیز۔“ اس نے نینا کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے تھے ”آپ انکل سے کچھ نہ کہیں۔“

ایاز ملک نے نینا عادل کے واشنگٹن آنے کے دوسرے دن ہی اسے سمجھایا تھا ”خبردار! جو تم نے نینا سے کوئی بات کی اور اس نے نینا سے کچھ نہیں کہا تھا لیکن نینا تو خود ہی جان گئی تھی سب کچھ۔“

”کیا کیتھی آئی ہے یہاں؟“ ایک روز ایاز ملک اپنے آفس میں تھا نینا عادل نے اس روز اپنے کام سے چھٹی کی تھی اور اپنے بچوں کو ان کے اسکول چھوڑ کر اس کے پاس آگئی تھی اور نینا کے منہ سے کیتھی کا نام سن کر وہ حیران رہ گئی تھی۔

”یہ کیتھی کون ہے؟“

”کیتھرائن ہے آجی کی دوست..... آجی دراصل اسی سے تو شادی کرنا چاہتا تھا لیکن چچا جان نے اس کی شادی تم سے کر دی اور حقیقتاً تم اتنی پیاری ہو کہ ایاز کیتھی کو بھول گیا ہوگا۔ تمہارے ساتھ کیسا ہے وہ اور یہ تم دونوں ابھی تک اکیلے کیوں ہو؟ چچی جان نے بطور خاص مجھ سے کہا تھا کہ جب واشنگٹن جاؤں تو تم سے پوچھوں آجی اکلوتا ہے نا اور چچا جان اور چچی جان دونوں کو بہت شوق ہے کہ اس کے بچے ہوں۔ پہلے تو آجی بھی کہتا تھا کہ اس کے ڈھیر سارے بچے ہوں گے۔“ نینا عادل ہنسی تھی لیکن وہ یونہی ساکت بیٹھی رہی لیکن اب وہ سولہ سال کی معصوم لڑکی تو نہیں تھی کہ نہ جان سکتی کہ ایاز ملک اسے ماں بننے کا اعزاز نہیں دینا چاہتا۔ اس معاشرے میں رہ کر وہ اتنا تو جان ہی چکی تھی اب۔

”ایلیا تم چپ کیوں ہو کیا آجی.....؟“ اور اسے کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں پڑی آنکھوں میں چپکتے آنسوؤں کے قطرہوں نے سب کہہ دیا۔ نینا عادل حیران سی اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔

”تم تین سال اور تین ماہ میں اسے فتح نہیں کر سکیں حالانکہ اللہ نے تمہیں حسن کی دولت سے دل کھول کر نوازا ہے۔“ پھر نینا عادل نے کتنا ہی چاہا تھا کہ وہ سب کچھ انکل آفتاب ملک کو بتا دے لیکن وہ ایسا نہیں کر سکی تھی حالانکہ مہینے دو مہینے بعد ان کا فون ضرور آتا تھا صرف اس کے لیے ایاز تو خود ہی آفس میں ان سے بات کر لیتا تھا۔ ان بیٹے چار سالوں میں ایک بار وہ خود

آکر مل بھی گئے تھے تین ماہ کا وہ عرصہ جب وہ اور آنٹی یہاں رہی تھیں اس کے لیے ایک خواب جیسا تھا ایاز کی نری اور محبت سے بات کرنے لگا تھا عمران کے چائے ہی.....

”تم جانتی ہو ایلیا! ایاز کس کے پاس جا رہا ہے؟“ اسے رخصت کر کے جب غینا عادل اس کے سامنے آکر بیٹھی تھی تو اذہد افسردہ لگ رہی تھی ”بھئی کے پاس وہ کچھ بیمار ہے اور دیکھنا ایک دن وہ اس سے شادی کر لے گا۔“ لیکن وہ یونہی بے حس بیٹھی رہی تھی۔

”میں نے کہا ہے اس سے کہ تم اسے قبول نہیں ہو تو وہ جہیں غائب کر دے ابھی تمہاری عمر ہی کیا ہے تم اپنی زندگی بچے سے شروع کر سکتی ہو کسی اچھے انسان کے ساتھ لیکن پتا ہے وہ ڈرتا ہے بچا جان سے..... بچا جان نے اپنی قسم دے رکھی ہے اسے وہ کہتا ہے اگر میں بچا جان کو رہائی کروں تو وہ اسی وقت..... ایلیا کے دل میں ایک ارتعاش سا پیدا ہوا تھا لیکن وہ ساکت بیٹھی رہی تھی۔

”خیر یہ تو بعد کی باتیں ہیں پہلے میں تمہاری بچا جان سے بات کر دوں۔“ اور پھر غینا عادل نے ہی اس کی بات اٹھل آفتاب سے کروائی تھی۔

”اچھا..... اچھا تم اس میں اسے کہو وہ ہنسے تھے تو آ جاؤ لیکن اس کا بھاریانہ تو کچھ نہیں کہا؟“

”نہیں اٹھل۔“ اس نے یہ مشکل اپنے آنسو پیچھے تھے پتا نہیں اٹھل آفتاب ہمیشہ ہی ایاز ملک سے ہر گمان کیوں رہتے تھے شاید وہ جانتے تھے..... ٹھیک ایک ماہ بعد غینا عادل نے اس کے ہاتھ میں پاکستان کا ٹکٹ چھپایا تھا۔

”دو دن بعد تمہاری فلائٹ ہے میں نے آجی کو بتا دیا تھا لیکن وہ نہیں آ سکتا تمہیں کچھ خریدنا ہو تو یا اسے اپنا ٹکٹ سے سامان لانا ہو تو حلیفہ کے ساتھ چلی جانا۔“ اس نے اپنے بڑے بیٹے کا نام لیا تھا۔

”میں آج بہت بڑی ہوں یہ کھت چہرہ دیتے ہیں لیکن کام بھی گدھوں کی طرح لیتے ہیں۔“ لیکن ایسے کیا خریدنا تھا بھلا اور پھر اس کے پاس رقم بھی کہاں تھی

اور اپنا ضروری سامان تو وہ پہلے ہی خیار کر لے آئی تھی چند جوتے کپڑے ہی تو تھے جس۔ زبیر کے نام پر دو چوڑیاں ہاتھوں میں تھیں اور ایک لاکٹ سیٹ تھا جو وہ وہاں سے لیکن کرائی تھی۔

”آجی سے بات کر دو گی.....؟“ شام کو جب غینا آفس سے آئی تو اس نے پوچھا تھا۔

”نہیں میں بھلا کیا بات کروں گی۔“ ان چار سالوں میں بھلا کہاں اس نے خود سے ایاز ملک سے بات کی تھی جواب کرتی۔

”ایلی۔“ غینا نے اس کے ہاتھ تمام کرنزی سے کہا تھا ”تم جب پاکستان جاؤ تو سب کچھ بتا دینا اپنے والدین کو اور اپنی زندگی حزیہ برباد مت کرنا..... آجی سے کہیں کچھ نہیں ملے گا وہ بچپن سے ہی ایسا ہے غندی اور اکھڑ سا جس بات پراڑ جائے اڑ جاتا ہے ورنہ تم میرا کیا نہیں ہے اور نہیں تو اپنی امی کو تو بتا سکتی ہو نا سب کچھ.....“ اسے خاموش دیکھ کر غینا عادل نے کہا تھا۔

”میری امی میری اسٹیپ مدر ہیں۔“ اس نے پہلی بار غینا عادل کو بتایا۔

”اوہ تب ہی تو.....“ غینا عادل نے ہونٹ کھیلے تھے۔ ”ابجی کم عمری میں تمہیں اس بندھن میں باندھ دیا گیا سولہ سال بھی کوئی عمر ہوئی ہے شادی کی۔“

”اگلے روز میں اپنے اسکول سے زلزلٹ کارڈ لینے گئی تھی اپنی فریڈ کے ساتھ میرے بہت اچھے نمبر تھے اور بڑے۔“ بھیا نے کہا تھا وہ مجھے کھینچو میں داخلہ دلوادیں گے لیکن جبب واپس آئی تو بوا خیرن نے کہا ”مجھے ابی جان ڈرا ٹھنک روم میں بلا رہے ہیں۔“ اس روز اس نے ٹھیک بار غینا عادل کو اپنی شادی کا احوال بتایا تھا۔ غینا دھیان سے سن رہی تھی۔

”اور جب میں ڈرائنگ روم میں آئی تو وہاں میں نے آفتاب اٹھل کو بھی ابی جان کے ساتھ بیٹھے دیکھا۔ اس سے پہلے میں نے اپنے ہوش میں صرف دو بار انہیں دیکھا تھا ایک بار بڑے بھیا اور ایک بار چھوٹے بھیا کی شادی پر لیکن انہوں نے مجھے بتایا تھا کہ میری امی کی ڈیڑھ پر وہ ہمارے گھر میں تین چار دن رہے تھے اپنی

مستر کے ساتھ لیکن مجھے کچھ پانہیں آیا تھا وہ کچھ دیر مجھے دیکھتے رہے میں سلام کر کے کچھ دیر یوں ہی کھڑی رہی میرے ہاتھ میں میرا زلزلٹ کارڈ تھا۔

”اور تمہیں میرے پاس آ کر۔“ میں جھجکتی ہوئی بیٹھ گئی تھی انہوں نے مجھ سے میرا زلزلٹ کارڈ لے کر دیکھا تھا ”مجھے مبارکباد دے اور پانچ سو روپے پھر ابی جان کی طرف دیکھا تھا۔

”بہتر تو تھا اسفند کہ تم اسے کم از کم اتر کر نے دیتے۔“

”نہیں۔“ ابی جان کے چہرے پر بڑی تھی۔

”اگر تمہیں انکار ہے تو پھر میں کل ہی اس کا انکار پڑھا دیتا ہوں ناہ باب خان سے۔“

”نہیں نہیں میں نے انکار کب کیا ہے تم تیاری کر دو آج میرے نا آج سے ٹھیک چھ دن بعد میں اتوار کو برات لے کر آ رہا ہوں بلکہ تیاری بھی کیا کرنا ہے اللہ کا دیا سب کچھ سے میرے پاس۔“

”تم نے ابھی طرح سوچ لیا ہے نا آفتاب بعد میں نہ کہنا دوست نے دھوکا دیا میں نے تمہیں ساری بات بتا دی ہے اور زریاب کو انکار نہیں وہ تمہاری بھائی کی بات ٹال نہیں سکتا۔“ میں ہونٹ سی بی بیٹھی تھی مجھے کچھ کچھ نہیں آ رہا تھا تب آفتاب اٹھل نے ابی جان سے کہا تھا بلکہ درخواست کی تھی۔

”اسفند کیا تم مجھے اجازت دو گے کہ میں اپنی بیٹی سے کچھ دیر چھائی میں بات کروں..... ابی جان اٹھ کر باہر چلے گئے تھے۔

”ہاں ہاں تم بات کر دو میں تمہاری بھائی کو بتا دوں کہیں وہ چلی ہی نہ گی ہو آج اسے چنڑی جانا تھا“ تب آفتاب اٹھل مجھ سے میری دلچسپیاں پوچھتے رہے اور باتوں باتوں میں انہوں نے پوچھا تھا۔

”تمہیں اپنے گھر میں سب سے اچھا کون لگتا ہے؟“

”بڑے بھیا۔“ میں نے فوراً کہا تھا ”اور بولی اور ابی بھی اچھے لگتے ہیں۔“

”اور وہ آرب مصطفیٰ تو کیسا ہے؟“

”بہت لڑاکا ہے بھیا سے بچپن میں بہت لڑتا تھا“ اس لیے مجھے ذرا بھی اچھا نہیں لگتا ویسے ہے بھی سڑیل سا اس کی چھوٹے بھیا بڑے بھیا کی سے بھی دوستی نہیں ہے سب سے جلتا ہے وہ اور چھوٹی امی اسے کسی سے بات بھی نہیں کرنے دیتیں حالانکہ بڑے بھیا نے تو چاہا تھا کہ دوستی کر لیں اس سے لیکن اٹھل اس نے بڑے بھیا کو بالکل لٹ نہیں کروائی اور مجھے تو زہر لگتا ہے وہ۔۔۔ اس نے شاید انوشہ کو بھی منع کر دیا ہے وہ بھی مجھ سے بات نہیں کرتی۔“ تب آفتاب اٹھل نے میرے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تھا۔

”آج سے میں نے تمہیں اپنی بیٹی بنالیا ہے اور تمہیں اپنے بیٹے کی دیکھنا کر اپنے گھر لے جاؤں گا۔“ میری ہلکی جھجکتی تھی مجھے آفتاب اٹھل سے بے تحاشا شرم آئی تھی اور وہ ہنس دیے۔ میں صرف سولہ سال کی تھی مجھے پڑھنے کا شوق تھا شادی سے متعلق میرے ذہن میں ہوائے اس کے اور کچھ نہیں تھا کہ ایک خوبصورت مرد کا ساتھ اچھے اچھے کپڑے کپتے اور سیر و تفریح۔ میں نے شابی بھائی کو بڑے بھیا کی سنگت میں بہت خوش دیکھا تھا۔ شابی بھائی میرے ابی کی کزن کی بیٹی تھیں بڑے بھیا ایک بار جنگ گئے تو پھر ان کے لیوں پر ہر وقت شابی بھائی کا ہی نام رہنے لگا تھا۔ ان کی والدہ کو وہ خال جان کہتے تھے۔

”خالہ جان کی بیٹی شہاب بہت اچھی ہے بہت خوبصورت بہت۔“ یقیناً اس کے ہاتھ میں بہت ڈاکٹھ ہے۔

”یہ شہاب کیا نام ہوا؟“ چھوٹے بھیا نے مذاق اڑایا تھا۔ ”تصور میں قدرت اللہ شہاب آ جاتے ہیں۔“ لیکن بڑے بھیا کو تو جانے خالہ جان نے کیا گھول کر پلایا تھا کہ انہوں نے شادی کی رٹ لگا دی اور ابھی پڑھ ہی رہے تھے کہ شادی کر لی۔ خالہ جان نے ابی جان کو بھی ہاتھ میں کر لیا تھا کہ جو وہ فوراً ہی رضامند ہو گئے اور چھوٹے بھیا کیوں پیچھے رہتے بڑے بھیا کی شادی کے دو سال بعد وہ بھی اپنی ایک کلاس فیلو پر مرے اور یوں روشی بھائی بھی اس گھر میں آ گئیں چھوٹی امی نے غیرت

دلانی۔

”لو بہن ابھی بیٹھی ہے اور بھائی شادی رچا بیٹھے۔“

”بہن کا جب وقت آئے گا تو اس کی شادی ہو جائے گی آپ فکر نہ کریں۔“ چھوٹے بھیا منہ پھٹتے۔

”چھوٹے بھیا کی جب شادی ہوئی تو میں آٹھویں کلاس میں پڑھتی تھی میں تو خوش تھی مینا عادل کہ میری شادی ہو رہی ہے۔ مجھے تو پتا ہی نہیں تھا کہ یہ ایک سزا ہے جو مجھے بھگتنی ہے۔ چھوٹی امی راولپنڈی جا چکی تھیں ابی جان نے آکر آفتاب انکل کو بتایا۔

”دراصل ان کی رشتے کی چچی کا انتقال ہو گیا ہے اور انہیں جانا تھا لیکن خیر تین چار دن تک آجائیں گی تم اتوار کو برات لا سکتے ہو۔“ انہوں نے مجھے جانے کا اشارہ کیا اور میں دھڑکتے دل کے ساتھ اپنے کمرے میں آگئی تھی۔

”ہائے اتنی جلدی۔“ ابی جان نے آفتاب انکل کے جانے کے بعد سب کو اپنے فیصلے سے آگاہ کیا تھا بڑے بھیا نے احتجاج کیا۔

”ایلی ابھی بہت چھوٹی ہے ابی جان۔“

”کوئی چھوٹی نہیں اس سے پہلے کہ کوئی چاند چڑھائے میں اسے عزت دآبرو کے ساتھ رخصت کرنا چاہتا ہوں۔“ انہوں نے دونوں بھابیوں سے کہا تھا کہ وہ ان چند دنوں میں کچھ کپڑوں کی شاپنگ کر لیں میرے لیے۔

پھر شابی بھابی اور روشی بھابی نے سات آٹھ ریڈی میڈ جوڑے خرید لیے۔ ابی جان شابی بھابی کو ساتھ لے کر ایک سیٹ اور چوڑیاں بھی لے آئے تھے۔ مجھے اپنا ویڈنگ ڈریس کچھ خاص پسند تو نہیں آیا تھا لیکن خاموش رہی۔ ابی جان نے ایک ہوٹل میں برات کے استقبال کا انتظام بھی کر لیا تھا۔

”برات کے ساتھ زیادہ لوگ نہیں ہوں گے صرف پچاس ساٹھ۔“ انہوں نے بڑے بھیا کو بتایا تھا۔

جس روز چھوٹی امی راولپنڈی سے آئی تھیں اس

روز روشی بھابی لاؤنج میں ڈھولکی رکھے گانے گارہی تھیں اور میں پاس ہی پیلا دوپٹا اوڑھے بیٹھی تھی۔ روشی بھابی نے چھوٹے بھیا سے کہہ کہہ کر ڈھولکی منگوائی تھی کہ کچھ تو پتا چلے اس گھر میں شادی ہو رہی ہے۔ چھوٹی امی انوشہ کا ہاتھ تھا مے لاؤنج میں حیران سی کمر پر ہاتھ رکھے کھڑی تھیں اور چھوٹی بھابی انہیں دیکھ کر بھی انجان بنی ہوئی تھیں۔

”یہ ڈھولکی کس خوشی میں بجائی جا رہی ہے؟“

”شادی ہو رہی ہے!“

”کس کی کیا اپنے میاں کی کروا رہی ہو؟“

”میرا میاں بے چارہ ایک ہی کر کے رچ گیا ہے۔“ چھوٹی بھابی بہت موڈ میں تھیں چھوٹے بھیا نے کل ہی انہیں گنگن بنوا کر دیے تھے۔

”ایلی کی شادی ہے۔“ شابی بھابی نے بالآخر ان کا تجسس دور کیا تھا۔

”ایلی کی..... لیکن ایسی کیا جلدی تھی اسفند کو کہا تو تھا میں نے زری کی بیوی کا چالیسواں ہو جائے تو رخصتی کریں گے..... لوگ کیا کہیں گے بیوی کا چالیسواں بھی نہیں ہوا اور دوسری لے آیا۔“

”لیکن چھوٹی امی ایلی کی شادی آپ کے خالہ زاد بھائی زریاب خان سے نہیں بلکہ آفتاب انکل کے بیٹے سے ہو رہی ہے۔“ ان کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

”اور وہ جو زریاب خان کو میں نے زبان دی تھی۔“

”زریاب خان کو زبان دیتے آپ کو انوشہ کا خیال نہیں آیا تھا ایلی بھی انوشہ جیسی ہی ہے کیا انوشہ کی شادی آپ ساٹھ سالہ بڑھے سے کر سکتی ہیں۔“ بڑے بھیا کم بولتے تھے لیکن جب بولتے تھے تو چھوٹی امی بول نہیں پاتی تھیں ان کے سامنے۔

”اتنا ظلم نہ کیجئے چھوٹی امی کہ آسمان بھی رو پڑے۔“ میں تو ساکت بیٹھی تھی..... اگر آفتاب انکل مجھے ابی جان سے نہ مانگ لیتے تو..... زریاب خان کے تصور سے ہی میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے ایک بار دیکھا تھا میں نے اسے جب وہ چھوٹی امی سے ملنے آیا تھا۔

امی اس وقت تو چپ کر گئی تھیں لیکن بعد میں ابی جان سے خوب لڑی تھیں لیکن ابی جان نے ان کی لڑائی کی پروا نہیں کی تھی اور میں ایاز ملک کی دلہن بن کر ساہیوال آ گئی تھی۔ ساہیوال میں آفتاب انکل کی حویلی اتنی بڑی تھی اتنے سارے ملازم تھے انکل اور آنٹی بہت چاہتے تھے مجھے لیکن ایاز ملک بہت اکھڑا اکھڑا سا رہتا تھا کچھ ناراض اور خفا خفا سا شادی کے صرف پندرہ دن بعد وہ یہاں آ گیا تھا اور میں ادھر حویلی میں ہی رہی۔ پھر چار ماہ بعد اس نے مجھے یہاں بلا لیا اور یہاں آتے ہی پہلی رات اس نے مجھ سے کہہ دیا کہ میں اس پر مسلط کی گئی ہوں اور وہ اپنے ڈیڈ کی وجہ سے یہ گلے پڑا ڈھول بجانے پر مجبور ہے ورنہ وہ مجھ سے نفرت کرتا ہے۔“ نینا عادل نے بہت خاموشی سے اس کی ساری بات سنی تھی اور تاسف سے اسے دیکھا۔

”یہ سب تمہاری اسٹیپ مدر کی سازش لگتی ہے انہوں نے یقیناً تمہارے قادر کو تمہارے خلاف ورغلا یا ہوگا اور وہ تمہاری شادی زریاب خان سے کرنے لگے ہوں گے اور بالکل فلمی انداز میں چچا جان نے انٹری دے کر تمہیں اس خونخوار شخص سے بچالیا اور اپنے شہزادے کے لیے مانگ لیا۔ یہ الگ بات کہ یہ شہزادہ تمہارے لیے ولن ثابت ہو رہا ہے۔“ نینا عادل ہنسی تھی لیکن وہ ہنس بھی نہیں سکی تھی۔

”کیا ایسا نہیں ہو سکتا نینا عادل کہ میں یہاں ہی رہ جاؤں کہیں جاب کر لوں ایاز ملک سے دور کہیں.....؟“

”نہیں“ میری جان اکیلی لڑکی ہر جگہ غیر محفوظ ہے میں تمہیں کیا بتاؤں میں نے کیا کیا نہیں سہا وہاں درجنیا میں سیٹل تھی میں تنخواہ بھی یہاں سے زیادہ تھی لیکن پھر میرا باس میرے پیچھے پڑ گیا مجھ دو بچوں کی ماں کے پیچھے یہاں بڑی عجب دنیا ہے ایلیا وہاں پاکستان میں تمہارے لیے تحفظ ہے وہاں تمہارے بھائی ہیں سگے بھائی ایاز میرا سگا بھائی نہیں ہے لیکن پھر بھی بھائی ہی سمجھا ہے اسے میں نے اسے بتایا اپنے باس کے متعلق اس نے کہا میں فوراً واشنگٹن آ جاؤں پھر اس نے میری جاب اور اس اپارٹمنٹ کا انتظام کیا تمہارے ساتھ وہ

جیسا بھی ہے میرا تو بھائی ہے احترام کرتا ہے میرا اور مجھ سے بھائیوں جیسی ہی محبت کرتا ہے۔ ہم نے ایک ہی حویلی میں بچپن کے دن گزارے ہیں اکٹھے تمہارے لیے بہتر ہے کہ تم پاکستان چلی جاؤ اپنوں میں۔ آ جی میری ہر بات مانتا ہے لیکن تمہارے معاملے میں میری بات سننے کے لیے تیار نہیں ہوتا.....“

☆☆☆

اس کی فلائٹ لاہور کی تھی آفتاب انکل نے لاہور فون کر کے فلائٹ نمبر وغیرہ بتا دیا تھا۔

”کچھ دن اپنے بہن بھائیوں کے ساتھ رہ لو جب ساہیوال آنا ہو فون کر دینا لے جاؤں گا۔“ انہوں نے کہا تھا۔

وہ بڑے بھیا کے ساتھ ایئر پورٹ سے گھر آ گئی تھی اور بڑے بھیا نے اسے کمرے میں چھوڑ دیا تھا۔ فریٹ فلور کا یہ وہی کمرہ تھا جس میں شادی سے پہلے وہ رہتی تھی لیکن اب کس قدر نا مانوس لگ رہا تھا۔ کمرے میں دروازے تھے ایک باہر لاونج میں کھلتا تھا اور دوسرا ٹیرس پر..... اس وقت وہ ٹیرس میں رکھی کرسی پر بیٹھی تھی نیچے لان سے بچوں کی ہنسی اور شور کی آوازیں آرہی تھیں وہ اٹھی اور واپس کمرے میں آ گئی لائٹ جلا کر کمرے کا جائزہ لیا ایک بیڈ ایک طرف ٹو سیٹر صوفہ ایک رائٹنگ ٹیبل اور چیئر نہ ٹیبل پر کچھ کتابیں تھیں نہ ہی دارڈروب میں کسی کے کپڑے لٹک رہے تھے۔

”پتا نہیں میرے بعد اس کمرے میں کون رہ رہا تھا۔“ اس نے بیگ کھول کر اپنے کپڑے دارڈروب میں لٹکائے یکا یک اس کے پیٹ میں اٹٹھن ہوئی بھوک ہاں اسے بھوک لگ رہی تھی جہاز میں بھی اس نے کچھ نہیں کھایا تھا بس چائے اور ایک سلاٹس لیا تھا اور کیا کسی کو خیال نہیں کہ اسے اس گھر میں آئے بارہ گھنٹے ہو گئے ہیں ٹھیک ہے وہ تھکی ہوئی تھی اور سو گئی تھی لیکن اب اسے جاگے ہوئے بھی چار پانچ گھنٹے ہو گئے تھے۔

”شاید وہ سمجھ رہے ہوں گے کہ میں سو رہی ہوں مجھے خود ہی باہر جانا چاہیے آخر یہ میرا گھر ہے میرے باپ کا گھر۔“ اس گھر سے ان چار سالوں میں کسی نے اسے فون

نہیں کیا تھا سوائے بڑے بھیا کے اور بڑے بھیا نے بھی کتنی بار فون کیا ہوگا زیادہ سے زیادہ چار یا چھ بار۔ کسی نہ کسی حید پر اپنے دوسرے بچے کی پیدائش پر اور بس۔ اس نے ایک جوڑا نکالا اور واش روم میں گھس گئی یہ جوڑا اسے نیٹا عادل نے دیا تھا آتے ہوئے بلکہ اس کے علاوہ بھی دو تین جوڑے دیے تھے اس کے کپڑے دیکھ کر انہیں حاسف ہوا تھا۔ وہی پاکستان سے لائے ہوئے ریشمی جوڑے چند شریں اور ایک دو جینز۔

”یہ اتنی لمبی لمبی فیصوں کا تو اب فیشن ہی نہیں رہا ایلا جان۔ افو۔۔۔ آجی نے تمہیں کس جرم کی سزا دی ہے۔“ انہیں ایلا ز پر بہت غصہ تھا۔

”ایک دفعہ ٹیکس سے آئے تو میں کان کھینچوں گی اس کے۔“ اور اب کیا فائدہ اب تو وہ چار ہی گئی۔

”جی ٹھیک ہوں۔“ چھوٹی ای کے لہجے میں وہی چار سال پہلے والی سردہری محی نکلتا تھا جیسے وہ چار سال بعد نہیں آئی بلکہ ابھی ابھی کہیں گئی ہو اور واپس آ گئی ہو۔ اس نے انوشکی طرف دیکھا اس کا جی چاہا وہ اسے گلے

”میں خیرن ہوا.....؟“ انوش نے اپنی طرف اشارہ کیا۔ ”میں تو ابھی کرا لے سینٹر سے آئی ہوں اور میں تو نہیں مگی ایلیا کے کمرے میں۔“

”بڑی بہن ہے تمہاری باجی کہو۔“ چھوٹی اسی نے خواہواہ سے ڈانٹا۔

”لیکن مجھے یاد ہے اس دن تو آپ کہہ رہی تھیں کہ ایلیا آرہی ہے کوئی ضرورت نہیں اسے باجی کہہ کر اس کے پیچھے بھاگنے کی۔“ خیرن ہوا کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آئی لیکن فوراً ہی انہوں نے منہ پھیر کر ایلیا سے کہا۔

”ایلیا بیٹا تمہیں تو بھوک لگی ہوگی میں کھانا گرم کر کے لاتی ہوں۔“

”نہیں ہوا کھانا اب رات میں ہی کھاؤں گی بس چائے کے ساتھ کچھ دے دیجئے۔“

”پیٹ میں تو چر ہے دوڑ رہے ہوں مگے۔“ انوش نے اب ریوٹ نیچے رکھ دیا تھا اور دھڑکی سے اسے دیکھ رہی تھی کچھ دیر پہلے ایلیا کا دل جو اس کی طرف سے بڑا ہوا تھا اب صاف ہو گیا تھا۔

”ہاں۔“ وہ خواہواہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہنے لگی۔

”لیکن چائے کے ساتھ کچھ کھالوں گی تو بھوک کو سہارا مل جائے گا“ آپ سب چائے پی چکے؟“

”میرا خیال ہے چائے پی جائیگی ہے۔“ انوش نے جواب دیا۔ ”کیونکہ چائے میں آئی تو یونیکل سے چائے کے برتن اٹھا رہی تھیں۔“

”تو ڈرامہ اٹھو اب یہاں سے تمہارا ٹیڑا آئے ہے والا ہوگا۔“ چھوٹی اسی کی پیشانی پر شکنیں تھیں۔

”وہ چار سال بعد آئی تھی پھر بھی چھوٹی اسی کی پیشانی پر اسے دیکھ کر پہلے کی طرح ہی شکنیں پڑ گئی تھیں۔ جب وہ ذرا سمجھدار ہوئی تھی تو اس نے ان کے سامنے آنا ہی چھوڑ دیا تھا۔ ان کا موڈ اسے دیکھ کر خراب ہو جاتا تھا آج بھی ان کا موڈ بہت خراب لگ رہا تھا۔

”آج میرے ٹیڑے بھائی کی شادی ہے انہوں نے نہیں آنا۔“ انوش نے ہمریوٹ اٹھا لیا تھا اور اب مختلف چینل بدل بدل کر دکھ رہی تھی۔ اس کا پورا دھیان

ٹی وی کی طرف تھا اور وہ قریب ہی ایلیا سے بے خبر ہو گئی تھی حالانکہ ایلیا کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ اس سے باتیں کرے تو کیا وہ اٹھ کر باہر لان میں جائے اس نے سوچا لیکن پیٹ میں پھر اٹھنٹھن ہوتی نہیں پہلے چائے پی لوں چھوٹی اسی اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئیں تو وہ کچن میں ہی آگئی ہوا کتاب تل رہی تھیں سموسوں کا پیکٹ نکال کر رکھا ہوا تھا۔

”بیس ہوا صرف کتاب ہی رہنے دیں اور چائے بنا دیں“ اس نے مڑ کر فریج کو دیکھا وہ اپنی پرانی جگہ پر ہی تھا۔ فریج سے اس نے ڈبل روٹی نکالی اور سادہ سلاسل میں گرم گرم کتاب رکھا۔

”اے لو بیٹا کچپ تو لے لو۔“

”نہیں بوا“ بس چائے بنا دیں“ اس نے وہاں ہی کھڑے کھڑے دو کتاب اور دو سلاسل کھا لیے اور کاؤ نظر سے ٹیک لگا کر کھڑی چائے کے گھونٹ بھرتے ہوئے ہوا سے باتیں کر لے گئی۔

”بوا“ آپ کچن میں اکیلی ہیں کیا مونا (منیر) چلا گیا۔“

”اے کہاں جانا تھا مونا چھٹی پر گیا ہے چار دن کی۔“

”اجھا“ وہ ابھی تک یہاں ہی ہے تب تو کہتا تھا کسی فوجی کے ٹکڑے کھا جائے گا، تک بے گا کسی آری والے کا۔“

”بس کہیں مارتا تھا کہاں جانا تھا اسے ابھی بھلی نوکری کون چھوڑتا ہے اور پھر اتنا سا تھا تو اس گھر میں آیا تھا۔“ منیر کچن میں ہوا کے ساتھ ان کی مدد کرتا تھا کھانا لگا دیا چائے دم کر دی ٹیلی سیٹ دی وغیرہ وغیرہ۔

چھوٹے بھیا اسے مونا کہہ کر لاتے تو وہ بہت چڑچڑاتا تھا۔

”چھوٹے بھیا بس کہہ رہا ہوں مونا تو لڑکیوں کا نام ہوتا ہے ہمیں آئندہ دست کیسے گا۔“ لیکن چھوٹے بھیا کہتے۔

”وہ بھی تو مونا ہے نا“ وہی جو صبح صبح سلام کرنے آتی ہے اور تالی بجا کر پیسے مانگتی ہے۔“ وہ مزید چڑچڑاتا لیکن اس کے چڑنے کا کچھ اثر نہیں ہوا تھا سب ہی اسے

اپریل 2007ء

128

مونہا کہنے لگے تھے اب۔

”اور صفائی کرنے کو آتا ہے وہی ستاراں یا کوئی اور.....؟“

بیٹے اور سفید کفن میں لپٹی اور بس.....

”بڑے بھیا تو یاد کرتے ہوں گے مجھے اور چھوٹے بھیا؟“

”کون جانے بیٹا اور بھائی تو یوں بھی شادی کے بعد پرانے ہو جاتے ہیں یہ کون سے.....“ بوا خالی کپ سے کرسنگ کی طرف بڑھ گئیں۔

”کچھ خاص کھانے کو دل چاہے تو بتا دو چندا میں بنالوں گی وہاں تو وہی موٹی ڈبل روٹی ہی کھاتی ہوگی۔“

”نہیں بوا۔“ وہ یکدم اداس ہو گئی تھی۔

”جو ہوگا کھالوں گی اور وہاں تو گھر میں سب پکا لیتی تھی میں پاکستانی کھانے وغیرہ۔“

”ہائے“ جب تمہارے ابا نے تمہارا اچانک بیاہ کر دیا تو تمہیں تو چائے تک بنانا نہیں آتی تھی پھر کس سے سیکھا؟“

”وقت سب سکھا دیتا ہے بوا۔“ اس کے ہونٹوں پر زخمی مسکراہٹ تھی۔ اسے کب آتا تھا پکانا کچھ جب ایاز چلا گیا تھا واپس اور وہ حویلی میں تھی تو چچی جان نے سکھایا تھا اسے۔ سالن تو وہ بنا ہی لیتی تھی لیکن روٹی صحیح نہیں بن سکتی تھی۔

”وہاں ملازم نہیں ملتے اور پھر مل بھی جائیں تو بھلا ہمارے کھانے پکا سکتے ہیں۔“ انہوں نے اسے بتایا تھا۔

”ایاز بھی خود پکاتا ہے وہاں پاکستانی ریسٹورانٹ ہیں لیکن روز روز باہر کا کہاں کھایا جاتا ہے نینا بھی دور ہے وہاں ہوتی قریب تو مجھے فکر نہیں ہوتی سب سکھا دیتی تھیں۔“ انہوں نے تھوڑے وقت میں سب کچھ سکھانے کی کوشش کی تھی اسی لیے کئی چیزیں گڈنڈ ہو گئی تھیں کئی بار نمک زیادہ ہو جاتا کھانا صحیح نہ بنتا تو ایاز برتن الٹ دیتا۔

”کھانا تا تک بنانا تو آتا نہیں تمہیں پھر کیا خوبی ہے اور تعلیم تمہاری صرف میٹرک آخر تمہارے گھر والوں کو کیا جلدی پڑی تھی۔“ وہ کیا بتاتی اسے تو خود معلوم نہیں تھا کہ کیا جلدی تھی انہیں وہ تو چھوٹی امی کے ڈر سے کبھی کچن کی طرف گئی نا ہی نہیں تھی حالانکہ میٹرک کے امتحان کے بعد جب وہ فافارغ تھی تو اس کا دل چاہتا تھا کہ وہ نئی نئی

”لو ستاراں کے میاں نے تو دوسری شادی کر لی تھی اور اسے گاؤں واپس بھیج دیا تھا۔“ بوانے بتایا ”اب تو ایک لڑکی آتی ہے جھیمبا باہر کی صفائی کے لیے لان اور گھیرا ہج وہی کرتی ہے اندر اسی جھیمبا کی بھر جاتی آتی ہے ریاں کپڑے بھی وہی دھوتی ہے۔“

”اور..... بوا کبھی مجھے بھی کسی نے یاد کیا؟“ اس نے خالی پیالی کاؤنٹر پر رکھی۔

”لو کب یاد نہیں کیا میں نے ارے بیٹا تمہیں چلنے تک تو میں نے ہی سنبھالا تمہاری اماں تو بیمار پڑ گئی تھیں یک دم دل کی بیماری تو اسے تب ہی لگ گئی تھی۔“

بوا دوپٹے سے آنکھیں پونچھنے لگیں۔

”بوا کسی اور نے.....؟“ اس نے دھیمے سے پوچھا۔

”لو اور کس نے یاد کرنا ہے بچی اپنی ماں نہ رہے تو باپ بھی پرایا ہو جاتا ہے ہر کوئی تیری ماں جیسا تو نہیں ہوتا کہ.....“ بوا کچھ کہتے کہتے چپ کر گئیں۔

”اللہ بخشے تیری یاں بڑی ہمدرد تھی بہت ہی نرم دل ہر ایک کی عزت کرتی تھی ہم نوکروں کا بھی احترام کرتی تھی اللہ جنت میں جگہ دے۔“

”امی.....“ ایلیا نے ماں کو یاد کرنے کی کوشش کی۔ سات سال کی عمر میں بچہ اچھا خاصا سمجھدار ہوتا ہے اس کی امی بہت خوبصورت تھیں لائے لائے بال بڑی بڑی آنکھیں اونچا لمبا قد وہ کھانے بھی بہت اچھے بناتی تھیں اس کے ذہن میں تھا لیکن اس کے علاوہ اسے امی کی کوئی بات یاد نہیں تھی۔ آنکھیں بند کرتی تو آنکھوں کے سامنے جو شبیہ آتی تھی وہ سفید لباس میں سخی سنوری امی کی آتی تھی اس روز وہ بہت خوبصورت لگ رہی تھیں شاید کسی تقریب میں گئی تھیں۔

”امی آج آپ بہت پیاری لگ رہی ہیں روز ایسے ہی تیار ہوا کریں۔“ اور وہ مسکرا دی تھیں پھر جو شبیہ ذہن میں آتی تھی وہ آنکھیں موندے چار پائی پر

”ارے ہاں بٹیا“ بوا صافی سے ہاتھ پونچھ کر اس کے قریب آکھڑی ہوئی تھیں اور سرگوشی کی تھی۔

”چار سال تو ہو گئے تمہارے بیاہ کو لیکن ابھی تک خالی خولی جھولی لیے پھرتی ہو کسی ڈاکٹر کو دکھایا وہاں۔“

”وہ بوا.....!“ وہ یکدم ندوس ہو گئی تھی۔

”اچھا خیر اب یہاں آئی ہو تو کچھ دن رہو گی تا میں تمہاری بھر جائی سے کہوں گی کسی دن ڈاکٹر کے پاس لے جائے تمہیں۔“

”کچھ دن...“ اس کا جی چاہا وہ بوا کو بتا دے کم از کم صرف بوا کو کہ وہ کچھ دنوں کے لیے نہیں آئی بلکہ شاید ہمیشہ کے لیے..... ایاز نے نینا عادل سے کہا تھا۔

”آئی اس سے کہہ دینا اب لوٹ کر نہ آئے یہاں“ تھک گیا ہوں ان چار سالوں میں۔“ لیکن لفظ اس کے حلق میں پھنسنے لگے تھے وہ خاموشی سے کچن سے باہر نکل آئی۔

”تمہاری امی کو تمہارا آنا کچھ اچھا نہیں لگا لیکن پروا مت کرو تمہارے باپ کا گھر ہے ہزاروں بار آؤ۔“ بوا نے چاتے چاتے اس کے کان میں سرگوشی کی تھی وہ ایک لمحے کو ٹھٹھی تھی۔ اب امی کو اچھا لگے یا برا اسے رہنا تو یہ نہیں تھا۔

وہ لاؤنج میں کچھ دیر کھڑی انوشہ کو دیکھتی رہی جو اس کی موجودگی سے قطعی بے نیاز.... بڑے انہماک سے ٹی وی دیکھ رہی تھی پھر وہ لاؤنج اور سٹنگ روم کا درمیانی پردہ ہٹا کر سٹنگ روم میں آئی شیشے کی دیوار سے باہر لان میں بیٹھی بھابیوں کو دیکھا اور پھر گیٹ کھول کر باہر نکل آئی اور پورچ کی سیڑھیاں اتر کر لان میں آگئی۔

”ہائے ایلا..... تم جاگ گئیں۔“

”اللہ ہم کب سے تمہارے اٹھنے کا انتظار کر رہے تھے۔“ کئی آوازیں ایک ساتھ بلند ہوئی تھیں وہ دھیمے دھیمے چلتی لان کے وسط میں آگئی۔ پہلے شابی بھابی اور پھر روشی بھابی نے اسے گلے لگایا جبکہ ان کی بہنوں نے بیٹھے بیٹھے ہاتھ آگے کر دیا تھا۔

”اسے پہچانا تم نے؟“ روشی بھابی نے اپنی بہن کی طرف اشارہ کیا ”میری بہن ہے اسما پنجاب یونیورسٹی میں پڑھ رہی ہے۔“

چار سال پہلے وہ فرسٹ ایئر میں داخل ہوئی تھی جب روشی بھابی اسے لائی تھیں اور اگر جو وہ یہاں ہوئی تو اس وقت وہ بھی یونیورسٹی میں ہوئی۔

”پہچان لیا ہے نا!“

”ہاں۔“ اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

”اور یہ میری چھوٹی بہن ہے گڑیا۔“ شابی بھابی نے بھی تعارف کر دیا۔

”اچھا۔“ اس نے ایک سرسری سی نظر گڑیا پر ڈالی تھی۔ شابی بھابی کی تین بہنیں تھیں جب اس کی شادی ہوئی تھی تو ان کی درمیان والی بہن رہ رہی تھیں یہاں۔

”تمہیں تو گڑیا یا نہیں ہوگی بالکل ایک دو بار ہی یہاں آئی تھی تمہارے ہوتے۔“

”جی۔“

”یہ پڑھتی ہے یہاں اسلامیہ کالج سے بی اے کر رہی ہے۔“

”لیکن وہاں جھنگ میں بھی تو کالج ہے لڑکیوں کا۔“ بے اختیار ہی اس کے لبوں سے نکلا تھا۔

”ہاں ہے تو لیکن گڑیا لاہور میں پڑھنا چاہتی تھی۔“

خلاف توقع شابی بھابی نے برا نہیں منایا تھا حالانکہ وہ بات کر کے از حد ڈر گئی تھی۔

”یہاں ایرے غیرے رہ کر پڑھ سکتے ہیں تو پھر گڑیا کیوں نہیں اس کی تو پھر خالہ کا گھر ہے بلکہ ڈہری رشتے داری ہے ابی کی طرف سے ماموں کا گھر بھی ہے۔“

”اچھا۔“ روشی بھابی کا انداز طنزیہ تھا ”یہ بھی تو کہو نارشتے کی خالہ.....!“

”ہوں... شابی بھابی ہوں کر کے اس کی طرف متوجہ ہو گئی تھیں۔“

”بیٹھو ایلا تم چار سال بعد بھی ویسی ہی ہو دلی پتی نازک سی ذرا بھی تو نہیں بدلیں۔“ خود وہ قدرے فربہ ہو گئی تھیں۔

”اچھا.....“ وہ ہولے سے ہنسی اے تو لگتا تھا جیسے وہ بہت بدل گئی ہے اور اس نے چار سالوں میں بڑھاپا اوڑھ لیا ہے۔

”واقعی ایلا تم بالکل ویسی ہی ہو لگتا ہی نہیں کہ چار سال امریکا میں گزار کر آئی ہو جب تم یہاں سے گئی تھیں تب بھی تم ایسے ہی اسی انداز میں دوپٹا اوڑھتی تھیں اور آج بھی دیسے ہی اوڑھ رکھا ہے۔“ شابی بھابی اسے ہی دیکھ رہی تھیں۔

”وہاں تو جینز اور اسکرٹ وغیرہ پہنتی ہوگی۔“ گڑیا نے پوچھا۔

”نہیں..... نہیں تو۔“ وہ گھبرا گئی ”یہی شلوار قمیص۔“ چند ایک بار جب وہ باہر گئی تھی تو اس نے جینز پہنی تھی جو ایاز اس کے لیے لایا تھا۔

”جب کبھی اسٹور پر جاؤ گرو سری وغیرہ لینے تو اس ڈریس میں نہ جایا کرو لوگ مڑ مڑ کر دیکھتے ہیں اس بجو بے کو۔“ وہ تو کم ہی گھر سے نکلتی تھی ایاز خود ہی ویک اینڈ پر سامان لے آتا تھا کبھی مجبوراً نکلتا پڑتا تھا۔

”کیا باہر بھی انہی کپڑوں میں جاتی تھیں؟“

”میں بہت کم باہر گئی ہوں۔“

”ہیں کیا ایاز نے قید کر کے رکھا ہوا تھا؟“ روشی بھابی نے آنکھیں پھاڑ کر اسے دیکھا تھا۔

”نہیں..... نہیں۔“ وہ گھبرا گئی۔

”میں خود ہی نہیں جاتی تھی۔“

”چار سال امریکا میں رہ کر آئی ہو اور ویسی ہی ہو بدھوکی بدھو.....“ روشی بھابی نے قہقہہ لگایا۔

”کسا خیر بن رہی ہو آپا۔“ گڑیا نے شابی کے کان میں سرگوشی کی تھی جو سرگوشی ہرگز نہ تھی۔

”بونی..... بونی ادھر آؤ پیچو سے ملو۔“ شابی بھابی نے اس کی بات گویا سنی ان سنی کرتے ہوئے بونی کو آواز دی۔ بونی کے ساتھ بچی اور بدر بھی آگئے تھے۔ اس نے بونی اور بچی کو پیار کر کے بدر کی طرف دیکھا تھا جو قدرے پیچھے کھڑا تھا۔

”یہ بدر ہے۔“ شابی بھابی نے بتایا۔

”ہاں پہچان لیا ہے میں نے۔“ اس نے بدر کی

ماہنامہ پاکیزہ

اپریل 2007ء

132

ماہنامہ پاکیزہ

طرف ہاتھ بڑھایا۔

”کیسے ہو بدر چندا؟“

”ٹھیک ہوں۔“ اس کے انداز میں کوئی گرجبوشی نہ تھی۔

”میں تمہاری آپتی ہوں پتا ہے تمہیں۔“

”ہاں“ انوشہ نے بتایا تھا صبح کہ ہماری بہن آئی ہیں امریکا سے لیکن ماما کہہ رہی تھیں سوتیلی آپتی ہیں۔“ اس نے بات مکمل کر کے فخر سے سب کی طرف دیکھا جیسے اپنی معلومات پر بہت فخر ہوا ہے ایلپا کے دل کو کچھ ہوا۔

”کیا ضروری ہے کہ رشتوں کے ساتھ یہ سوتیلا کا لفظ بھی لگا ہوتا..... کیا تھا یہ بے حد پیارا سا بچہ اسے صرف آپتی کہتا سوتیلی آپتی نہیں۔“

”بدر ذرا اندر جا کر بوا سے کہو کہ ایلپا کے لیے چائے بنا دے کھانا تو تم اب رات کو ہی کھاؤ گی نا!“ بدر سے بات کرتے کر کے وہ یکدم ایلپا کی طرف مڑ گئی تھیں۔

”میں کیوں جاؤں؟“ بدر نے صاف انکار کر دیا۔

”بوتی کو بھیجونا!“

”ابی جان اور چھوٹی امی کے لاڈنے بگاڑ دیا ہے اسے۔“ شابی بھابی بڑبڑائیں۔

”بھابی میں چائے پی کر آئی ہوں۔“

”ہیں کیا واقعی!“ روشی نے اسے دیکھ کر آنکھیں پھاڑیں۔ غالباً ہر بات پر آنکھیں پھاڑنے کی عادت ہو گئی تھی اسے۔

”ہاں۔“ وہ جیسے شرمندہ ہو گئی ”بوا نے بنا دی تھی۔“

”اچھا اچھا اور چھوٹی امی سے ملاقات ہوئی؟“

”ہاں“ انوشہ اور چھوٹی امی لاڈنج میں ٹی وی دیکھ رہی تھیں ابی جان البتہ کمرے میں تھے چھوٹی امی کہہ رہی تھیں کہ وہ تھکے ہوئے آئے ہیں آفس سے آرام کر رہے ہیں۔“

”لو... روشی اور شابی بھابی ہنسنے لگیں ”وہ تو آج آفس گئے ہی نہیں صبح سے گھر پر ہی تھے چھوٹی امی کی طبیعت ناساز بھی نا ان کی ناز برداری کر رہے تھے۔“ بدر نے

پاؤں پٹخا۔

”میں بتاؤں گا امی کو سب! وہ اپنی بال لے کر چلا گیا۔“

”نوسال کا ہے لیکن پورا فتنہ ہے ایلپا اس سے بچ کر رہنا“ شابی بھابی نے تنبیہ کی وہ کچھ بولے بنالان سے باہر جاتے بدر کو دیکھنے لگی۔ پنکی اور بوتی اس کے قریب آگئے تھے اس نے پنکی کو گود میں بٹھالیا اور دونوں سے باتیں کرنے لگی ان کی چھوٹی چھوٹی معصوم باتیں اسے اچھی لگ رہی تھیں۔

”بھابی زین کہاں ہے؟“ اس نے بوتی سے باتیں کرتے کرتے پوچھا۔

”سورہا ہے“ ابھی کچھ دیر پہلے ہی سویا ہے اب رات تک سوتا رہے گا۔“

”کیسا ہے وہ؟“ اس نے اشتیاق سے پوچھا۔

”بوتی کی طرح ہی ہے لیکن اس کی آنکھیں بدر جیسی ہیں کچھ کچھ نیلی نیلی سی۔“

”سچ“ کتنا کیوٹ ہو گا نا وہ!“ اس وقت وہ ہر بات جیسے بھول گئی تھی۔

”ہاں سب ہی اسے پیار کرتے ہیں۔“ شابی بھابی کے لہجے سے فخر جھلکنے لگا تھا اس نے دیکھا روشی بھابی کا چہرہ پھیکا پڑا ہوا تھا۔ پنکی پانچ سال کی ہو گئی تھی اور ان کی بڑی شدید خواہش تھی کہ وہ ایک بیٹے کی ماں بن کر معتبر ہو جائیں لیکن شاید ابھی اللہ کو منظور ہی نہ تھا۔

”اور یہ تم جو دوسروں کے بچوں پر اپنی محبت لٹا رہی ہو خود کیا یوں ہی رہنا ہے۔“ روشی نے اپنا غم کم کرنے کی کوشش کی تھی۔ وہ شرمندہ سی ہو گئی۔ اب وہ کیا کہتی کہ ایاز ایسا نہیں چاہتا تھا ”بچے ہو جائیں گے تو پابند ہو جاؤں گا مگر تم صرف ابا کی زندگی تک ہو میرے گھر میں یہ یاد رکھو اس لیے مجھے تم سے بچے نہیں چاہئیں۔“

”دوسروں کے کہاں اپنے ہی تو ہیں اپنے بھائی کے بچے۔“

”ہاں“ خیر وہ تو ہیں لیکن تم کیا فیملی پلاننگ پر عمل کر رہی ہو؟“

”نہیں بس وہ اللہ کی مرضی۔“ وہ پھر نزوس ہو گئی۔

ان سارے سوالوں کے باب تو اسے دینے ہی تھے اور نہ جانے کتنے اور سوالوں کے۔

”پچھو آپ میرے لیے کیا لائی ہیں امریکا سے؟“
بونی نے اس کے رخسار پر ہاتھ رکھ کر اسے اپنی طرف متوجہ کیا تھا وہ از حد شرمناک ہو گئی تھی۔ اس کے پاس تھا ہی کیا ایاز نے تو کبھی اسے ایک پیسہ تک نہیں دیا تھا ہاں ضرورت کی ہر چیز لے آتا تھا اور اگر وہ شاپنگ کے لیے جاتی تو اتنی ہی رقم دیتا تھا جو خرچ ہو جاتی تھی۔

نینا عادل نے کہا تھا ”یلا اپنے گھر والوں کے لیے کچھ گفٹ لے لو۔“

”گفٹ کیا کرنے ہیں؟“ وہ نینا عادل پر غاہر نہیں کرنا چاہتی تھی کہ اس کے پاس کچھ نہیں ہے ”سب کچھ پاکستان میں بھی مل جاتا ہے۔“

”پھر بھی اتنے سالوں بعد جا رہی ہو تو کچھ لے لینا ضرور۔۔۔۔۔ عزیز رشتے داروں کو انتظار ہوتا ہے کہ جو باہر سے آیا ہے ضرور کوئی گفٹ لایا ہوگا۔“ پھر جیسے نینا عادل جان گئی تھی سب کچھ انیئر پورٹ جانے سے پہلے اس نے ایک بھرا ہوا بیگ اس کے حوالے کیا تھا۔

”اس میں کچھ گفٹ ہیں تمہارے بہن بھائیوں کے لیے میں کل آفس سے اٹھ کر خرید لائی تھی وقت نہیں تھا زیادہ کچھ نہیں لے سکی تاہم۔۔۔۔۔“ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

”نینا عادل میں تمہیں کبھی نہیں بھول پاؤں گی۔“

”یا گل نہ ہو تو تمہارے ساتھ میرا ذیل رشتہ ہے آجی کی نسبت سے تم میری بھابی ہو اور میں نے تمہیں اپنی چھوٹی بہن بھی بنایا ہے میری کوئی بہن نہیں تھی اور میں سوچتی تھی اگر میری بہن ہوئی تو میں اپنے دکھ سکھ اس سے کہتی اور اللہ نے شاید میری دعا سن لی کہ مجھے تم مل گئیں پتا ہے ایلا جب حذیفہ کے پاپا بستر پر تھے تو میں نے بڑی اذیت بھری زندگی گزار لی۔ بچے چھوٹے تھے مجھے کام بھی کرنا تھا ان کی دیکھ بھال حذیفہ کے پاپا کی بیمار داری وہ بستر پر پڑے پڑے بہت چڑچڑے ہو گئے تھے۔ مجھے ذرا دیر ہو جاتی تو شک کرنے لگتے تھے بہت مشکل دن تھے وہ اور میں کسی سے اپنا دکھ کہہ نہیں سکتی

تھی لیکن اب تم ہونا میری بہن مجھے ہمیشہ اپنی بڑی بہن سمجھنا اور دیکھو پاکستان جا کر مجھے بھول نہ جانا اور مجھ سے رابطہ رکھنا۔“ اب پتا نہیں اس بیگ میں کیا کیا تھا بونی کے مطلب کی کوئی چیز تھی بھی یا نہیں۔

”میرے لیے تو پچھو گڑیا لائی ہوں گی ہیں نا پچھو؟“ پتلی کہہ رہی تھی۔

وہ سوچ رہی تھی کیا ہی اچھا ہوتا بڑے بھیا اس کے بیگ کے ساتھ وہ دوسرا بیگ بھی لے آتے لیکن انہوں نے ڈی سے ایک ہی بیگ نکالا تھا۔

”دوسرا بھی لے آتا ہوں۔“ اور اب پتا نہیں وہ ابھی تک ان کی ڈی میں ہے یا انہوں نے آفس جانے سے پہلے نکال کر کہیں رکھوا دیا ہے۔

”چلو چپ کروندی جیسے تم نے پہلے کبھی گڑیا تو دیکھی ہی نہیں۔“ روشی نے پتلی کو اپنی طرف کھینچا تھا۔

”بھابی بچے ہیں کیا ہوا؟“ اس کی آواز دہلی دہلی سی تھی۔

”زین جاگ نہ گیا ہو۔“ شابی بھابی اٹھ کھڑی ہوئیں تو ان کے پیچھے ہی روشی بھابی بھی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

”پتلی کے پتا آنے والے ہوں گے ان کے کپڑے وغیرہ نکال کر رکھوں آتے ہی چینج کرتے ہیں۔“ وہ لان میں اکیلی کھڑی رہ گئی تھی۔ صرف لان کے ایک کونے میں بدر کھڑا اپنی بال کو تک لگا رہا تھا دنگی گڑیا اور اسما بھی ان کے پیچھے جا چکی تھیں اور جاتے جاتے بونی اور پتلی کو بھی لے گئی تھیں۔

☆☆☆

”دونوں بھابیاں بڑی شاطر ہیں اور ان کی بہنیں بھی۔“ بدر بال کو تک لگا تا اس کے قریب آ گیا تھا ”مما کہتی ہیں ان سے دور دور رہا کرو۔“ وہ حیران سی اسے دیکھ رہی تھی۔

”جب اکیلی ہوتی ہیں تو مما کے خلاف بولتی رہتی ہیں میں بھی سب مما کو بتا دیتا ہوں۔“ اس کا انداز خیر یہ تھا وہ حیران سی اس ننھے بچے کو دیکھ رہی تھی۔
”یہ تو بری بات ہے کسی کی چغلی کھانا۔“

”تو۔۔۔۔۔“ اس نے کندھے اچکائے۔

”وہ بھی تو میری ماما کی برائیاں کرتی ہیں۔“

”کس کلاس میں پڑھتے ہو؟“

”نور تھ میں۔“ تب ہی اندرونی گیٹ کھلا اور

اسفندیار نے بدر کو آواز دی تھی۔

”بدر تم ابھی تک لان میں کیا کر رہے ہو اپنا ہوم ورک کرو آ کر۔“

”ابی جان۔“ وہ بیتابی سے ان کی طرف بڑھی تھی۔

اسے ابی جان سے کتنی محبت تھی یہ وہ نہیں بتا سکتی تھی ان کی ناراضی، غظنی اور سرد مہری کے باوجود وہ انہیں بہت زیادہ چاہتی تھی سات سال تک جس طرح انہوں نے اس کے لاڈ اٹھائے تھے وہ تو ذہن میں نقش ہو گئے تھے۔

”تم آگئیں؟“ انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ

رکھا۔

”ایاز ٹھیک ہے۔“

”جی۔“ اس کی آواز رندھ گئی ان کے لمبے میں

کوئی اشتیاق نہیں تھا اور وہ اس کے بجائے بدر کی طرف دیکھ رہے تھے۔

”آفتاب کا فون آیا تھا تم سو رہی تھیں تمہارا پوچھ

رہا تھا کہ خیریت سے پہنچ گئیں پھر کرے گا۔“

”جی اچھا۔“

”بدر تم چلو اندر۔“

”پپا آپ نے مجھے ایم پی تھری دلانے کا وعدہ کیا

تھا لائے ہیں۔“

”ابھی دو ماہ پہلے میں نے تمہیں واک مین لے کر

دیا ہے اور اب۔۔۔۔۔“ وہ ان دونوں کے پیچھے چلتی

ہوئی لاؤنج میں آ گئی تھی انوشہ ابھی تک اسی انداز میں

صوفے پر بیٹھی تھی۔ بونی اور پتلی بھی اس کے پاس بیٹھے

تھے جبکہ روشی اور شابی بھابی شاید اپنے اپنے کمروں میں

چلی گئی تھیں۔

”اب واک مین کوئی نہیں رکھتا پپا اس کا فیشن نہیں

ہے وہ تو ریڈی دالوں کے پاس ہوتا ہے۔“ وہ دس سالہ

لڑکا کہہ رہا تھا۔

”مجھے ایم پی تھری چاہیے بس۔“ اسفندیار نے اس

ن کی آنکھوں سے اب اشتیاق جھلک رہا تھا لیکن وہ
اپریل 2007ء

درف عالمی شہرت یافتہ ماہر خاندانی معالج

چند روز آتی همی۔

E-mail: syedherblist@yahoo.com

بڑھایا۔

دونوں بھابیاں بولی اور بچی کے ساتھ نیچے آگئیں، شابی بھابی کی گود میں ننھا زین تھا اس نے اٹھ کر زین کو گود میں لے کر پیار کیا لیکن وہ رونے لگا تو اس نے واپس شابی بھابی کو دے دیا اور ان کے گفتگوں نہیں دیے۔

”ان کی کیا ضرورت تھی بھی؟“ شابی بھابی نے گفتگو لیتے ہوئے کہا۔ زین کے لیے بھی دو خوبصورت بے بی سوٹ تھے۔ چھوٹی امی کے لیے بھی اس نے جرسی، لیڈر کاپرس اور ایک میک اپ کٹ جس میں صرف لپ اسٹک تھیں الگ کر کے رکھ دی تھی۔ ایک ہلکے رنگ کی جرسی اس نے بوا کو دے دی۔ جواب میں بوانے اسے ہزاروں دعائیں دے ڈالی تھیں۔

پرفیومز، آفٹر شیو، لوشن، الیکٹرک شیور وہ ایک ایک کر کے چیزیں ایک طرف رکھتی جا رہی تھی اس کی آنکھیں نم ہو گئیں، نینا عادل نے اسے کتنا زیر بار کر دیا تھا۔ کیا اس دنیا میں نینا عادل جیسے لوگ بھی ہوتے ہیں اس کا دل بھر آیا۔ سب کے گفتگو الگ کر کے اس نے بچے ہوئے پرفیومز اور ایک دو جرسیاں بیگ میں ڈال دیں۔

”ابی جان، یہ آپ کے لیے۔“ وہ ان کا گفتگو لے کر اٹھ کر ان کے قریب آئی۔

”کیا ضرورت تھی۔“ انہوں نے ذرا کی ذرا نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا اور پھر نگاہیں لی دی پر جمادیں۔ اس نے ان کے پاس پڑی چھوٹی ٹیبل پر ان کے گفتگو رکھے اور واپس آ کر بیٹھ گئی۔

شابی بھابی اور روشی بھابی خاصی خوش نظر آرہی تھیں۔

”یہ تم نے اچھا کیا پرس لے آئیں ورنہ یہاں سے پرس خریدو تو مہینہ بھر بعد ہی زپ خراب ہو جاتی ہے۔“ شابی بھابی کو اپنا پرس بہت پسند آیا تھا بدراپنے ایم پی تھری کے ساتھ مصروف تھا۔

”توڑ مت دینا چھوٹو، یہ خاصا قیمتی ہوتا ہے۔“ انوشہ نے اسے تنبیہ کی۔

”دس ہزار کا تو ہوگا ہے نا۔“ انوشہ پوچھ رہی تھی وہ چونکی اسے کیا پتا کتنے کا ہے۔

”تخفوں کی قیمت نہیں پوچھتے۔“ شابی بھابی نے اسے مصیبت سے نکالا تبھی... چھوٹی امی بھی کمرے سے نکل آئیں۔

”چھوٹی امی، یہ آپ کے لیے گفتگو۔“ اس نے چھوٹی امی کا گفتگو انہیں دیا۔

”تم نے خواہنا اتنا خرچ کیا۔“ انہوں نے نخوت سے ناک چڑھائی اور جرسی کو الٹ پلٹ کر دیکھا ”اب بھلا لاہور میں اتنی سردی کہاں پڑتی ہے۔“

”لیکن مہما پچھلے سال تو آپ خود کریم اینڈ سنز سے جرسی لے کر آئی تھیں اور یہ تو اس سے زیادہ اچھی ہے۔“ انوشہ کو غالباً سچ بولنے کی بیماری تھی۔

”انوشہ، اٹھو یہاں سے، کب سے ٹی وی کے آگے بیٹھی ہو جاؤ اپنا ہوم ورک کرو جا کر اور تم بھی بدراٹھو بیٹھ جاتے ہو ٹی وی کے آگے انہوں نے اپنا غصہ نکالا اور پھر بوا کو آواز دی۔

”بوا پانی دو ایک گلاس اور دیکھو کل کی طرح کھانا لگاتے لگاتے گیارہ نہ بجا دینا، مونا کیا چھٹی پر گیا ہے تم بہت ہی سست ہو گئی ہو۔“ بوانے خاموشی سے لا کر پانی کا گلاس انہیں دیا اور واپس مڑ گئیں وہ خاموش بیٹھی بظاہر ٹی وی دیکھ رہی تھی۔

انوشہ اور بدرماں کی ڈانٹ کھا کر اسٹڈی میں چلے گئے تھے لیکن اس کا ذہن بار بار نینا عادل کی طرف چلا جاتا تھا، نینا نے اسے آج ان سب کے سامنے شرمندہ ہونے سے بچالیا تھا لیکن یہ سب بہت زیادہ تھا... کیا کبھی وہ نینا عادل کے احسان کا بدلا چکا سکے گی۔ شاہد کبھی نہیں.....

بقیہ اگلے ماہ پڑھیں



تھے لیکن چھوٹے بھیا قدرے غریب ہو گئے تھے۔
 ”چھوٹے بھیا! بڑے بے قراری سے ان کی طرف
 بڑھی۔

”ہاں بھئی بے بی کیسی ہو؟“ چھوٹے بھیا نے گرم
 جوش سے اس سے ہاتھ ملایا اور پھر ایک بازو اس کے گرد

بیاہر گاڑی کا بارن بچا ہوا تھا۔
 ”نایا آگئے۔“ بولی اور بولی ایک ساتھ اچھلتے گئے
 تھے اس کی نظریں بھی اردو آواز سے کی طرف اٹھ گئیں۔
 بڑے بھیا اور چھوٹے بھیا آگئے پیچھے کمرے میں داخل
 ہوئے۔ بڑے بھیا تو ویسے تو بڑا امارت اور تنکے سے

ناؤٹ

ابھی اک خواب باقی ہے

نگہت سیما



”اب کیا کرنا ہے پروا کر کے کون ہی دوسری شادی
 کرنی ہے۔“ چھوٹے بھیا نے قہقہہ لگایا۔

”اور جو پروا کرتے ہیں کیا انہوں نے دوسری
 شادی کرنا ہوتی ہے۔“ روشی بھالی نے گن انگلیوں سے
 بڑے بھیا کی طرف دیکھا تو وہ شیشا گئے چھوٹے بھیا کا
 قہقہہ اعلیٰ پڑا۔

”بڑے بھیا ایسا کوئی ارادہ نہیں رکھتے تم خواہنا
 شادی بھائی کو نہ درغلاؤ۔“

”مجھے اعتبار ہے ان پر۔“ شادی بھالی کا انداز بے
 پرواہی کا تھا لیکن ایلیا جاتی تھی کہ اب بڑے بھیا کی
 خبر نہیں حالانکہ بڑے بھیا کی فریگیں ہی ایسی تھیں وہ
 شروع سے ہی دہلے پتلے تھے جبکہ چھوٹے بھیا بچپن میں

داخل کرتے ہوئے اسے اپنے ساتھ لگایا۔ چھوٹے بھیا
 کی اس گرم جوشی پر اس کا دل خوشی سے بھر گیا پورے گھر
 میں واحد چھوٹے بھیا تھے جنہوں نے اس طرح قدرے
 گرم جوشی سے اس کا استقبال کیا تھا۔

”تم تو بالکل دیکھی ہی ہو چوہا سی۔“ اسے الگ
 کرتے ہوئے دوہرائے۔

”اور آپ مولے ہو گئے ہیں۔“

”ہاں! کچھ کچھ۔“

”جی شکریا کچھ کچھ نہیں غی نکل آئی ہے۔ روشی بھالی نے
 نور اکبیا۔

”روز بکیتی ہوں صبح داک کر میں اسرغین غذا میں نہ
 کھایا کر میں لیکن انہیں تو پروا ہی نہیں۔“



اچھے خاصے گول منول سے ہوتے تھے۔ وہ تو چڑ میں آکر انہوں نے جم جانا شروع کیا تھا اور جوڈ کرائے کا سینٹر بھی جوائن کر لیا تھا وہ بلیک بیلٹ ہولڈر تھے۔ ایلیا نے موضوع بدلنے کے لیے دونوں بھائیوں کو گفٹ دیے دونوں نے ہی خوشی کا اظہار کیا چھوٹے بھیا نے تو دل کھول کر تعریف کی۔

”ارے بے بی تمہیں کیسے پتا چلا کہ مجھے یہ آفر شیولوشن پسند ہے اور الیکٹرک شیور لینے کا تو میں بہت دنوں سے سوچ رہا تھا۔“

”اور جیسے پہلے تو کبھی نہ آفر شیولوشن استعمال کیا ہے اور نہ شیور۔“ روشی بھابی منہ ہی منہ میں بڑبڑاتی تھیں۔ انہیں چھوٹے بھیا کا۔۔۔ حد سے زیادہ خوشی کا اظہار بالکل پسند نہیں آ رہا تھا۔ شالی بھابی کے ساتھ مل کر طے کیا تھا کہ ایلیا کو زیادہ اہمیت ہرگز نہیں دینی تاکہ کہیں وہ اپنا پروگرام لہا نہ کر لے اور یہ بلال تو ہے ہی بے وقوف۔

”اور چھوٹے بھیا۔“ بدراپنا ایم پی تھری لے کر ان کے پاس چلا آیا۔

”یہ دیکھیں نا میں کتنے دنوں سے ڈیڈی سے کہہ رہا تھا اور ڈیڈی نہیں لے کر دے رہے تھے میں نے اپنا واک مین انوشہ کو دے دیا ہے۔“

”تم پھر باہر آگئے۔“ چھوٹی امی نے اسے گھر کا۔

”میں نے کہا تھا ہوم ورک کرو۔“

”مما آپ بھی بس اگر کسی کی بہن امریکا سے آئی ہو تو وہ ہوم ورک نہیں کرتا بلکہ بیٹھ کر اس سے باتیں کرتا ہے اور آپ نے مجھے اور انوشہ کو اسٹڈی میں بھیج دیا۔“

”آئے کہیں کے سگے۔“ چھوٹی امی اس کا ہاتھ پکڑ کر اسٹڈی میں لے گئیں ایلیا کا رنگ لمحہ بھر کو پھیکا پڑ گیا۔

جب وہ یہاں سے گئی تھی تو چھوٹی امی تب بھی ایسی ہی تھیں کبھی جو انوشہ یا بدر کے پاس اسے پھٹکنے دیتیں حالانکہ جب بدر پیدا ہوا تھا اور جب انوشہ پیدا ہوئی تھی تو وہ کتنی خوش تھی۔ چھوٹی سی چینی ناک والی انوشہ اپنی بے حد سفید رنگت کی وجہ سے اسے بہت اچھی لگتی تھی اور

وہ سوچتی تھی کہ انوشہ جب بڑی ہوگی تو پھر دونوں میں بہت دوستی ہوگی لیکن..... چھوٹی امی ذرا بھی تو نہیں بدلی تھیں۔

”ہوا کھانا لگاؤ بھی بھوک لگی ہے۔“ بڑے بھیا نے خاموشی کو توڑا وہ لٹچ ٹائم میں صرف چائے کے ساتھ کچھ بسکٹ لے لیتے تھے۔

کھانا کھا کر وہ کمرے میں آئی اور بیک ایک طرف رکھتے ہوئے اس نے سوچا ”انکل آفتاب کو فون کرنا چاہیے۔“ لیکن کتنی عجیب بات تھی اس کے پاس ان کا نمبر تک نہ تھا۔ ”ابی جان کے پاس ہوگا صبح ضرور کروں گی اس وقت تو ابی جان سو چکے ہوں گے۔“ بیڈ پر بیٹھے ہوئے ایک بار پھر اسے غینا عادل کا خیال آگیا۔ ”اور غینا عادل کو بھی ضرور فون کروں گی مجھے اس کا شکریہ ادا کرنا چاہیے کتنی قیمتی چیزیں سب کے لیے لی تھیں اس نے۔“

”ایلا تمہارا فون ہے۔“ روشی بھابی نے ذرا سا دروازہ کھول کر اسے بتایا اور پھر واپس مڑ گئیں۔

”اوہ۔“ وہ خیزی سے اٹھی اور لاؤنج میں آکر ادھر دیکھا جہاں پہلے فون سیٹ ہوتا تھا لیکن اب وہاں کوئی ڈیکوریشن نہیں پڑا تھا۔ پھر اس نے چاروں طرف نظر دوڑائی۔ اسے دائیں طرف پڑا فون نظر آگیا تو اس نے بڑھ کر نیچے رکھا ہوا ریسپور اٹھالیا۔ دوسری طرف آفتاب انکل تھے۔

”ارے بیٹا کیسی ہو؟“ وہ بہت خوشدلی سے پوچھ رہے تھے۔

”اچھی ہوں آپ اور آنٹی کیسے ہیں؟“

”رب کا شکر ہے بیٹا بھلے چنگے ہیں تم بتاؤ کیا پروگرام ہے تمہارا؟“

”میرا پروگرام.....“ وہ کھوسی گئی۔

”اب واپس مت آنا کبھی بھی...“ ایلا ز ملک نے جیسے اس کے کان میں کہا۔

”اچھا خیر آج ہی تو آئی ہو جی بھر کر رہ لو بہن بھائیوں کے پاس پھر بتا دینا میں لے جاؤں گا اور تم سے ملنے بھی آؤں گا دو تین روز تک بس ذرا تمہاری آنٹی کی طبیعت ٹھیک ہو جائے کافی دنوں سے بہت خراب

موت ہے۔“

”کیا ہوا، کب سے بیمار ہیں آنٹی.....؟“ وہ پریشان ہوئی۔

وہ چند ماہ جو حویلی میں رہی تھی آنٹی نے اسے بہت محبت دی تھی۔ ”مجھے ساس نہ سمجھنا ماں ہوں تمہاری۔“ وہ کہتی تھی اگر اس کی امی زندہ ہوتیں تو وہ اتنی ہی شفیق ہوتیں اتنی ہی محبت کرتیں اس سے۔

”جس کی آنٹی نے تجھے نہیں بتایا؟“

”نہیں کیا ہوا آنٹی کو۔“ بدوہ اور پریشان ہوئی۔

”اچھا اچھا تمہاری پریشانی کے خیال سے ذکر نہیں کیا ہوگا ریزہ کی ہڈی میں کچھ مسئلہ ہے چلنا پھرنا مشکل ہے درد بھی بہت رہتا ہے ڈاکٹر نے آپریشن بتایا ہے۔“

”نہیں ابھی ٹیسٹ ہو رہے ہیں سوچ رہا ہوں دو تین اور ڈاکٹرز سے بھی مشورہ کر لوں کہیں معاملہ زیادہ بگڑ ہی نہ جائے۔“

”جی میں ایک دو روز تک خود ہی آ جاؤں گی بھیا کے ساتھ آپ آنٹی کو اکیلے چھوڑ کر نہیں آئے گا۔“

”بھئی تمہاری آنٹی اب ایسی بھی بیمار نہیں ہیں تم جی بھر کر رہ لو اور اچھا یہ اپنی آنٹی سے بات کر لو۔“ وہ کچھ نہیں بولی تھی اسے تو اب یہاں ہی رہنا تھا ہمیشہ اور اس سے پہلے کہ ایلا اسے مکمل طور پر اپنی زندگی سے علیحدہ کر دے وہ ایک بار سا ہیوال جا کر آنٹی سے مل آئے۔

”کیسی ہو میری جان؟“ آنٹی نے بہت محبت سے پوچھا۔

”جب سے تمہارے آنے کا سنا ہے تڑپ رہی ہو تمہارے انکل سے کتنا کہا کہ تمہیں خود ریسپو کر کے سیدھا سا ہیوال لے آئیں لیکن انہوں نے میری سنی ہی نہیں کہنے لگے نہیں اسے کچھ دن اپنوں کے پاس رہنے دو پھر تو ادھر ہی آنا ہے نا..... بچی کب آؤ گی زیادہ مت تڑپانا مجھے۔“ آنٹی کہہ رہی تھیں۔ جب وہ بولی تو اس کی آواز بھرا کی ہوئی تھی۔

”آنٹی میں جلد آؤں گی آپ کی طبیعت کیسی ہے اب؟“

”طبیعت کا بھی کیا ہے بیٹی بس اب چل چلاؤ ہی

ماہنامہ پاکیزہ

مئی 2007ء

68

69

تی تھا۔ کم از کم وہ بواختر کو تو بتائی دے کہ ایاز نے اسے پیش کے لیے بھیج دیا ہے اس نے نینا عادل سے کہا تھا۔

”ایلیا سے کہنا اب وہاں ہی رہے ہمیشہ۔“
اس روز اسے آئے چھ دن ہو گئے تھے اور اس کے سر میں شدید درد تھا بچپن کمرے کے اس نے اپنے کمرے کا دروازہ کھولا تاکہ بوا سے کہہ کر چائے بنوائے۔ لاؤنج سے گزرتے ہوئے اپنا نام سن کر وہ ٹھٹھک کر رک گئی۔
شابی بھائی کے کمرے سے آواز آرہی تھی۔

”آخر یہ ایلیا کب تک یہاں رہے گی آپا؟“ یہ گڑیا تھی۔

”پتا نہیں۔“ شابی بھائی کی آواز میں بیزاری تھی۔

”اب اسے اپنے سسرال چلے جانا چاہیے“ شابی بھائی سب سے۔
”گڑیا کی آواز میں ان سے زیادہ بیزاری تھی۔“

”مجھ سے نہیں رہا جاتا اس کے ساتھ اتنی غریبی ہے اور اتنی تنگی ہے نا آپا دل چاہتا ہے کہ اس کی فضول باتوں پر ایک پھیر لگاؤں اسے۔“ شابی بھائی نے بھائی سے کہا۔
”یہاں رہنے سے انھیں ہوتی ہے جب تک ایلیا ہے یہاں تم اپنے گھر چلی جاؤ۔“

”ارے تو وہ کیوں نہیں چلی جاتی۔“ شابی بھائی ہنرک کر بولی تھیں۔

”وہ کیوں جائے“ آپ نے کمر تو مجھ سے خالی کر دیا ہے لاؤ لیلیا کے گئے۔“ گڑیا کے لہجے میں ناراضگی تھی اور وہ سن رہی تھی تو اس کے کمرے میں گڑیا رہتی تھی۔

”چند۔۔۔ تمہارے بھائی نے کہا تھا نا اب کیا میں انکار کر کے بری بنتی شادی سے پہلے ویلیا اسی کمرے میں رہتی تھی چند دن کی بات ہے پھر تو وہ چلی جائے گی نا۔“
شابی بھائی اسے بیٹا رہی تھیں وہ مرے مرے قدموں سے سیر یہاں اتر کر بیچے آئی تو لیلیا لاؤنج خالی پڑا تھا لیکن کے کھلے دروازے سے اسے لیکن ٹھیل کے گرد بیٹھے سونا اور بوا نظر آئے۔ بوا سبزی بیٹاری تھیں اور سونا نہ جانے کہاں کہاں کے قصے سنائے جارہا تھا۔

”بوا۔۔۔ وہ آہٹنگلی سے بچن میں آئی۔“

”آؤ بیلیا کیا چاہیے۔“

”چائے مل جائے گی ایک کپ سر میں بہت درد ہو رہا ہے۔“

”ہاں ہاں“ سونا چل چائے کا پانی رکھ میں آکر دم دیتی ہوں اور تو پانی رکھ کر باہر دیکھ ڈرا بخور آگیا ہے تو آہٹنگوا لے۔“

”بوا۔۔۔ وہ ان کے سامنے ہی بیٹھ گئی۔

”یہاں سب لوگ مجھ سے غرت کیوں کرتے ہیں“ بوا میں نے تو کسی کا کچھ نہیں بگاڑا۔“ اس کا دل بھرا ہوا تھا اور آنکھیں پانیوں سے بھری ہوئی تھیں۔ بوا نے چونک کر اسے دیکھا اور ہاتھ میں پکڑی چھری ٹھیل پر رکھ دی۔
سونا بھی اسے دیکھنے لگا تھا۔

”تم نے کسی کا کیا بگاڑا ہے بچی بس اللہ کسی سے اس کی ماں نہ جدا کرے یہ سوچتے رہتے ایسے ہی ہوتے ہیں۔“

”مگر بوا بھیا اور چھو لے بھیا تو سوچتے نہیں اور ابی جان۔۔۔“ انا آنکھیں چٹک چڑی تو وہ سر جھکا کر آنسو پونچھنے لگی۔ بوا خاموشی اور تاسف سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

”اگر مجھے ہمیشہ کے لیے یہاں ہی رہنا پڑ گیا بوا تو۔۔۔“ اس نے بوا کی طرف دیکھا۔

”خدا نہ کرے بچی بیانی بیٹیاں تو اپنے گھروں میں ہی اچھی لگتی ہیں۔“ بوا نے اتر پ کر اسے دیکھا۔

”کیا بات ہے؟“ بیلیا کہیں ایاز۔۔۔“ تب ہی ٹھیل ہوئی تو انہوں نے مڑ کر سونا کی طرف دیکھا۔

”جادو کچھ شاید ڈرا بخور آگیا ہے۔“

”ہاں تو ایاز تو ٹھٹھک ہے نا بیانی تمہارے ساتھ۔“
”اور کیا میں بوا کو بتا دوں کہ۔۔۔“ وہ سوچنے لگی تب ہی سونا واپس آگیا۔

”وہ۔۔۔ وہ ملک صاحب آئے ہیں سا بیواں سے۔“

”اگل۔۔۔“ وہ ایک دم آنسو پونچھ کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی پھر اگل آفتاب سے مل کر اسے یوں لگا تھا جیسے

بوسوں بعد کسی اپنے سے ملی ہو۔

”بہت مہر کیا لیکن اب میری نہیں ہو رہا تھا تمہاری چاہی تو روز ہی کتنی مہری بہو گواؤ میں کہتا تھا بھٹے تو کے اسے کچھ دن ایاز کے پاس رہنے دے چار سال بعد پکڑی ملی ہے۔“ اور اگل کو کیا پتا یہاں کسی کو اس کو اوک نہیں نہ ہی کوئی چاہتی کہ وہ آئے یہاں تو بلکہ اس کے آنے سے۔۔۔ پھر وہ اگل کے ساتھ ہی آگئی تھی اور یہاں آئے اسے آٹھ دن ہو گئے تھے اور آج رات ہی نینا کا خون آیا تھا۔

”ابلی تم نے بتایا چاہی کو سب۔“

”نہیں“ پلیر تم بھی مت بتانا۔“ اس نے اچھا کی تھی۔ ”چاہی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔“

”پاکل ہو تم“ اگل کو بتا دو کہ چار سالوں میں ایاز نے۔

”کیا نا نینا عادل۔۔۔؟“ وہ افسردہ تھی۔

”اگل اس سے باز پرس کر سکتے ہیں اس سے پہلے کہ وہ کبھی سے شادی کر لے اور تم۔۔۔“
”اگل کے منع کرنے سے کیا وہ کبھی سے شادی نہیں کرے گا نینا۔“

”آخر پہلے بھی تو چار سال سے وہ اپنا وعدہ بھارا ہوا ہے نا۔“

”اسے تم وعدہ بھانا کہتی ہو نینا سب جانتے ہوئے۔ وہ کبھی کا ہی تھا ہمیشہ سے اور اس کا رہے گا۔“

”ایلیا۔۔۔ ایاز دیکھو تمہاری ساری عمر پڑی ہے کب تک ایسے گزارہ کرو گی۔ ایاز سے چھٹکارا پا کر کسی اچھے بندے سے شادی کر لو۔“

”نینا عادل میرا ایک کام کرو ایاز سے کہو مجھے طلاق نہ دے بھٹے کتنی سے شادی کر لے۔ میں ساری عمر اس سے کوئی تعلق نہیں رکھوں گی۔ میں اپنے نام کے ساتھ میرا نام بزار ہے دے۔“

”کیا اس سے محبت کرنے لگی ہو ایلیا؟“ نینا عادل نے پوچھا تھا۔

”نہیں“ نینا عادل میرے اور اس کے درمیان وہ تعلق بنائی نہیں جس سے محبت جنم لیتی ہے۔ ہم نے تو

چار سال ایک محبت تھے اجنبیوں کی طرح گزارے ہیں۔“

”پھر کیوں چاہتی ہو ایلیا؟“

”میں یہاں اس گھر میں رہنا چاہتی ہوں چاہی اور اگل کے ساتھ اور یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے۔۔۔۔۔۔ نینا ہاں میرے گھر میں میرے لیے یا اگل بھی جگہ نہیں ہے۔“ وہ رونے لگی تھی نینا نے اسے تسلی دے کر فون بند کر دیا۔

”اوکے“ پلیر ایلیا ریلیکس میں بات کر دی گی آبی سے۔

”اور پتا نہیں ایاز نینا کی بات مانے گا یا نہیں۔“ اس نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔

”کیا بات ہے“ بیلیا کہاں کھولی ہوئی ہو؟“ آفتاب ملک نے اخبار نیچے رکھا۔

”کچھ نہیں اگل۔“ وہ چونکی۔

”اوکے نہیں اتنی جلدی اگر زیادتی تو نہیں کر دی میں نے تمہاری چاہی نے رولا ڈالا بوا تھا اور نہ میں تو کچھ اور انتظار کر لیتا۔“

”نہیں تو۔“ وہ شعوری کوشش سے مسکرائی ”میں تو خود چاہی سے ملنے کے لیے بیٹاب تھی۔“

”میں تو بڑک رہی تھی تیرے لیے۔“ چاہی نے اس پر ایک شفقت بھری نظر ڈالی۔ ”طبیعت ٹھیک ہوتی تو اسی روز ایاز ہوسٹ پر آ جاتی مگر خیر اب تم سے مل لی اور چار دن بعد چلی جانا لا بوا اور بچی بھر کے رہے نا۔“

”نہیں نہیں۔۔۔“ اس نے گھبرا کر کہا ”میں ادھر ہی رہوں گی آپ کے پاس سب سے مل چکی ہوں میں۔“

آفتاب ملک نے ایک گہری نظر اس پر ڈالی۔

”ہاں ہاں شوق سے رہو تمہارا اپنا گھر ہے۔“ چاہی کے چہرے پر اطمینان دوڑ گیا۔

”نہیں“ اس نے بوا سے دل سے کہہ رہی تھی ورنہ اس کا بس چلے تو چوبیس گھنٹے نہیں نظروں کے سامنے رکھے۔ آفتاب ملک نے قہقہہ لگایا۔

”تو۔۔۔؟“ چاہی نے ایک تلیخی نظر ان پر ڈالی۔ ”میری بہو ہے۔“

”انوکھی ساس ہیں بھئی آپ بہو سے اتنی محبت۔“
 ”بہو بھی تو مجھ سے محبت کرتی ہے نا!“ انہوں نے
 مشفق نظروں سے اسے دیکھا اور وہ جو اتنی محبتوں پر بہ
 مشکل اپنے آنسو ضبط کیے بیٹھی تھی یکدم رو پڑی۔
 ”ارے ارے کیا ہوا؟“ آفتاب ملک نے گھبرا کر
 پوچھا۔

”میں ہمیشہ آپ کے پاس رہنا چاہتی ہوں ہمیشہ
 مجھے اپنے سے جد امت کیجئے گا پلیز۔“
 ”نگلی۔“ چاچی نے ہاتھ بڑھا کر اسے اپنے ساتھ
 لگا لیا۔

”ہم بھلا کیوں جدا کریں گے تجھے میں نے تو ملک
 صاحب سے کہا ہے بہت رہ لیا بہت کمالیا آجی نے اب
 اس سے کہیں یہاں ہی آجائے کوئی فیکٹری لگا دیں اسے
 جو بھی وہ پسند کرے۔“

”جسے ڈالروں کا چسکا پڑ جائے وہ.....“ ملک
 صاحب منہ ہی منہ میں بڑا کر چپ کر گئے اور وہ چاچی
 کے سینے سے لگی سسکیاں لیتی رہی۔

☆☆☆

”تو..... ایاز ملک بالآخر تم نے کیتھی سے شادی
 کر لی لیکن اس سارے قصے میں میرا کیا قصور تھا میں
 نے کس جرم کی سزا بھگتی۔“ کرسی کی پشت سے ٹیک
 لگائے ایلپا نے سوچا۔

اور قصور کس تھا۔ اسفندیار کا جنہوں نے اچانک
 ہی اسے بیاہنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ آفتاب ملک کا جنہوں
 نے بیٹے کو مجبور کر دیا اس شادی پر یا پھر ایاز ملک کا جو اس
 زبردستی کے رشتے کو نباہ نہیں سکا۔ قصور جس کا بھی تھا
 لیکن زیادتی تو اس کے ساتھ ہوئی تھی صرف اس کے
 ساتھ بند آنکھوں کے پیچھے آنسو بری طرح بہنے کو مچلے
 لیکن وہ کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے ضبط کرنے کی
 کوشش کرتی رہی۔

کل شام کی بات تھی جب وہ چاچی کو گھر لے کر
 آئے تھے۔ پورے دس دن اسپتال میں رہنے کے بعد
 اور یہ دس دن کیسے مصروف اور پریشان گزرے تھے۔
 چاچی کی طبیعت اچانک ہی زیادہ خراب ہو گئی تھی درد بھی

نا قابل برداشت تھا اور کمزوری بھی بڑھتی جا رہی تھی۔
 تب انکل آفتاب نے بتایا۔

”ڈاکٹر کہتے ہیں آپریشن ہی حل ہے اس کا۔“
 ”تو پھر آپ آپریشن کیوں نہیں کر دیتے؟“
 ”تم آگئی تھیں نا۔“ وہ افسردگی سے مسکرائے تھے۔
 ”تمہاری چاچی کہتی تھیں آتے ہی تم اسپتالوں کے
 چکر میں پڑ جاؤ گی کچھ دن سکون سے وہ تمہارے ساتھ
 گزارنا چاہتی تھیں۔“
 ”کمال کرتے ہیں انکل آپ بھی۔“ وہ ناراض
 ہوئی تھی۔

”میں آپ کی بیٹی نہیں ہوں کیا.....؟ اگر آپریشن
 میں تاخیر سے کچھ مسئلہ بڑھ گیا تو.....“
 ”نہیں ایسا تو نہیں ہے ہاں تمہاری چاچی کو اتنے
 دن تکلیف برداشت کرنا پڑی۔“

پھر اگلے چند دن اسپتالوں کے چکر لگتے رہے
 مختلف ٹیسٹ پھر سے ہوئے اور پھر وہی نتیجہ کہ آپریشن
 ضروری ہے۔ ملتان میں ایک پرائیوٹ اسپتال کے ایک
 بڑے آرٹھو پیڈک سرجن نے آپریشن کیا۔ وہ دس دن
 اسپتال میں ان کے پاس ہی رہی انکل آفتاب نے کہا
 بھی کہ وہ دو تین کے لیے گھر جا کر آرام کر لے اور حویلی
 سے بتولاں صغراں کوئی بھی آجائے گی لیکن اس نے
 صاف انکار کر دیا۔

”نہیں انکل پلیز مجھے یہاں ہی رہنے دیں چاچی
 کے پاس۔“

ڈاکٹر کہتے تھے آپریشن کامیاب ہے لیکن ابھی تو وہ
 بیڈ پر ہی تھیں ایاز اور نینا کے فون اسپتال میں آتے
 رہتے تھے لیکن انکل آفتاب سے ہی ان کی بات ہوئی تھی
 لیکن کل شام نینا نے اس سے بھی بات کی تھی۔

”ایلا.....“ نینا بے حد افسردہ تھی۔ ”ایک ہفتہ قبل
 ایاز نے کیتھی سے شادی کر لی ہے تم اسپتال میں تھیں
 میں نے بتایا نہیں۔“

”چلو اچھا ہوا ایاز کا مسئلہ تو حل ہوا۔“ اس نے بے
 حد نارمل انداز میں کہا تو نینا کو اس کے لہجے کے سکون پر
 حیرت ہوئی۔

”تم ایسا.....؟“

”یہ تو ہوتا ہی تھا بلا آخرینہ۔“ اس نے نینا عادل کی بات کاٹ دی۔

”لیکن پلیز ابھی تم کسی کو مت بتانا ابھی چاچی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے اور میں ابھی یہاں ہی رہنا چاہتی ہوں چاچی کے پاس۔“

”میں نے آجی سے بات کی تھی اس کو اس سے فرق نہیں پڑتا لیکن وہ کہہ رہا تھا کہ تم طلاق کے بعد نئی زندگی شروع کر سکتی ہو اس طرح زندگی پر باد کرنے سے کوئی قائدہ نہیں وہ کبھی کے ساتھ بہت خوش ہے اور ہمیشہ اسی کے ساتھ زندگی گزارنا چاہتا ہے میرا خیال ہے تم طلاق لے لو ایسا۔“

”پلیز نینا ایسا مت کہو میں نے کہا نا مجھے طلاق نہیں چاہیے۔“

”او کے ایلا تم سوچنا ابھی اس وقت تم جذباتی ہو رہی ہو اس موضوع پر پھر بات ہوگی۔“

لیکن اس کے پاس سوچنے کے لیے تھا ہی کیا وہاں ماڈل ٹاؤن کے اس گھر میں اس کے لیے گنجائش نہیں تھی بالکل بھی نہیں اس نے آٹھ دن وہاں رہ کر دیکھ لیا تھا۔ سب کی خواہش تھی کہ وہ جلد چلی جائے نوابان سے بے شک کسی نے کچھ نہیں کہا تھا لیکن زبان سے کہنا کچھ ضروری نہیں تھا سب کے روپے بتا رہے تھے کہ ان کے دلوں میں کیا ہے اور اس کے پاس اس گھر کے علاوہ اور کھانا نہیں تھا اور یہاں ہمیشہ اس گھر میں رہنے کی ایک ہی صورت تھی کہ ایلا اسے طلاق دے۔ ”آخر لوگ دو دوشادیاں بھی کر لیتے ہیں میں یہاں رہتی رہوں گی اور.....“

”ایلا..... ایلا بیٹی۔“ چاچی نے اسے آواز دی تو وہ چونک کر سیدھی ہو گئی۔

”بیٹی! اپنے کمرے میں جا کر لیٹ جاؤ میرے پاس صغرا کو بھیج دو وہاں اسپتال میں بھی تم راتوں کو جاگتی رہی ہو اس طرح تو بیمار پڑ جاؤ گی چندا۔“

”آپ فکر نہیں کریں چاچی! میں نے دن میں بہت آرام کر لیا تھا ابھی آپ کو دوا کی دے کر میں بھی لیٹ

جاؤں گی اور بیٹی کے ہوتے ہوئے کسی صغرا کی ضرورت نہیں ہے میں نے اپنا بندہاں ہی لگا لیا ہے۔“

”وہ تو پتا ہے بیٹا..... لیکن.....“ ان کا چہرہ چمک اٹھا تھا۔ ”یہاں سونے سے ڈسٹرب ہوتی ہو رات کو اس لیے کہہ رہی تھی۔“

”کوئی ڈسٹرب نہیں ہوتی چاچی! اپنی ماں کی خدمت کر کے کوئی ڈسٹرب ہوتا ہے بھلا۔“

”اللہ نے مجھے بیٹی نہیں دی تھی تو مجھے بڑی حسرت تھی لیکن اب تمہاری شکل میں اللہ نے مجھے بیٹی دے دی ہے۔ پتا ہے جب ملک صاحب نے آکر بتایا کہ انہوں نے ایلا زکا رشتہ طے کر دیا ہے تمہارے ساتھ تو میں بہت پریشان ہوئی تھی مگر سے گئے تھے تو ایسا کوئی ارادہ ظاہر نہیں کیا تھا بلکہ جب سے ایلا آیا تھا میں ہی کہہ رہی تھی کہ آجی کی شادی کر دیتے ہیں کوئی ابھی لڑکی دیکھ کر تو وہ نہیں کرنا ل جاتے تھے۔“

”کیوں پابند کرتی ہو اسے؟ کچھ دن آزاد رہنے دو! وہ ابھی شادی نہیں کرنا چاہتا! اگلے سال آئے گا تو پھر سوچیں گے۔“

”میں تو حیران رہ گئی! رشتہ ہی نہیں وہ تو چند دن میں رخصتی کروانے کی بات کر رہے تھے۔“

”پتا نہیں کیسے مزاج کی ہے..... اور.....“ میں نے دبے دبے لہجے میں کہا تو انہوں نے تسلی دی۔

”بہت اچھی بیٹی ہے! اور ایلا سچے جب تمہیں دیکھا تو اللہ کا شکر ادا کیا میرا آجی خوش قسمت ہے ایسی بیٹی تو نصیب والوں کو ملتی ہیں ہم بڑے خوش نصیب ہیں۔“

اور ایلا ملک کہتا تھا میری بد نصیبی کہ تم میری زندگی میں میری خواہش کے بغیر داخل ہوئی ہو لیکن ایک روز میں اپنی بد نصیبی کو خوش نصیبی میں بدل دوں گا..... اور اب وہ یقیناً نصیب کی ہر دلی میں خود کو خوش نصیب سمجھ رہا ہوگا۔

”خوش نصیب تو میں ہوں کہ آپ کے وجود میں نے ماں کی محبت کو جانا۔“ ایلا زکا خیال چمک کر اس نے ہنک کر چاچی کے بازو پر ہاتھ رکھا۔ جب ہی آفتاب ملک کمرے میں داخل ہوئے۔

”یہاں بیٹی میں کیا باتیں ہو رہی ہیں بھی؟“

”کچھ نہیں۔“ چاچی مسکرائیں۔

”میں کہہ رہی تھی اگر میری بیٹی ہوتی تو ایلا سے زیادہ میری خدمت نہ کرتی۔“

”ہاں! یہ تو ہے۔“ وہ کرسی پر بیٹھ گئے۔ ایلا نے صغرا کی ان کا چہرہ کچھ بھجا بھجا سا تھا وہ ہر روز کی طرح لپکتے رہتے تھے۔ اسپتال سے آتے ہوئے جو انکسے اور ٹیسٹ ہوئے تھے ان کی رپورٹ آج ملنا تھی کہیں.....

”چاچی کی رپورٹ ملیس؟“

”ہاں! ابھی ایک دورہ ہو گئی ہیں۔“ وہ چونکے۔

”سب ٹھیک ہیں نا.....؟“ اس نے بیٹائی سے پوچھا۔

”ابھی ڈاکٹر کو نہیں دکھائیں باقی بھی مل جائیں تو پھر جاؤں گا! دوائیں کھلا دیں بے انہوں نے بات مکمل کر کے ساتھ ہی پوچھ لیا۔

”ابھی پھر وہ منٹ تک دوں گی۔“

”بیٹا! آج تم اپنے کمرے میں سو جاؤ میں ابھر دوں گا! تمہاری چاچی کے کمرے میں اگر ضرورت پڑ گئی تو چھین چکا لوں گا! بہت تھکی تھکی لگ رہی ہو۔“

انہوں نے بغور اس کی طرف دیکھا۔

”نہیں..... نہیں تو تمکلن تو بالکل بھی نہیں ہے دن کو بھی تھی میں۔“

”آجی کا فون نہیں آیا تین دنوں سے؟“ چاچی نے پوچھا۔

”آج تھا آج۔“

”مجھ سے بات نہیں کرو! کی۔“ انہوں نے شکوہ کیا۔

”تم آرام کر رہی تھیں پھر آیا تو کر لیا۔“ ان کا لہجہ عدم سپاہ تھا۔

”وہ ٹھیک تو ہے نا! آنے کا نہیں بتایا چار سال تو کے اسے یہاں آئے اور ہم سے۔“ طے بھی دو سال گئے ہیں اب تو.....“

”ہاں۔“ وہ چونکے۔ ”کچھ نہیں کہا آنے کا۔“

”اب فون آیا تو اسے ضرور کہیے گا! آنے کا آپ کی

بات تو مانتا ہے پتا نہیں زندگی میں ملاقات نصیب ہوگی یا نہیں! مرنے سے پہلے ایک بار اسے دیکھ لوں۔“ ان کی آواز میں کئی کھل گئی تو وہ ہولے سے ان کا ہاتھ چسپا کر کھڑے ہو گئے۔

”چاچی! کو دوا کی دے کر سو جانا تم بھی اگر کوئی پراہم ہو تو جگا لیں مجھے۔“

”بی.....“ اس نے سر ہلا دیا۔

”میں اکوٹی تھی اور سوچتی تھی کہ میرے کم از کم چار بچے تو ضرور ہوں گے لیکن اللہ کی رضا۔“ انکل آفتاب کے جانے کے بعد چاچی ہولے ہولے اس سے باتیں کرنے لگیں۔ ایلا کے بچپن کی باتیں نینا عادل کی باتیں۔ وہ بے دھیانی سے شتی رہی۔ اگر ایلا نے اسے طلاق دے دی تو..... تو پھر یہاں رہنے کا کیا جواز ہوگا اس کے پاس اور پھر اسے وہاں ہی رہنا پڑے گا ماڈل ٹاؤن والے اس گھر میں اور اپنا اس کے درمیان ابھی بن کر رہنا کتنا قدراذیت ناک ہے۔ اس سے تو اچھا تھا وہ وہاں ہی رہتی ایلا کے ساتھ اور اس کی سر دھری اور اجنبیت پر داشت کرتی رہتی وہ اذیت اس اذیت سے بہر حال کم تھی۔ وہ تو کبھی بھی اس کا اپنا نہیں تھا کھٹل ایک کاغذی رشتہ اور یہ جو خون کے رشتے تھے یہ سب کیا تھا اگر وہ اب بھی خاموش رہتی ایلا سے نہ کہتی کہ اسے پاکستان بھیج دے۔ اس نے ایک خضد سی سانس بھر کر چاچی کی طرف دیکھا ان کی آنکھیں بند ہو رہی تھیں۔

اس نے سانسے کلاک پر نظر ڈالی دوا کا وقت ہو چکا تھا۔ دوا کھانے کے کچھ ہی دیر بعد وہ سو گئیں تو اس کا دل گھبرانے لگا۔ کیا ہوگا اس کا..... کاش الی جان ہی اس کا خیال کر لیتے یا پھر بڑے بھیا اور چھوٹے بھیا یہ تو اس کے اپنے ہی تھے اور ہوا خیرن کتنی ہیں ماں نہ رہے تو باپ بھی دوسری بیوی لاکر دلا کر کھول جاتا ہے الی جان کی طرح اور بھائی شادیوں کے بعد پرانے ہو جاتے ہیں بھلا ایسا کیوں ہوتا ہے۔ دل پر بوجھ سا پڑ رہا تھا اس نے ایک نظر سوئی ہوئی چاچی کو دیکھا اور دروازہ کھول کر باہر نکل آئی۔ باہر خاموشی تھی اس نے صحن کے پتھن چچ

کھڑے ہو کر اوپر آسمان کی طرف دیکھا چودھویں کا

مئی 2007

چاند بین اس کے سر پر پوری آب و تاب سے جھگڑا رہا تھا۔ وہ کچھ دیر یونہی بے دھیانی سے چاند کو دیکھتی رہی پھر جیسے سزا کر دے کی سیڑھیوں پر بیٹھ گئی۔

اپریل کا اسٹارٹ تھا اور ہلکی ہلکی اسٹارٹ تھی۔ دن کو تو موسم کچھ گرم ہو جاتا تھا لیکن رات کے وقت ٹھنکی ہو جاتی تھی۔ دونوں بازو گھٹنوں کے گرد لپیٹے ہوئے اس نے کوئی چند صوبوں بار سوچا۔

"تو ساری بات یہ ہے ایلینا اسٹینڈ یارڈ تمہاری اس گھر میں اب کوئی جگہ نہیں اور تم نے بڑی غلطی کی جو ایاز سے کہا کہ وہ تمہیں پاکستان بھیج دے ورنہ وہ یہاں رہا ہی تھا کسی نہ کسی طرح تم از کم تمہارے ہوتے وہ کبھی سے شادی تو نہ کرتا لیکن اب کیا ہو سکتا ہے؟" عجیب سی مایوسی اس پر طاری ہو گئی "اور چائیں کب آج کل یا برسوں کسی روز اس کی طرف سے طلاق کے کاغذات آ گئے تو....."

ایک ڈاکٹر جان ماردار دل سے اٹھ کر پورے وجود میں پھیل گیا۔ پہلے آنکھیں نم ہوئیں اور پھر ہلکی گالوں پر پھسل آئی۔ "میں کہیں بھی کسی بھی جگہ مطلوب نہیں تھی نہ ماڈل ٹاؤن کے اس بڑے گھر میں اور نہ ایاز ملک کے اس اپارٹمنٹ میں تو پھر بھلا میری کیا ضرورت تھی اس دنیا میں آنے کی۔"

وہ سولہ سال جو اس نے ماڈل ٹاؤن کے اس گھر میں گزارے تھے وہ سولہ سال اس نے یاد کرنے کی کوشش کی۔ ان سولہ سالوں میں بڑے بھیا اور چھوٹے بھیا کا اپنی اپنی شادی کے بعد معمولی مبالغہات اور شادی سے پہلے اس کا تھوڑا خیال رکھنا اور بس..... یہ تھا اس کی سولہ سال زندگی کا اٹا شا اور بچے کے چار سال اور اذیت ناک چار سال جن میں صرف ایاز ملک کی نفرت تھی بیزاری تھی اور بس۔

اور چار سالوں بعد وہ دن جو اس نے ماڈل ٹاؤن میں گزارے تھے ابھی روٹیوں کے ساتھ..... دونوں بھائیوں کا وہ معمولی التفات بھی وہ کبھوتی رہ گئی تھی سوائے پہلے روز کے انہوں نے ان آٹھ دنوں میں اس سے پھر بات نہیں کی تھی کوئی بھی بات نہیں۔ لیوں سے نکلنے والی آہ کو اس نے دانتوں تلے دبا دیا اور دائیں ہاتھ

کی پشت سے گھینے رخساروں کو پونچھا جب ہی ملک آفتاب نے ہولے سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"ایلیا بیٹا یہاں کیوں بیٹھی ہو؟" وہ پتا نہیں اپنے کمرے کا دروازہ کھول کر کب باہر آئے تھے کسے خبر تک نہیں ہوئی تھی۔

"یونہی اٹکل اندر دل گھبرا رہا تھا۔" اس نے سر اٹھائے بغیر جواب دیا۔

"بیٹا تم کچھ پریشان ہو؟" وہ اس کے پیچھے سے آگے اس کے برابر ہی سیڑھیوں پر بیٹھ گئے تو اس نے بہت پھرتی سے ایک بار پھر رخساروں کو پونچھا لیکن بیٹکی پلٹیں آفتاب ملک سے پیچھی بندرہ کی تھیں۔

"نہیں تو....." اس نے مسکراتے کی کوشش کی۔

"تم بھی کتنی ہو گی عجب خود غرض لوگ ہیں چند دن بھی اپنے بہن بھائیوں کے ساتھ رہے نہیں دیا تمہاری چاہی کی طبیعت اب بہتر ہے میں تمہیں لاہور پھونز آنا ہوں۔ جب آنا ہوں تو کر دینا۔"

"نہیں۔" اس نے ٹوپ کر ان کی طرف دیکھا "مجھے نہیں جانا" میں یہاں ہی رہوں گی چاہی کے پاس۔"

"میں جانتا ہوں بچے تمہیں اپنی چاہی سے بہت محبت ہے لیکن بے رشتے بننے سے پرانوں کا حق ختم تو نہیں ہو جاتا ان کا بھی حق ہے تم پر اور چاہی کی تم ٹکرنہ کرو جو لاں اور صغراں ہیں نا اور پھر ڈاکٹر بھی کہہ رہا تھا کہ کچھ دنوں کی بات ہے واکر کے ساتھ چلنے لگیں گی اور....."

"نہیں ڈنگل پلیز! مجھے ابھی نہیں جانا۔" اس کے حلق میں گولا سا پھنس گیا۔ اس سے اس نے خود کو بڑا بے بس محسوس کیا۔ وہ اٹکل آفتاب کو یہ نہیں بتا سکتی تھی کہ وہاں اس کی کسی گواہ نہیں اور شاید یہ چاہی بھی نہیں تھا بھی تو چار سال پہلے اسے ایک ایسے شخص کے پہلے باندھ دیا گیا تھا جسے وہ مطلوب نہیں تھی۔ وہ اس کا طالب نہیں تھا لیکن وہ اس کے بے باندھی تھی۔ اٹکل آفتاب کے ہونٹوں پر شفیق سی مسکراہٹ بھر گئی۔

"اچھا جب تمہاری چاہی ٹھیک ہو جائیں گی پھر جی

بھر کر رہے آنا اب چار سال بعد آئی ہو تو پھر نہ جانے کتنے سالوں بعد آؤ۔" اسے آفتاب ملک کی اٹکل پر انہوس ہوا لیکن وہ ابھی انہیں کچھ نہیں بتا سکتی تھی اور غنا..... غنا عادل سے اس نے کہا تھا کہ اسے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ طلاق لے یا نہ لے لیکن اس کی زندگی میں اس کی کوئی مٹھائی نہیں ہے لیکن اگر کبھی کو اسے فرق پڑتا ہو تو اور یہ بات تھی جو اسے مسلسل پریشان کر رہی تھی۔

جب ہی آفتاب ملک کی پاکیٹ میں سوچو سٹیل فون بج اٹھا انہوں نے فوراً ہی فون نکال کر اٹینڈ کیا۔

"ہیلو ہاں جی ایاز۔" وہ کہہ رہے تھے اور یکدم جیسے اس کا دل ڈوب کر ابھرا۔

"اوہ ہاں جی تیری اماں بھی ٹھیک ہیں اپنے ڈیڑھ ہفتے تک ڈاکٹر نے کہا ہے واکر سے چلا شروع کر دیں گی اور یہ بتاؤ میں دن سے تم کہاں تھے؟"

پتا نہیں ایاز نے کیا کہا تھا کہ آفتاب ملک نے جواباً قدرے بلند آواز میں کہا۔

"تم میری کرتے پھر رہے ہو اور یہاں میں تمہاری اماں سے جھوٹے بولتا رہا ہوں کہ آئی کا فون آیا تھا۔" آفتاب ملک بات کر رہے تھے اور وہ برآمدے کی سیڑھیوں پر بیٹھے بیٹھے تصور میں دانشمندی کے اس اپارٹمنٹ میں کھڑی تھی جہاں چار سال اس نے ایاز کے سنگ کسی اچھی کی طرح گزارے تھے۔ اس وقت پتا نہیں وہاں کیا وقت ہوگا اور ایاز کہاں ہوگا اپنے بیڈروم میں اور کبھی کہاں ہوگی شاید میرے بیڈروم میں..... لیکن نہیں بھلا کتنی وہاں کیوں ہوئی اسے تو وہاں ہونا چاہیے جہاں ایاز ہے اور کتنی بیڈروم کے اس اپارٹمنٹ میں جانے کے پہلے روز ہی ایاز نے اس سے کہا تھا۔

"یہ رہا تمہارا بیڈروم میری قوت برداشت زیادہ نہیں ہے میں نے وہاں پاکستان میں پتا نہیں کیسے خود پر بھر کیا لیکن یہاں نہیں" تم میری خواہش نہیں ہو لیکن عورت ہو اور پھر میری وائف اس لیے میرے بیڈروم میں قدم نہ رکھنا۔"

نہ جانے کس بات پر آفتاب ملک نے قہقہہ لگایا تھا۔

"اوہ اس تو نہیں ہو یا نہ تمہاری بیوی تمہاری بھی بہو ہے بلکہ بیٹی ہے کچھ دن اس کی جدائی برداشت کر لو ذرا تمہاری اماں پہلے کی طرح چلنے پھرنے لگے تو پھر بھجوا دوں گا۔ یا تو بڑا لڑکی ہے۔" اس کا دل جیسے نیچے پاتال میں جا کر اور دھڑکن اٹتی تیز ہو گئی کہ اسے لگا جیسے وہ اپنی دھڑکنوں کو سن سکتی ہو۔ اب پتا نہیں ایاز کیا کہے گا اس کا پورا وجود سماعت میں گیا اس نے پوری توجہ ایاز کی سنائی دیتی ہے دم آواز پر لگا دی لیکن سمجھ نہیں پاتی۔

"کیا کہہ رہے ہو تم آجی.....؟" اس نے کن آنکھوں سے آفتاب ملک کی طرف دیکھا ان کی آنکھوں میں اب کچھ نہیں تھی۔

"میں خود غرض سمجھا ہے تو نے کہا اپنے آرام کی خاطر ہم اسے اپنے پاس ہی رکھ لیں گے تم دونوں ہنسو بس خوش رہو بس۔ پندرہ میں دن تک بھجوا دوں گا تمہارا کیا ہے چار دن کے مہمان ہیں ایک بار تمہارے بچوں کی خوشی بھی دیکھ لیں یا رکھیں تم نے بھی کم بچے خوشحال گھر ان کا سبق تو نہیں پڑھ لیا۔" انہوں نے قہقہہ لگایا۔

اگر جو زندگی بالکل سیدھی سیات ہوتی تو شاید وہ آفتاب ملک کی اس بات پر شرماتی شاید لیکن اس وقت تو وہ صرف دل کی دھڑکنوں کو سن رہی تھی جنہوں نے اوہ دم بھار کھا تھا۔

"کیا....." یکدم آفتاب ملک کا قہقہہ دم توڑ گیا۔ اس نے چپکے چاند کی روشنی میں ان کے چہرے کا رنگ بدلتے دیکھا تو سر جھکا لیا۔

"بابا" میں چاہتا ہوں ایلینا اب آپ کے ساتھ پاکستان میں ہی رہے میں یہاں اسے ساتھ نہیں رکھنا چاہتا میں نے کوشش کی کہ آپ کے ساتھ گیا وعدہ خباہتوں لیکن آئی ایم سوری بابا۔" کچھ نظر اس کے کانوں میں پڑے تو اس کا سر مزید جھک گیا۔

تم ایلینا کو ساتھ نہیں رکھنا چاہتے کیوں؟ ایاز کیا مسئلہ ہے تمہارے ساتھ تم تو خوش قسمت ہو کہ تمہیں ایلینا جیسی بیوی ملی ہے۔" اب وہ کہہ رہے تھے لہجہ میں یکدم دھیما پن آ گیا تھا۔ "یا اللہ اس وقت اس سے کچھ ایسا کر دے کہ ایاز مزید کچھ نہ کہہ سکے۔" اب اس نے

گی۔“ انوشہ اپنی حیرت چھپا نہیں سکی تھی۔

”ہاں چند روز کے لیے۔“

”اوہ.....“ وہ تھوڑا سا ہنسی ”بے چاری گڑیا کو آپ کا کمر اٹھائی کرنا پڑے گا ویسے ایلیا یہاں آپ کے آنے سے کسی کو خوشی نہیں ہوگی۔“ وہ خطرناک حد تک سچ بولتی تھی۔ یہ بات وہ جانتی تھی لیکن انوشہ کے منہ سے سن کر ایک لمحے کو جیسے اسے سکتے سا ہو گیا تھا۔

”آپ شاید برا مان گئی ہیں بڑا انوشہ کو اپنے سچ کی تلخی کا احساس ہو گیا تھا۔

”نہیں مجھے معلوم ہے۔“ اس نے آہستگی سے کہا۔

”حالانکہ کم از کم ابی جان کو تو خوش ہونا چاہیے نا آپ کے آنے پر اور انہیں آپ کو یاد بھی کرنا چاہیے لیکن پتا نہیں کیوں وہ بھی.....“ انوشہ وضاحت کر رہی تھی وہ خاموشی سے سن رہی تھی۔

”لیکن میں نے ایک روز آپ کو یاد کیا تھا۔“ وہ شاید اسے خوش کرنا چاہ رہی تھی۔

”جھوٹ نہیں انوش.....!“ اس کے لہجے میں ایک دم ہی اس کے لیے پیارا لڑا آیا تھا۔

”ریلی ایلیا“ وہ میری فرینڈ ہے ناموی اس نے مجھے اپنی آپ سے ملایا تو تب اس روز میں نے آپ کو یاد کیا تھا اور ناموی کو بھی بتایا تھا آپ کے متعلق.....“

”اچھا“ تھینکس۔“ وہ اتنی سی بات پر ہی خوش ہو گئی تھی۔

اد کے می آرہی ہیں آپ پھر لگنا لیکن رہنے کے لیے نہیں آتا بے چاری گڑیا.....“ وہ زور سے ہنسی اور اس نے ریسپور رکھ دیا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر بے اختیار مسکراہٹ آگئی تھی۔ یہ انوشہ بھی کتنے مزے سے سب کو ان کے نام لے کر بلاتی تھی۔ کیا ہی اچھا ہوتا وہ وہاں رہتی کچھ دن اور اور انوشہ سے دوستی کر لیتی۔ اس کی چھوٹی سی پیاری سی بہن۔

اس روز وہ انوشہ کی باتیں سوچ سوچ کر اس کی اس خطرناک حد تک سچ بولنے والی عادت سے محظوظ ہوتی رہی لیکن چاہنے کے باوجود وہ پھر وہاں فون نہیں کر سکی تھی ضروری تو نہیں تھا کہ انوشہ ہی ریسپو کرتی اور

پھر چاچی کی طبیعت بھی ٹھیک نہیں ہو پارہی تھی۔ اور کے ساتھ چلنے کی کوشش ناکام رہی تھی چند قدم چلنے کے بعد وہ اتنا شدید ہونے لگتا کہ برداشت سے باہر ہو جاتا اور آپریشن سے پہلے اگرچہ درد شدید ہی تھا لیکن اتنا شدید ہرگز نہیں تھا۔

”لگتا ہے آپریشن صحیح نہیں ہوا۔“ ایک روز اس نے آفتاب ملک سے کہا۔

”ہاں شاید۔“

”آپ ڈاکٹر سے بات کریں نا!“

”ڈاکٹر ملک سے باہر گئے ہوئے ہیں ایک سیمینار میں شرکت کے لیے میں چاہتا ہوں وہ آجائیں تو انہیں سے چیک کرواؤں۔“

”آپ کچھ پریشان لگ رہے ہیں انکل“ آپ مجھے تو بتائیں نا دوسرے ڈاکٹر نے کیا کہا ہے بڑا وہ کئی دن سے انہیں پریشان دیکھ رہی تھی۔

”نہیں“ کچھ خاص نہیں میں تمہاری چاچی کی وجہ سے پریشان نہیں ہوں پتر۔“

”پھر کیوں پریشان ہیں۔“

”بیٹہ جاؤ۔“ انہوں نے ہاتھ میں پکڑی کتاب ہاتھ پر رکھ دی تھی اور بغور اسے دیکھا تھا۔ وہ اس روز انہیں چائے دینے گئی تھی۔ چاچی سو رہی تھیں اور وہ بے اختیار ہی پوچھ بیٹھی تھی۔

”آجی کا فون آیا۔“ اس کے بیٹھے ہی انہوں نے پوچھا۔

”ہاں..... نہیں..... ہاں۔“ اس نے شپٹا کر انہیں دیکھا۔

”ایک بات کہو نا!“ ان کے لبوں پر پھینکی سی مسکراہٹ بکھر گئی اس کی نظریں جھک گئیں۔ پتا نہیں لوگ کتنی آسانی سے اور کیسے اتنے بڑے بڑے جھوٹ بول لیتے ہیں۔

”کب آیا تھا؟“ انہوں نے جیسے اس کی مشکل آسان کی۔

”وہ..... دو تین دن ہوئے۔“ اس نے تھوک لگا۔

”ایلیا بیٹا ادھر میری طرف دیکھ کر بات کرو۔“ اسے لگا وہ اس اتنے شفیق اتنے معزز شخص کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جھوٹ نہیں بول سکے گی اس کی نظریں نہ اٹھ سکیں اور لب خشک ہو گئے۔

”ایلیا بیٹا۔“ انہوں نے ایک گہری سانس لی۔

”مجھے نینا نے سب کچھ بتا دیا ہے۔“ اس کی آنکھوں میں یکدم سے پانی بھر آیا اور وہ آنسو روکنے کی کوشش میں نچلے ہونٹ کو دانتوں تلے بیدردی سے کاٹنے لگی لیکن آفتاب ملک شاید اس کی طرف نہیں دیکھ رہے تھے۔

”میں..... میں تم سے شرمندہ ہوں بیٹی۔“

”اس طرح مت کہیں پلینز“ آپ کا کیا قصور شاید میں ہی.....“ اس نے تڑپ کر سر اٹھایا اور پھر آنکھوں میں جمع ہونے والا پانی رخساروں پر بہہ آیا۔

”میں نے سوچا تھا ایاز نے بھی میری بات نہیں مانی۔“ وہ ہولے ہولے بول رہے تھے ”وہ ضرور میرا مان رکھے گا میں نے اس سے پوچھے بغیر اس کے ساتھ تمہارا رشتہ طے کر دیا تھا۔“

”آپ کو ان سے پوچھ لینا چاہیے تھا۔“ بے اختیار ہی اس کے لبوں سے لگتا تھا۔

”ہاں عام حالات میں شاید میں ایسا ہی کرتا میں کوئی رواجی قسم کا باپ نہیں تھا کہ اس پر اپنی مرضی مسلط کرتا۔ میں نے ہمیشہ اس کی ہر خواہش پوری کی میں اسے امریکا نہیں بھیجنا چاہتا تھا لیکن اس نے کہا میں نے مان لیا شادی کے معاملے میں بھی میں نے اسے کہہ رکھا تھا کہ وہ جہاں بھی جسے بھی پسند کرے ہم دونوں اس کی خوشی پر خوش ہوں گے لیکن.....“ انہوں نے ایک ٹھنڈی سانس لی وہ دم سادھے سن رہی تھی رخساروں تک بہہ آنے والے آنسو خود ہی خشک ہو گئے تھے۔

”میں جب لاہور گیا اور اسفند نے بتایا کہ اس نے تمہارا رشتہ زریاب خان سے طے کر دیا ہے جو کہ تمہاری چھوٹی امی کا خالہ زاد بھائی تھا۔ جس کی عمر کم از کم ساٹھ سال تو تھی اور تم صرف سولہ سال کی تو میں ششدر رہ گیا۔“

5

”یہ ظلم ہے اسفندریار۔“ میں حیرت سے باہر آیا تو کہا۔

”تم صرف اسفندریار میرے عزیز دوست کی ہی بیٹی نہ تھیں بلکہ تمہاری امی کو میں نے بہن بنایا تھا اور بہن کی طرح ہی اسے اپنے گھر سے رخصت کیا تھا۔“ ایلیا نے بے حد حیران ہو کر آفتاب ملک کی طرف دیکھا وہ ہمیشہ سوچتی تھی کہ کیا اس کی امی کے بہن بھائی والدین کوئی نہیں تھے۔ اسے اپنے ننھیالی رشتوں کی کوئی خبر نہ تھی۔ ایک بار اس نے بڑے بھیا سے پوچھا تھا جب اپلی جان چھوٹی امی کو بیاہ کر لے آئے تھے اور ایک روز نہ جانے کس بات پر چھوٹی امی نے اسے مارا تھا تب اس نے سوچا تھا آخر اس کے نانا، نانی، ماموں، خالہ کوئی تو ہوگا تو چھوٹی امی کی مار کھانے سے بہتر ہے کہ وہ ان کے گھر چلی جائے اور بڑے بھیا نے لاعلمی کا اظہار کیا تھا۔

”مجھے تو معلوم نہیں شاید ابی جان کو پتا ہو۔“ اور ابی جان سے پوچھنے کی وہ ہمت نہیں کر سکی تھی۔ اس نے خود ہی خود دل میں فرض کر لیا تھا کہ اس کی امی جان کے والدین وفات پا چکے ہوں گے اور وہ اکلوتی ہوں گی لیکن آج آفتاب انگل کے منہ سے یہ سن کر کہ انہوں نے اس کی امی کو اپنے گھر سے رخصت کیا تھا وہ بے اختیار پوچھ بیٹھی۔

”کیا ان کے والدین نہیں تھے؟“

”ہاں، کچھ ایسا ہی تھا۔“ آفتاب ملک اس کی طرف نہیں دیکھ رہے تھے۔

”اور بہن بھائی؟“

”کوئی نہیں تھا“ مجھے اس نے منہ بولا بھائی بنا رکھا تھا وہ روزِ محشر مجھ سے ضرور شکوہ کرتی کہ بھائی میری ایلیا پر ظلم ہو رہا تھا اور تم نے کچھ نہیں کیا، تبھی میں نے اسفند سے احتجاج کیا تو اس نے کہا کہ تمہیں ہمدردی ہے ایلیا سے تو تم کر لو اپنے بیٹے سے اس کی شادی۔“

”تو ابی جان نے.....“ وہ آفتاب ملک کی طرف دیکھ رہی تھی۔

”میں نے آجی سے نہیں پوچھا اور اسفند سے کہہ

دیا ٹھیک ہے، میں ایاز کی شادی ایلیا سے کر لیتا ہوں لیکن پہلے کچھ دیر اپنی بیٹی سے بات کر لوں..... اور یوں.....“

”مجھے بہت مان تھا“ مجھے یقین تھا آجی میرا مان رکھے گا..... لیکن خیر.....“ انہوں نے سر جھٹک کر اس کی طرف دیکھا۔

”اب تم.....“

”میں.....“ وہ چونکی اور اس نے انگلی سے اپنی طرف اشارہ کیا۔ خشک آنکھیں لمحوں میں سمندر بن گئیں۔ وہ تیزی سے اپنی جگہ سے اٹھی اور کارپٹ پر بیٹھتے ہوئے اپنے ہاتھ ان کے پاؤں پر رکھے۔

”انگل پلینز“ مجھے یہاں سے مت بھیجے گا میں یہاں ہی رہنا چاہتی ہوں آپ کے پاس، چاچی کے پاس ہمیشہ..... پلینز انگل۔“

”کیا کر رہی ہو ایلیا بچے۔“ انہوں نے گھبرا کر اس کے ہاتھ اپنے پاؤں سے ہٹائے۔

”تم یہاں ہی رہو، جب تک دل چاہے ہمیشہ ہمارے پاس کس کی جرأت ہے کہ تمہیں یہاں سے نکالے، تم مالک ہو اس گھر کی اور یہ گھر میں تمہارے ہی نام کر دوں گا، ذرا تمہاری چاچی ٹھیک ہو جائیں اور دیکھو ابھی اپنی چاچی کو کچھ مت بتانا، نہیں تو وہ دل پر لے لے گی۔“ انہوں نے بازو سے پکڑ کر اسے اٹھایا وہ روتے ہوئے یکدم ان کے سینے سے جا لگی۔ وہ ہولے ہولے اسے تھپک رہے تھے اور بائیں ہاتھ سے اپنی آنکھوں سے بہنے والے آنسو بھی صاف کر رہے تھے۔

”اور وہ..... ایاز اس سے تو میں ابھی بات ہی نہیں کر رہا روز ہی فون کرتا ہے میں بات کیے بغیر بند کر دیتا ہوں لیکن تمہاری خاطر میں بات کر دوں گا اس سے کسی روز کہ اگر اسے ہماری پروا ہے تو وہ تمہیں بھی وہی حقوق دے جو اس گوری میم کو دے رہا ہے، چلو شادی کر لی ہے اس نے لیکن تم بھی اس کی بیوی ہو، دوسری صورت میں زندگی بھر ہماری شکل نہ دیکھے بلکہ ہمارے جنازے پر بھی نہ آئے۔“

بقیہ اگلے ماہ پڑھیں

ابھی اک خواب باقی ہے

نگہت سبھا

”دو تھیں انگل..... پلیز نہیں، میں ایسے ہی خوش ہوں آپ کے سائے میں آپ کے پاس بس اب مجھے خود سے جدا مت کریں۔ اور میرے لیے ایاز سے ناراض نہ ہوں وہ آپ کا ایک ہی بیٹا ہے..... چاہی تو ان کے بغیر..... اور چاہے چاہی ان کو اتار دیکر لی ہیں، اتنی اداس جس ان کے لیے.....“ وہ دونوں ہاتھوں کی پشت سے آنسو صاف کرتی ہوئی ان کے سامنے بیٹھ گئی تھی۔

”تم بہت اچھی ہو ایلیا، وہ کینٹ تمہارے بھی اچھی لڑکی کے قابل نہیں تھا۔ بچھڑائے گا بہت بچھڑائے گا دو.....“ وہ ہولے ہولے کہہ رہے تھے۔

”انگل پلیز، ایسا نہ کہیں، میرا اپنا نصیب..... ان کا کیا قصور وہ تو بہت پہلے سے میری کو پسند کرتے تھے۔ بیٹا نے مجھے بتایا تھا میں تو ذرا بدبختی.....“

”اچھا اچھا۔“ انہوں نے دونوں ہاتھوں سے اس کا سر تھپتھپایا۔ ”اب رونے والی بات نہیں ہوگی۔ یہ



جائے تو ہوئی ٹھنڈی اب اچھی سی جائے جا کر لڑا، اپنے لیے بھی لڑا۔ دونوں باپ بیٹی تھیں گے اور بائیں کریں گے۔“

”انگل، آپ مجھے میری امی کے متعلق بتائیے گا۔ مجھے آج تک کبھی کسی نے ان کے متعلق کچھ نہیں بتایا۔“ اس نے آنکھیں پونچھ لی تھیں۔

”تمہاری امی بہت اچھی تھیں بالکل تمہارے جیسی، سادہ دلی اور معصوم سی، مخلص، محبت کرنے والی اور بہت فوری صورت.....“ اس کی آنکھوں سے جھپکنے اشتیاق کو

دیکھ کر وہ ہولے سے مکرانے۔

”پہلے جائے باقی بائیں پھر۔“

اور پھر اس روز کے بعد وہ اکثر ہی ان سے کرید کرید کرانی کی باتیں پوچھتی رہتی تھی۔ ان گزرے دنوں میں اس نے مائل مائل کے گھر میں گزرے شب و روز بھی ان سے شیئر کیے تھے۔

”اس گھر میں میری جد نہیں ہے انگل، وہاں کسی کو میری چاہ نہیں، ابی جان کو بھی میرا خیال نہیں۔“

”ہاں، اسفند بہت بدل گیا ہے حالانکہ اسے



تمہاری امی سے عشق تھا اور تمہارا تو دیوانہ تھا۔ وہ جس روز تم پیدا ہوئی تھیں تو اتنا خوش تھا کہ اس نے نوکرے بھر کر منٹھائی اسپتال میں تقسیم کی تھی اور مجھ سے کہتا تھا ”یار آفتاب، میرے گھر میں پری اتری ہے۔ میری اور شمرین کی محبت کی نشانی۔“ آفتاب ملک اس کا دکھ سمجھتے تھے۔

”تمہاری چاچی ٹھیک ہو جائیں تو پھر تم کالج میں ایڈمیشن لے لیتا۔ یہاں کسی پرائیویٹ کالج میں، پہلے اپنی تعلیم مکمل کرنا۔ تمہاری امی کو اپنی تعلیم ادھوری رہ جانے کا دکھ تھا وہ تمہیں اعلیٰ تعلیم دلوانا چاہتی تھیں۔ پنجاب یونیورسٹی سے ماسٹر کرنا اس کا خواب تھا اور اب یہ خواب تم پورا کرنا۔ بی اے کرو تو تمہیں پنجاب یونیورسٹی میں داخلہ دلوا دوں گا۔“

وہ مستقبل کے خواب بنے رہتے تھے۔ اس کے دل سے بہت سا بوجھ اتر گیا تھا۔ ہر لمحے جو ایک خوف سا اسے گھیرے رکھتا تھا وہ اس خوف سے نکل آئی تھی۔

”میں آجی سے بات کروں گا۔ اگر وہ تمہیں سمجھتی ہے کہ برابر حقوق نہ دے سکا تو پھر میں اسے کہوں گا کہ وہ تمہیں طلاق دے دے پھر میں اپنی بیٹی کی خود شادی کروں گا، کسی بہت اچھے لڑکے سے۔“

”نہیں انکل، پلیز نہیں۔“

”اچھا خیر، اس موضوع پر پھر بات ہوگی پہلے تمہاری تعلیم۔“ وہ ہولے سے ہنس دے۔

وہ جانتی تھی کہ ایاز کبھی بھی اسے کیتھی کے برابر حقوق نہیں دے سکتا اور ایاز کو اس کی ذرا بھی چاہ نہیں ہے لیکن ابھی وہ آفتاب ملک کو اس غلط فہمی سے نکالنا نہیں چاہتی تھی۔ خود وہ بہت پرسکون تھی۔ آفتاب ملک نے ادھوری تعلیم مکمل کرنے کا جو تصور اسے دیا تھا اسی میں کھوئی رہتی تھی کہ اچانک ہی چاچی کی تکلیف بڑھ گئی۔ اب تو ان کے لیے بیٹھنا بھی محال ہو گیا تھا۔ لینے میں بھی دردنا قائل برداشت تھا۔ آفتاب ملک نے پریشان ہو کر کئی ڈاکٹروں کو دکھا ڈالا۔ دو تین دفعہ لاہور بھی لے گئے اور جب احباب نے مشورہ دیا کہ وہ اب کی بار یہاں آپریشن کروانے کے بجائے لندن یا امریکا میں جا کر آپریشن کروائیں تو جیسے ان کے دل کو بھی یہ بات لگ

گئی۔

ڈاکٹر پھر آپریشن کا کہہ رہے تھے اور ان کا دل ڈر رہا تھا کہ کہیں اس بار آپریشن سے وہ انھیں کے قائل بھی نہ رہیں۔ یکدم ہی یہاں سے ان کا اعتبار اٹھ گیا تھا۔ اگرچہ لاہور کے ایک دوست نے انہیں لاہور آ کر آپریشن کروانے کا مشورہ دیا لیکن وہ امریکا جانے کی تیاری کرنے لگے تھے۔ نینا سے سن کر ایاز نے فون کیا۔

”آئی ایم سوری بابا لیکن۔۔۔۔۔“

”میں اس موضوع پر فی الحال تم سے بات نہیں کرنا چاہتا، تم نے جس مقصد کے لیے فون کیا ہے وہ بات کرو۔“ انہوں نے ڈانٹ دیا تو ایاز نے بھی ڈائریکٹ بات کی۔

”نینا آپ نے بتایا کہ اماں کا دوبارہ آپریشن ہونا ہے اور آپ شاید لندن۔۔۔۔۔“

”ہاں۔۔۔۔۔ آفتاب ملک سنجیدہ تھے۔

”تو میں انتظام کرتا ہوں آپ رپورٹس بھجوا دیں مجھے ڈاکٹر زکو دکھا کر نام لے لیتا ہوں۔ یہاں نینا ہے میں ہوں کیتھی ہے اور۔۔۔۔۔“

”ایاز مجھے۔۔۔۔۔“

”پلیز بابا، ایک لڑکی کے لیے مجھے اگنور مت کریں۔ وہ میری ماں ہیں میرا فرض ہے اور حق ہے ان کا مجھ پر۔“

”تم حقوق اور فرائض کی بات مت کرو میرے ساتھ ایاز۔۔۔۔۔ ہاں، وہ تمہاری ماں ہے، میں سوچوں گا کہ کہاں لے جانا بہتر ہوگا۔“

”پلیز انکل“ انہوں نے فون بند کیا تو ایلیا نے التجا ”آپ چاچی کو لے جائیں پلیز امریکا شاید وہاں۔۔۔۔۔ ان کی تکلیف برداشت نہیں ہوتی مجھ سے۔“

ان دنوں وہ خود کو بھولی ہوئی تھی۔ چاچی کی تکلیف پر ان سے زیادہ روتی تھی۔ وہ کچھ دیر بغور اسے دیکھتے رہے اور پھر جیسے ڈھسے سے گئے۔

”ہاں، تمہاری چاچی بہت تکلیف میں ہے۔۔۔۔۔“

”اور ایاز بیٹا ہے ان کا کوئی غیر تو نہیں۔“ وہ اس شخص

کچھ کالت کر رہی تھی جس نے ایک روز بھی اسے اپنے ہونے کا مان نہیں دیا تھا۔

اور پھر سب انتظام ہوتے چلے گئے اس نے ایک روز بھی اپنے لیے نہیں سوچا کہ اس کا کیا ہوگا۔

”میں نے اسفند کونون کر دیا ہے وہ تمہیں آ کر لے جائے گا۔“

”مجھے۔۔۔۔۔!“ وہ حیران ہوئی۔

”ہاں، ہمارے جانے کے بعد تم یہاں اکیلے کیسے رہو گی، بیٹا۔“

”لیکن وہ صغراں تو ہے نا اور دوسرے ملازم بھی۔۔۔۔۔“

”میں مناسب نہیں سمجھتا۔“ آفتاب ملک سنجیدہ تھے۔

”ہمارے آنے تک تم لاہور میں رہنا اور اپنی چاچی کے لیے ڈھیر ساری دعائیں کرنا۔ واپس آتے ہی میں تمہیں لاہور سے لے آؤں گا اور پھر ہم اپنے پلان پر کام شروع کر دیں گے۔“ انہوں نے مسکرانے کی کوشش کی تھی۔ وہ اس وقت چاچی کے بیڈ کے پاس کرسی ڈالے بیٹھے تھے اور ایلیا ان کے بیڈ پر بیٹھی ان کی ہانگیں دبا رہی تھی کہ انہوں نے آنکھیں کھول کر ملک آفتاب کی طرف دیکھا۔

”ایلیا ہمارے ساتھ نہیں جا رہی کیا؟“

”ہاں۔۔۔۔۔ آفتاب ملک چونکے ان کا خیال تھا کہ وہ سو رہی ہیں۔

”کیوں۔۔۔۔۔“

”وہ۔۔۔۔۔ ایلیا ابھی یہاں رہنا چاہتی ہے اور ہمارا بھی کب دل بھرا ہے اور وہاں تمہارے صاحبزادے نے اسے پھر واپس نہیں آنے دینا۔ کہے گا اتنا خرچ دوبارہ۔“ وہ زبردستی مسکرائے۔

”لیکن میں ایلا کے بغیر آپریشن نہیں کرواؤں گی، مجھے کسی گوری نرس سے خدمت نہیں کروانی۔“ وہ رو بھی روٹھی سی بولیں۔

”کیوں، نینا کیا تمہاری بیٹی نہیں ہے وہ بھی ہے وہاں۔“

”لیکن ملک صاحب آپ اتنے کنبوس کب سے

ہو گئے، ایلا کے آنے جانے کا کلٹ آپ دیکھیں گا اپنی
جیب سے پھر تو آئی گی اعتراض نہیں ہوگا؟
"ہاں لیکن..."

انہوں نے ایلا کی طرف دیکھ کر سر ہلایا جو سر
جھٹکے آنسو بہنے کی کوشش کر رہی تھی۔
"میں، تجھے معلوم نہیں تھا کہ ملک آفتاب کا دل اتنا
چھوٹا ہو گیا ہے۔ میرا ست لڑا راج دیں، اتنی رقم تو
ہو جائے گی تاکہ آنے جانے کا کلٹ مل جائے ایلا کا۔"
وہ بد-طور بارش ناراض لہجے میں بولیں تو ایلا کے لیے
اپنے آنسو روکنے مشکل ہو گئے۔ کاش، وہ وہاں جا سکتی
چاہتی کے ساتھ۔ وہ نینا کے پاس رہ سکتی لیکن ایلا نے
نینا کے پیش اسے کہلوا دیا تھا کہ وہ ہرگز امریکا نہ آئے کہیں
اپا جان مارے محبت کے اسے بھی ساتھ نہ لے آئیں
تجھے اسے ہانگی بھی برداشت نہیں کرے گی اور میں
نے کتنی کو بتایا ہے کہ اسے میں نے طلاق دے دی
ہے۔ اس لیے ایلا کو سمجھا دینا اگر وہ آئی تو میں فوراً ہی
اسے طلاق دے دوں گا۔ نینا ایلا کو کیا سمجھاتی اس نے
ساری بات آفتاب ملک کو بھی بتا دی تھی اور ایلا بھی۔
"بات صرف یہ نہیں ہے نکالی صاحب۔" وہ بات کو
مزاح کارنگ دینے کی کوشش کر رہے تھے۔

"وہ جو اسفند ہے نامیرا یا رہ، اس کا بھی حق ہے نا
ایلا پر۔ بے چارہ تمہاری وجہ سے چپ ہو گیا تھا ورنہ چار
سال بعد بھی وطن آئے اور صرف چھ دن رہ کر آجائے تو
میں نے اس سے وعدہ کر لیا ہے کہ جتنے دن ہم
امریکا رہیں گے ایلا ان کے پاس رہے گی اور
یہاں آتے ہی اگلے روز میں اسے لے آؤں گا اور پھر
سال بھر جائے نہیں دوں گا۔"

"سال بھر کیوں..." وہ مزید بارش ہو گئی۔
"میں ہمارے آنے کے دو تین ماہ بعد آئی کے پاس پہنچ
دوں گی اسے۔ میرا بیٹا وہاں اکیلا رہے اور ہم یہاں بھی
سے خدمت کرواتے رہیں۔" ایلا کو لگا جیسے اس کا دل
پھٹ جائے گا۔ وہ یکدم اٹھی اور تیزی سے باہر نکل گئی۔
چاچی حیرانی سے اسے باہر جانا دیکھ رہی تھی۔
"یہ... اسے کیا ہوا؟"

"کچھ نہیں، بس تمہارے جانے سے پریشان ہے
نا، نا، باپ کو ناراض کر سکتی ہے اور نہ تمہیں۔"
"لو، میں بھلا کیوں ناراض ہوں گی۔ بلا نہیں اسے
نینا ہے نادہاں اور پھر آپ نے کہا تھا زیادہ سے زیادہ
ذبحہ دو ماہ تک آ جائیں گے۔"

دروازے کے پاس کھڑے کھڑے آنسو پونچھنے
ہوئے اس نے سوچا تھا..... اور یہ ذبحہ دو ماہ کتنے مشکل
ہوں گے اس کے لیے۔ وہاں ان سب کے پیچاند
رہتوں کے درمیان رچے ہوئے لیکن اس کے سوا اور
کوئی راستہ بھی تو نہ تھا۔ لڑکیاں جسے جانے کا سن کر کتنی
خوش ہوتی ہیں لیکن وہ وہاں آسکتی۔ ہاں، ایک ڈرامی رقص
خوشی کی اس کے اندر ضرور اٹھی تھی جب اس نے سنا تھا
کہ اسفند پارے لینے آ رہے ہیں۔

"اپلی جان سے وہ راستے میں بہت ساری باتیں
کرے گی اور ان سے ان کے رویے کا گلہ بھی کرے
گی۔ اب وہ ٹھنی پکی نہیں ہے کہ چھوٹی اسی کی بری بھلی
سن کر چھپ کر رو لے اور اپلی جان سے کچھ بھی نہ کہہ
سکے۔ وہ ان سے یہ بھی کہے گی کہ آخرا انہوں نے اسے
اتنی جلدی گھر سے کیوں رخصت کر دیا تھا۔" اپلی جان
کے آنے کے خیال سے وقتی طور پر اس کا دل بہل گیا تھا
لیکن اپلی جان کے بجائے مونا کو دیکھ کر اسے ایک لمحے کو
رونا سا آ گیا تھا کیا تھا اگر اپلی جان آ جاتے تو...
آفتاب ملک نے اسے کتنا دلا سادیا تھا۔

"اسفند آیا تو میں اس کے کان سمجھوں گا۔ یاد
دلاؤں گا کہ تم اسی شرمین کی بیٹی ہو جو بھی تمہاری زندگی
تھی۔" لیکن اسفند کی جگہ مونا کو دیکھ کر انہیں بھی حیرانی
ہوئی تھی۔

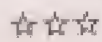
"اسفند نے تو کہا تھا کہ وہ خود آئے گا۔"
"بڑے صاحب کو ضروری کام سے اسلام آباد جانا
پڑ گیا تھا اس لیے انہوں نے مجھے بھیجا ہے۔"
"ایسا کیا ضروری کام تھا؟" انہیں طعنے آ رہا تھا۔
"وہ جی جیکم صاحب کا کوئی کام تھا۔"
"جانتا ہوں، جانتا ہوں۔" وہ بہت غصے میں تھے۔
"میں خود چھوڑ آتا ہوں، ایلا تم تیار ہو جاؤ۔"

"انگل میں چلی جاؤں گی مونا کے ساتھ، آپ کی
کل فلائٹ ہے۔"

"میں تمہیں چھوڑ کر رات کو ہی لوٹ آؤں گا۔"
"نہیں، پلیز انگل یہاں چاہی اکیلی ہوں گی۔"
اس نے بمشکل ان کا شعر ٹھٹھا کیا تھا اور پھر
وہ لاہور آگئی تھی اسفند ہی۔

"اپنی چاہی کے لیے بہت دعا کرنا۔" آفتاب
ملک نے اسے خدا حافظ کہتے ہوئے کہا تو اس کی
آنکھیں پھٹک پڑیں۔

"رونا بانگل نہیں..... اور یہ بھی مت بھولنا کہ تم
صرف میری بیٹی ہو۔ اپنے لیے ذرا بھی پریشان نہ ہونا
اور نہ سوچنا۔ میں ہوں نا تمہارے لیے سوچنے اور
پریشان ہونے کو....." اس کے منع کرنے کے باوجود
انہوں نے بتولان کو بھی زبردستی اس کے ساتھ بھیجا تھا۔
"میں کوچ میں مونا کے ساتھ چلی جاؤں گی انگل،
گاڑی اور ذرا پیوری کی وقت بھی ضرورت پڑ سکتی ہے۔"
"نہیں، ہرگز نہیں اگر اسفند کو اپنی بیٹی کا خیال نہیں
تو مجھے تو اپنی بہو کا خیال ہے نا، چوہدری آفتاب ملک کی
بہو ایک ملازم کے ساتھ کوچ میں سفر نہیں کرے گی، میں
اور حزیلہ کچھ مت کہنا۔" ایلا سوائے آنسو بہانے کے
اور کہہ بھی کیا سکتی تھی۔



"لو اگر اپنی سسرالی گاڑی میں ہی ایک عدد ملازمہ
کے ساتھ چوہدرانی بن کر آنا تھا تو پھر مونا کو لانے کی کیا
ضرورت تھی۔ اتنے کام رہ گئے، دعوت کی شکل کرنا
پڑی۔" چھوٹی اسی جو اس وقت لان میں ہی موجود تھیں
اسے گاڑی اور بتولان کے ساتھ دیکھ کر چپ نہ رہ سکی
تھیں اور ایلا کو کچھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کیا کہے۔

"اچھا بی بی، ہم چلتے ہیں۔" بتولان نے کہا تو وہ
چھوٹی اسی کے اس استقبال پر چلتے پر حیران سی گاڑی کے
دروازے پر ہاتھ رکھ کر کھڑی تھی، چونکی۔

"نہیں، نہیں تمہارا پیسٹ کر لو گھنٹا بھر اور چائے
ذخیرہ پی لو۔" اس نے ایک نئی نظر مونا پر ڈالی۔

"ہاں، ہاں میں بڑا سے کہتا ہوں چائے بنانے

کو۔" مونا چھوٹی اسی کے مزاج سے واقف تھا اس لیے
آہستہ سے کہتا ہوا تیزی سے پیچھے سے ہوتا ہوا غائب لیکن
کے پچھلے دروازے سے اندر چلا گیا۔

"کیا حال ہے اب تمہاری ساس کا، یہاں علاج
نہیں تھا جو امریکا جا رہی ہیں۔"

"جی، پہلا آپریشن یہاں ہی کروایا تھا کوئی خاص
فائدہ نہیں ہوا تھا۔" چھوٹی اسی کے سوال پر وہ ڈرامی
حیران ہوئی اور پھر اس ڈرامے سے التفات پر خوش ہو گئی۔

"کب تک وہاں رہے؟" وہ اس کے ساتھ ساتھ
چلتے ہوئے پوچھ رہی تھیں۔

"ذبحہ دو مہینے تک خیالی ہے، ممکن ہے پہلے ہی
آ جائیں۔"

نی دی لاؤنچ میں قدم رکھتے ہی اس نے چاروں
طرف دیکھا۔ ایک طرف کارپٹ برائش اور بدر بیٹھے
لذت کھیل رہے تھے۔ انہوں نے سڑک اس کی طرف دیکھا
اور وہاں سے ہاتھ ہٹا کر کھیل کی طرف متوجہ ہو گئے۔

"آپا ہمارا بھٹکا....." بدر اچھلا۔ وہ مسکراتے
ہوئے نمونے پر بیٹھی۔ بتولان کارپٹ پر بیٹھ گئی۔

"یہ کون ہے۔" انوشہ نے گوٹ اپنے غائبے میں
رکھتے ہوئے پوچھا۔

"نہ بتولان ہے میرے ساتھ آئی ہے۔"
"یہ بھی یہاں رہے گی۔" انوشہ کی آنکھوں میں

حیرت اتری۔
"نہیں، ابھی چلی جائے گی۔" انگل نے ساتھ بیٹھا
ہے۔

"کیوں آپ کو اس کیے ڈر لگتا تھا مونا تو تھا نا آپ
کے ساتھ۔" بدر نے پوچھا۔

وہ دونوں کھیل چھوڑ کر اس کی طرف متوجہ ہو گئے
تھے اور بتولان کی طرف دلچسپی سے دیکھ رہے تھے جس
کے کانوں میں نہ جانے کتنے سو ران تھے اور ہر سو ران
میں سندریاں پہن رہی تھیں اس نے۔ کیلٹ کے بڑے
بڑے بالے سے تھے۔ چھوٹی اسی کو شاید اچھا نہیں لگ رہا
تھا، انہوں نے اسے ٹوک دیا۔

"بدر، بہت کھیل لے لے، اب سینو پیٹھ اور انوشہ تم

نے بال کمزور نے جانا تھا آج شامی کے ساتھ۔۔۔ اس سے پوچھو جا کر کد سے پار لے جانے ہے یا نہیں۔
 ”نہیں۔۔۔“ انوش نے گونیس سمیٹ کر ڈبے میں رکھتے ہوئے جواب دیا۔

”شامی بھائی پار لڑھکیں جا رہی ہیں۔“
 ”کیوں، صبح تو کہہ رہی تھی کہ میں شام کو جاؤں گی تو نوٹھی کو لے جاؤں گی۔“
 ”ہاں تو صبح اگر آپ مجھے ساتھ لے کر چلی جائیں تو وہ شام تک کے لیے کیا کسی پر جائیں، گاڑی چاہیے تھی انہیں۔“

”آف، کس قدر نکار ہیں تمہاری یہ بھابیاں۔“ وہ بوڑھا کر انہیں۔

”ابی جان کب آپ میں گئے اسلام آباد سے۔“
 انوش نے پیچھے کر کے پٹنے لگی۔

”آج میں گئے۔“ بھولی امی اسے جواب دے کر کمرے میں چلی گئیں تو وہ انوش کو ہنسنے ہوئے دیکھنے لگی۔ اس کا بیگ بتولاں نے اس کے پاس ہی کارپٹ پر رکھ دیا تھا۔

”یہ بیگ کہاں رکھنا ہے بی بی؟“ بتولاں نے پوچھا تو وہ چونکی۔

”میں دیکھ لوں گی تم چائے پیو۔“ مونڈ نے میں چائے رکھ کر لارہا تھا ساتھ میں کچھ کھٹ بھی تھے۔

”ذرا تھوڑا گوجاے بھجوا دی ہے۔“ اس نے نرے بتولاں کے سامنے رکھی۔

”یو اکیاں ہیں؟“
 ”روٹی بھائی کے ساتھ تھی ہیں کہیں۔“ انوش نے جواب دیا۔

”ابھی تک بٹے نہیں آئی تھیں۔ بتولاں چائے پی کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

”اب چلوں بی بی۔“
 ”ہاں، ٹھیک ہے جاؤ تم چائی اور انگل کو میری طرف سے آداب کہنا۔“ بتولاں کو رخصت کر کے اس نے انوش کی طرف دیکھا جو چپکے چپکے جانے پر کے کانا میں کیا کہہ رہی تھی۔

”انوش، ادھر آؤ مجھنا، میرے پاس آ کر بیٹھو۔“
 انوش نے بدر کی طرف دیکھا اور اٹھ کر اس کے پاس آئی جبکہ بدرا آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے اشارے کر رہا تھا اور وہ اس کے اشاروں سے استعجاب دیکھتے ہوئے ایلیا کی طرف دیکھ رہی تھی۔

”کیا وہاں سا بیواں میں انگل آفتاب کی حویلی ایسی ہے جیسی ڈراموں میں دکھاتے ہیں۔“

”نہیں تو۔“ وہ مسکرائی۔
 ”لیکن یہ جو کرائی ساتھ آئی تھی یہ تو بالکل ایسی تھی جیسی چہرہ یوں کی حویلیوں میں ہوتی ہیں۔“ ڈراموں میں۔

”ہاں یہ تو ہے لیکن انگل آفتاب اور چائی بالکل ایسے نہیں ہیں روایتی چاکر دار۔ وہ تو بہت محبت کرنے والے ہیں۔ اچھا تاؤ، کیا گڑیا مجھے میرے کمرے میں رہنے دے گی۔“

”ہاں“ وہ کلکھٹا کر بٹنی۔ ”آپ کا کمرہ تو کل ہی خالی کر دیا تھا گڑیا نے۔“

”سوڈ تو خراب ہوگا لیکن میں ڈیڑھ دو ماہ ہی رہوں گی پھر تو واپس چلی جاؤں گی۔“

”ہاں، ڈیڑھ نے بتایا تھا اور انہوں نے ہی کہا تھا شامی بھابی سے کہ وہ گڑیا کا سامان اس کے کمرے میں رکھ دیں۔“

”تو پھر میں اپنے کمرے میں جا سکتی ہوں۔“

”ہاں“ اس نے سر ہلایا تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔
 ”سونا، میرا بیگ میرے کمرے میں رکھ دو۔“

اسے اب یہاں رہنا تھا کچھ عرصہ تو بہادر بننا تھا انگل آفتاب نے کہا تھا۔

”بنا تمہارا بھی اس گھر پر اتنا ہی حق ہے جتنا دوسروں کا۔ تمہیں ڈر کر اور شرمندہ ہو کر رہنے کی ضرورت نہیں ہے وہ تمہارے باپ کا گھر ہے سر اٹھا کر رہنا ہے تمہیں۔“ وہ بے حد محسوس کر رہی تھی اور کچھ دیر لیٹا چاٹتی تھی۔

”بچلی کئی راتوں سے وہ ٹھیک طرح سے سو نہیں سکتی تھی۔ اس گھر سے یہاں آنے کا خیال ہی

”اور، آپ تو بالکل ویسی ہی ہیں جیسی آج سے چار سال پہلے تھیں۔“ وہ لان کے مشرقی کونے میں معنوی پہاڑی کے پاس کرسی رکھے پیچھی بے حیائی میں پہاڑی پر پڑے پتھروں کے درمیان مٹی پلانٹ کے جوں کو کچھ دیکھ رہی تھی کاس کے سامنے آ کر کسی نے حیرت بھری خوشی سے کہا تو اس نے چونک کر سر اٹھا یا۔ وہ جو کوئی بھی تھا کم از کم پہلی نظر میں وہ اسے پہچان نہیں پاتی تھی۔

”ہاں، آپ تو ہیں، اپنی ہی زندگی میں۔“
 ”جی، چار سال پہلے اس کی آرب مصطفیٰ سے آتی ہے تکلفی ہر گز نہیں تھی کہ وہ اس سے اس طرح کے ذاتی سوال کرتا۔

”آپ جانتی ہیں، اسی گھر میں سب سے زیادہ میں نے آپ کو یاد کیا۔ کیا کبھی آپ نے بھی مجھے یاد کیا؟“ وہ خاموش رہی۔

اس نے تو شاید ان چار سالوں میں ایک بار بھی آرب کو یاد نہیں کیا تھا۔ سب کے بارے میں سوچتے ہوئے اسے آرب کا خیال آیا بھی تھا تو بس یومی لمحہ بھر۔

”ہاں ادھر تھا پھر چائی بار بار روٹنے لگی تھی۔“

”ہائیکس میں زندہ بچوں کی یا نہیں۔“ دلیپا میرے اندر اپنے انگل کا اور آئی کا بہت خیال رکھنا۔ دونوں ہی بہت بے پروا ہیں۔“ چائی کی باتیں اسے کراتی بھی تھیں اور جنگاتی بھی تھیں۔ سنا کے پیچھے پیچھے بڑھیاں

ہنسنے ہوئے اس نے دل ہی دل میں چائی کی صحت و زندگی کی دعا کی۔ اوپر لاؤنج خالی تھا اور کمروں کے دروازے بند تھے۔ گڑیا اور اس کے کمرے سے موسیقی کی آواز آرہی تھی۔ روشی بھابی کے کمرے میں اندر میرا تھا جبکہ شامی بھابی کے کمرے سے روشنی باہر آرہی تھی۔ اس نے لمحہ بھر کو رک کر سب کے کمروں کے بند دروازے دیکھے اور پھر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ مالوس لیکن

اسی دروازے پر مونا نے بیگ ایک طرف رکھ دیا۔

”چائے دے جاؤں۔“

”نہیں۔“

”وہ۔۔۔“ مونا نے پیچھے سر کر دیکھا اور راز داری کے سے انداز میں سر گھٹائی کی۔

”وہ۔۔۔ بڑے صاحب اسلام آباد نہیں گئے یہاں ہی ہیں، بس نیگم صاحب نے متع کر دیا تھا انہیں جانے کو۔“

اس نے سیٹ سے اعزاز میں سر ہلادیا۔ انوش کی ہنسی سے وہ کلک گئی تھی اس لیے سونا کی بات برا سے کوئی خاص حیرت نہیں ہوئی تھی لیکن پھر بھی آنکھوں میں کلک رہا ہی جیسے تھی۔ اس نے نیلے پر سر رکھتے ہوئے آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیا۔ گرم گرم آنسو آنکھوں کے کونوں سے باہر نکل کر تکیہ بھگونے لگے۔

☆ ☆ ☆

”اور، آپ تو بالکل ویسی ہی ہیں جیسی آج سے چار سال پہلے تھیں۔“ وہ لان کے مشرقی کونے میں معنوی پہاڑی کے پاس کرسی رکھے پیچھی بے حیائی میں پہاڑی پر پڑے پتھروں کے درمیان مٹی پلانٹ کے جوں کو کچھ دیکھ رہی تھی کاس کے سامنے آ کر کسی نے حیرت بھری خوشی سے کہا تو اس نے چونک کر سر اٹھا یا۔ وہ جو کوئی بھی تھا کم از کم پہلی نظر میں وہ اسے پہچان نہیں پاتی تھی۔

”ہاں، آپ تو ہیں، اپنی ہی زندگی میں۔“
 ”جی، چار سال پہلے اس کی آرب مصطفیٰ سے آتی ہے تکلفی ہر گز نہیں تھی کہ وہ اس سے اس طرح کے ذاتی سوال کرتا۔

”آپ جانتی ہیں، اسی گھر میں سب سے زیادہ میں نے آپ کو یاد کیا۔ کیا کبھی آپ نے بھی مجھے یاد کیا؟“ وہ خاموش رہی۔

اس نے تو شاید ان چار سالوں میں ایک بار بھی آرب کو یاد نہیں کیا تھا۔ سب کے بارے میں سوچتے ہوئے اسے آرب کا خیال آیا بھی تھا تو بس یومی لمحہ بھر۔

☆ ☆ ☆

”اور، آپ تو ہیں، اپنی ہی زندگی میں۔“
 ”جی، چار سال پہلے اس کی آرب مصطفیٰ سے آتی ہے تکلفی ہر گز نہیں تھی کہ وہ اس سے اس طرح کے ذاتی سوال کرتا۔

”آپ جانتی ہیں، اسی گھر میں سب سے زیادہ میں نے آپ کو یاد کیا۔ کیا کبھی آپ نے بھی مجھے یاد کیا؟“ وہ خاموش رہی۔

اس نے تو شاید ان چار سالوں میں ایک بار بھی آرب کو یاد نہیں کیا تھا۔ سب کے بارے میں سوچتے ہوئے اسے آرب کا خیال آیا بھی تھا تو بس یومی لمحہ بھر۔

”میں آرب مصطفیٰ ہوں۔“ اس نے خود ہی تعارف کر دیا۔

”وہ بھولی امی کے بھائی۔۔۔“ اس نے آہستگی سے جیسے اپنے آپ سے کہا۔

”ہاں۔“ اس کے لیوں پر بڑی دلفریب مسکراہٹ تھی اور آنکھوں میں بے تحاشا چمک، اس نے نظریں جھکا لیں۔

”سنا تھا آپ آئی ہیں، میں آیا تو آپ جا چکی تھیں۔“

”جی، وہ اتنا ہی کہہ سکی۔“

”آج میں آیا تو مجھے گمان تک نہیں تھا کہ آپ سے ملاقات ہوگی۔ کیسی ہیں آپ، کب تک رہیں گی؟“

”اچھی ہوں اور ابھی کچھ عرصہ یہیں ہوں۔“

”وہ گڈ پھر تو آپ سے ملاقات رہے گی۔ میں ہفتے بھر کی چھٹی پر آیا ہوں رات ہی لیکن آپ نے ذکر نہیں کیا کہ آپ بھی ہیں۔“ وہ کیا کتنی خاموش رہی۔

آج اتوار تھا سب سو رہے تھے اس کی ہمیشہ سے سوچے اٹھنے کی عادت تھی۔ نماز پڑھ کر اس نے کوشش کی تھی کہ نیند آ جائے لیکن نیند نہیں آ رہی تھی اس لیے وہ نیچے لان میں آ گئی تھی۔

”آپ بھی عاتبا میری طرح سحر خیز ہیں۔“ وہ کرسی سمجھنے کا اس کے سامنے ہی بیٹھ گیا لیکن پھر فوراً ہی کسی خیال کے آتے ہی اٹھ کھڑا ہوا اور کھڑے کھڑے ایک اچھٹی سی نظر اس پر ڈالی۔

”آپ خوش تو ہیں، اپنی ہی زندگی میں۔“

”جی، چار سال پہلے اس کی آرب مصطفیٰ سے آتی ہے تکلفی ہر گز نہیں تھی کہ وہ اس سے اس طرح کے ذاتی سوال کرتا۔

”آپ جانتی ہیں، اسی گھر میں سب سے زیادہ میں نے آپ کو یاد کیا۔ کیا کبھی آپ نے بھی مجھے یاد کیا؟“ وہ خاموش رہی۔

اس نے تو شاید ان چار سالوں میں ایک بار بھی آرب کو یاد نہیں کیا تھا۔ سب کے بارے میں سوچتے ہوئے اسے آرب کا خیال آیا بھی تھا تو بس یومی لمحہ بھر۔

☆ ☆ ☆

”اور، آپ تو ہیں، اپنی ہی زندگی میں۔“
 ”جی، چار سال پہلے اس کی آرب مصطفیٰ سے آتی ہے تکلفی ہر گز نہیں تھی کہ وہ اس سے اس طرح کے ذاتی سوال کرتا۔

”آپ جانتی ہیں، اسی گھر میں سب سے زیادہ میں نے آپ کو یاد کیا۔ کیا کبھی آپ نے بھی مجھے یاد کیا؟“ وہ خاموش رہی۔

اس نے تو شاید ان چار سالوں میں ایک بار بھی آرب کو یاد نہیں کیا تھا۔ سب کے بارے میں سوچتے ہوئے اسے آرب کا خیال آیا بھی تھا تو بس یومی لمحہ بھر۔

کے لیے۔

"میں جانتا ہوں کہ آپ نے مجھے کبھی یاد نہیں کیا ہوگا۔" وہ بولے سے ہنسا۔ "شاید میں بھی آپ کو کبھی یاد نہ کرتا اگر۔۔۔" پھر اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

"آپ صبح کی ہوا سے لطف اٹھاتے ہیں چلا جا مگک کرنے کے لیے پارک میں۔" وہ ہاتھ پلاتا ہوا باہر چلا گیا اور وہ اس کے ہاتھلے جیلے کو مکمل کرنے کی کوشش کرتی رہی اور سوچتی رہی کہ آرب مصطفیٰ پیلے کے مقابلے میں خاصا مہذب اور ڈسینٹ ہو گیا ہے اور اس کی شخصیت میں بھی بلا کی کشش پیدا ہو گئی ہے۔ دہلا پٹلا ہائیں سا سہا آرب مصطفیٰ اب جسم بھر جانے کے بعد پیلے سے کتنا مختلف لگ رہا تھا اور کتنی اپنائیت سے بات کر رہا تھا کیا چھوٹی امی نے اسے منع نہیں کیا کہ مجھ سے بات نہ کرے۔ شاید خیال نہ رہا ہو لیکن اب یقیناً آج منع کر دیں گی۔ ایک سچی مسکراہٹ اس کے لبوں پر لکھ بھر کو نمودار ہو کر قابض ہو گئی۔

☆ ☆ ☆

ہندوہ دن گزر گئے تھے، جون شروع ہو گیا تھا اور لاہور کی گرمی۔۔۔ لمبی دو پہریں تھیں آرب نے کہا چپ چاپ گزارنا۔ کتنا ہی چاہتا تھا کہ اور نہیں تو انوشہ ہی اس کے پاس بیٹھا کرے اور وہ اس سے چھوٹی چھوٹی باتیں کرے۔ وہ اسے اچھی لگتی تھی اور اس کی جج بولنے کی عادت بہت پسند تھی اسے۔

"سوری، ایلیا، مرزا کو پسند نہیں کہ میں آپ کے پاس بیٹھوں۔" ایک بار اس نے انوشہ کو اپنے کمرے میں بلا یا تو اس نے صاف صاف کہہ دیا۔

"مجھے خود بخود مرزا کی ڈانٹ سننے کا شوق نہیں ہے اور یہ بددعا ایک نمبر کا چٹل خور ہے فوراً مرزا سے جا کر جڑ دے گا کہ انوشہ، ایلیا کے پاس بیٹھی تھی۔ مرزا بالکل سنڈر بلا کی سوچتی تھا مجھ ہی ہیں۔" اس نے بے لاگ تبصرہ کیا تھا۔ اس کے آخری جیلے پر اسے ہنسی آئی تھی۔ وہ انوشہ کو اپنے لیے استحقاق میں نہیں ڈالنا چاہتی تھی اس لیے اس نے اسے مخاطب کرنا چھوڑ دیا تھا۔

شاہلی بھابی اور روشی بھابی کا موزہ ہوتا تو کبھی دو چار

باتیں کر لیتیں ورنہ انہیں کمرہ تھیں۔ بڑے بھیا اور چھوٹے بھیا کھانے کی میز پر بیٹھے تو "ہیلو کیا حال ہے" کہہ کر فرض ادا کر دیتے تھے ان سے صرف رات کے کھانے پر ہی ملاقات ہوا کرتی تھی یا پھر اتوار کو ناشتے، دوپہر کے کھانے اور رات کے کھانے پر۔

ابنی نے ان پندرہ دنوں میں دو تین بار ہی اس سے براہ راست بات کی تھی۔ وہ بھی چاچی کا احوال پوچھا تھا۔

آفتاب ٹھک دو تین روز بعد باقاعدگی سے فون کرتے تھے۔ غیبا بھی اکثر فون کر لیتی تھی۔ لاہور آنے سے پہلے انہوں نے اسے سیل فون خرید کر دیا تھا اور کارڈ بھی لے دیے تھے۔ ایک دو بار اس نے بھی فون کر کے چاچی سے بات کی تھی۔ ابھی ان کا آپریشن نہیں ہوا تھا مختلف ٹیسٹ ہو رہے تھے۔ نینا نے اسے بتایا تھا کہ بالکل اور چاچی ان کے ہاں ہی ٹھہرے ہوئے ہیں۔ ایاز تقریباً روز ہی چکر لگاتا ہے لیکن اکیلے ہی، انکل نے اسے سختی سے منع کر دیا ہے کہ وہ کبھی کے ساتھ نہ آئے کیونکہ انہوں نے چاچی کو ابھی تک اس کی شادی کا نہیں بتایا۔ وہ بہت جھنجھلا رہا تھا کیوں کہ کتنی اپنے ساس سر سے ملنا چاہتی ہے۔ نینا نے اسے پوری تفصیل بتائی تھی۔

پتا نہیں چاچی کتنی کے متعلق جان کر کیا محسوس کر رہی گی۔ وہ بہت دیر تک بے مقصد وہاں ہی بیٹھی رہی حتیٰ کہ سورج کی کرنیں اس کی آنکھوں میں چھینے لگیں تو وہ اٹھ کر اندر آ گئی۔ اندر ابھی تک خاموشی تھی۔ منڈے کو مومنا ناشتے کے بجائے بارہ بجے ہلکا ہلکا کھانا ہی ہو جاتا تھا۔ مومنا نہاری اور پائے بازار سے لے آیا تھا اور اب باورچی خانے میں بیٹھا سب کے چائے کا انتظار کر رہا تھا اور پورا قریب ہی رات کے کھانے کے لیے سبزی کاٹ رہی تھیں۔ اس نے لیکن کے دروازے سے اندر بھانکا۔

"مومنا، میرے لیے ایک کپ چائے بنا دو۔"

"چائے ابھی دم کی گئی آرب صاحب کے لیے۔"

آپ کو بھی بنا دیتا ہوں۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

جون 2007ء

دو اتنی بے دھیان ہی بیٹھی تھی کہ اسے پتا ہی نہیں چلا تھا کہ کب وہ پارک سے چائنگ کر کے واپس آیا تھا۔ اس کی نظریں تو بھر کو گیسٹ روم کی طرف اٹھیں۔ وہ جب یہاں سے گئی تھی تب بھی وہ گیسٹ روم میں ہی رہتا تھا اور شاید اب بھی۔

"مومنا پلیز تم چائے مجھے اوپر میرے کمرے میں دے جانا۔"

"جی اچھا۔"

بات کر کے وہ دیر نہیں اور سیز صیاں چڑھنے لگی۔ شاہلی بھابی کے کمرے کا دروازہ نیم وا تھا اور اندر سے ان کی آواز آ رہی تھی۔

"گزیار بہت ڈسٹرب ہو رہی ہے آپ جانتے ہیں نا اس کی اساتے نہیں ہتی۔"

"تو میں کیا کر دوں؟" یہ بڑے بھیا کی آواز تھی۔

"آپ نہیں نا ایلیا سے کہہ دو کہ وہ اس کے کمرے میں۔ چند دن کی تو بات ہے پھر اس نے چلے ہی جانا ہے۔"

"تو چند دن گزریں وہ لے اس کے ساتھ۔" شاہلی بھابی کی ہر بات پر لیس کہنے والے بڑے بھیا کبھی کبھی بحث پر اتر آتے تھے۔ آخر اسے بھی تو یہاں ہمیشہ نہیں رہنا۔

"لیکن ابھی تو وہ یہاں ہی ہے نا؟" شاہلی بھابی کی جھنجھلائی ہوئی سی آواز سن کر وہ اندر ہی اندر شرمندہ سی ہو گئی۔

اگر بڑے بھیا نے مجھ سے کہا تو میں چلی جاؤں گی اس کے کمرے میں اس نے سوچا لیکن بڑے بھیا نے تو اس سے کچھ بھی نہ کہا، ہاں شاہلی بھابی نے ایک روز باتوں باتوں میں اسے سنا دیا۔

"گزیار بہت ڈسٹرب ہو رہی ہے، ٹھیک سے پرہیز نہیں ہو پاتی اس سے۔ دراصل وہ اپنے کمرے میں ہی پڑھنے کی عادی تھی نا اب تمہارے آنے سے اسے تمہارے لیے کمرہ خالی کرنا پڑا۔"

"اپنے کمرے میں۔۔۔ کیا وہ کمرہ گزرا تھا اور اس کا اس پر کوئی حق نہ تھا۔" اندر نہیں برسات ہوئے لگی

نئی لیکن وہ حیلے کے مسکرائی۔

"کوئی بات نہیں بھابی میں کمرہ خالی کر دیتی ہوں۔"

"تو پھر تم کہاں رہو گی؟ شاہلی بھابی کا انداز بظاہر تشویش لیے ہوئے تھا۔

"میں اس کے کمرے میں چلی جاؤں گی۔"

"نہیں نہیں رہنے دو ایلیا اب تم کہاں جاؤ گی۔ کون سا ساری عمر رہنا ہے تم نے یہاں۔ ویسے کب واپس آ رہے ہیں انکل آفتاب۔"

"پتا نہیں ابھی تو کچھ نہیں بتایا آنے کا۔" وہ جانتی تھی کہ سب کچھ جو کہا جا رہا ہے محض اوپر ہے۔

"تمہیں بھی ساتھ ہی لے جاتے نہ جانے کتنے دن لگ جائیں گے۔" شاہلی کی نگاہیں اسے کھوجتی ہوئی محسوس ہوئیں۔

"جی، وہ۔۔۔۔۔" اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کہے۔

"اودہ ہاں، انکل آفتاب نے ابی جان کو بتایا تو تھا کہ ایاز کا ارادہ پاکستان میں سیٹل ہونے کا ہے اس لیے وہ تمہیں ساتھ نہیں لے جا رہے۔"

"جی، اس نے مگر اساتے کیا۔"

"لیکن کیا یہ حافقت نہیں ہے، اچھا بھلا وہاں سیٹ ہے ایاز۔ یہاں کہاں دل لگے گا اس کا۔ میں کہتی ہوں چندا سمجھاؤ اسے پاکستان میں کچھ نہیں رکھا۔"

"جی، اس نے سر ہلا دیا۔"

"ہاں تو خیر میں گزرا کو سمجھاتی ہوں چند دن جیسے بھی ہے گزارہ کر لے۔" اٹھتے اٹھتے انہیں خیال آیا کہ گفتگو کسی اور رخ چلی گئی ہے۔ وہ تو خند کر رہی ہے ہاتھ چلی جائے گی۔

"نہیں، نہیں بھابی میں نے کہا ہے تا میں کمرہ خالی کر دیتی ہوں۔"

"اس کے ساتھ گزارا مشکل ہے بعد میں مگر نہ کرنا۔"

"کوئی بات نہیں۔" اس نے مسکرونے کی کوشش کی اور اسی روز اپنا بیگ اٹھا کر اس کے کمرے میں آ گئی۔

دروازہ کھلا، بڑے بھیا، آرب مصطفیٰ کے ساتھ کمرے سے باہر آئے تھے۔

”اوکے، جھٹک پو آئی بہت مزہ آیا تمہارے ساتھ کھیلنے میں۔“ یار تم میری توقع سے زیادہ اچھے کھلاڑی ہو۔“ گھٹنوں پر سر رکھے رکھے اس نے بڑے بھیا کو کہتے سنا۔ پھر قدموں کی چاپ اور دروازہ بند کرنے کی آواز پر اس نے سر اٹھایا بڑے بھیا کمرے میں جا چکے تھے اور آرب مصطفیٰ جیزیموں سے نیچے اتر رہا تھا۔ دل کے اندر پھر شاید کوئی امید ٹوٹی تھی۔ شاید وہ توقع کر رہی تھی کہ بڑے بھیا اس کے پاس رک کر ضرور اس سے کوئی بات کریں گے لیکن بڑے بھیا اپنے کمرے میں جا چکے تھے۔ اس نے نیچے پر سر رکھا اور بہت دیر سے رکے ہوئے آنسو نیک بھگو نے لگے۔

☆☆☆

گراؤنڈ طور کے ٹی دی لاونج میں سب لوگ جمع تھے اور سب ادھیانچا بول رہے تھے۔ فون اسٹینڈ کے پاس رکھی صوفہ جیز پر سر جھکائے بیٹھے بیٹھے ایلیا نے سب کی باتوں کو سننے کی کوشش کی۔

”توب، یہ ایلیا کی ہنسی کس قدر تھنی ہے ہو تک نہیں لگنے دی کہ ایاز نے دوسری شادی کر لی ہے۔“ یہ شابی بھابی کی آواز تھی جو قدرے بلند تھی۔

”تو دوسری شادی کوئی جرم تو نہیں ہے؟“ یہ چھوٹے بھیا تھے اس نے سر جھکائے جھکائے محسوس کیا جیسے ان کے ہونٹوں پر طعنے ہی مسکراہٹ ہو۔

”آخر، ہمارے اہلی جان نے بھی تو دو شادیاں کی ہیں۔“

”تو.....“ روشی بھابی کی جھکی آواز اس کے کانوں میں پڑی۔ ”کنیں آپ بھی تو اپنے اہلی کے نقش قدم پر چلنے کا نہیں سوچ رہے لیکن یاد رکھیے وہ آپ کی زندگی کا آخری دن ہوگا۔“

”تمہارے جیسی چنگیز اور ہلا کو کی جانشین بیوی کے ہوتے میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتا۔“

”اور ایلا بے چاری نے تو ایک لفظ تک نہیں کہا ہوگا بلکہ میرا خیال ہے وہ خود ایاز کے ساتھ گئی ہوں گی شادی

میں، ہے نا ایلیا۔“ انوش نے اس کی طرف دیکھا، اس کا سر اور جھک گیا۔

”تم یہاں بیٹھی کیا کر رہی ہو، بڑوں کی باتوں میں تمہارا کیا کام ہے۔“ چھوٹی انی انوش کو ڈانٹ رہی تھیں۔

”فارور کا سنڈ انٹاریشن مام میں پہلے سے ہی یہاں موجود تھی آپ لوگ بعد میں آئے تھے۔“

”تم بہت بونے لگے ہو۔“

”اور یہ اسٹنڈ کو بھی خوب ہی سوچھی تھی آفتاب ملک کو بیٹی کا رشتہ دینے کی۔ ذریاب میں کیا برائی تھی، عیش کرنی ایلیا ذریاب کے گھر۔ دوسری بیوی کی توقع زیادہ ہی ہوتی ہے۔“

”جی آپ کو تو تجربہ ہے اس کا۔“ یہ چھوٹے بھیا تھے گوانہوں نے آہستہ سے کہا تھا لیکن سب نے صاف سنا تھا جوا بھابی دی وہاں سے داک آؤٹ کر گئیں تو اس نے سکون کا سانس لیا۔ چلو ایک بندہ تو کم ہوا۔ اس نے ذریعے ذریعے ذرا سا سر اٹھایا۔ انوش منہ دبائے ہنس رہی تھی۔

”انکل ذریاب تو ایلیا کے دادا جان لگیں گے۔“ کسی نے اس کی طرف دھیان نہیں دیا تھا۔

”اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اب ایلا ہمیشہ یہاں رہے گی۔“ روشی بھابی نے اصل اور اہم مسئلہ اٹھایا۔

”لو، یہاں کیوں رہے گی؟“ شابی بھابی نے تیزی سے کہا تھا۔

”کوئی ایاز نے اسے طلاق تو نہیں دی، دوسری شادی ہی تو کی ہے۔“

”لیکن ہم اب ایلا کو وہاں نہیں بھیجیں گے۔“ بڑے بھیا کی رنگ حسیت چمک اٹھی۔ ”ہماری ایلا میں کیا کی تھی بھلا جو ایاز نے دوسری شادی کر لی۔“

”خیر، ایسا تو نہ کہیں، لی تو بہت بڑی ہے۔“ بڑی بھابی کو بڑے بھیا کی بات شاید پسند نہیں آئی تھی۔

”چار سالوں میں اولاد نہیں ہوئی ایلا کی اور یہ جاگیر دار تو اولاد کی خاطر چار چار شادیاں کر رہے ہیں۔

ہے چارے ایاز کا کیا قصور۔“ ایلیا کا جی چاہا کاش زمین چٹ جاتی اور وہ اس میں ڈھنسن جاتی یا کاش وہ یہاں اس وقت ان سب کے ساتھ موجود نہ ہوتی۔

بات اس طرح سے کھلی تھی کہ چھوٹے بھیا کے ایک دوست اپنے والد کو علاج کے سلسلے میں امریکا لے کر گئے ہوئے تھے۔ واپس آئے تو چھوٹے بھیا سرجن بری کے لیے گئے۔ باتوں باتوں میں آفتاب ملک کا ذکر ہوا تو چھوٹے بھیا نے ان سے ان کی سسر کا احوال پوچھ لیا۔ دوست نے شاید کافی کافنی بہتر ہے۔

”دراصل ایاز کی وائف کی وجہ سے انہیں ہسپتال میں بہت پروڈکٹ مل رہا ہے۔“

”ایاز کی وائف وہ تو.....“ چھوٹے بھیا کو حیرت والی۔

”ہاں یار، اس کی وائف کے والد اس ہسپتال کے مالک ہیں۔ یا ایڈمنسٹریٹروں میں سے ہیں مجھے ٹھیک سے معلوم نہیں لیکن اس کی وائف کی وجہ سے انہیں کافی دولت ہے وہاں۔“

”لیکن ایاز کی شادی تو میری سسٹر سے ہوئی ہے۔“ ”تمہاری سسٹر؟“ دوست کو حیرت ہوئی۔

”ہاں، چار سال پہلے ہوئی تھی اور چند ماہ پہلے ہی اس کی سسٹر وہاں سے آئی ہے۔“

”اور یہ شادی چند ماہ پہلے ہی ہوئی ہے۔ مجھے ایک دوست نے بتایا تھا جو ایاز کی شادی میں شریک ہوا تھا۔ سسٹی نام ہے اس کی بیوی کا شاید انجیتر ہے وہ بھی۔ انوں ایک ہی فرم میں کام کرتے ہیں۔“

اور بول وہ بات جسے ایلیا نے اب تک سب سے چھپا رکھا تھا سب کو معلوم ہو گئی تھی۔ وہ اس وقت ٹی وی ڈانچ میں انوش کے ساتھ بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی تھی جب چھوٹے بھیا سیدھے اس کے پاس آکر رہ گئے تھے۔

”ایلا، کیا ایاز نے دوسری شادی کر لی ہے؟“ ”جی اس کا دل دھک سے رہ گیا۔“

”آپ کو کس نے بتایا؟“ چھوٹے بھیا سے تفصیل مانگو تو بڑے بھیا نے اسے اور پھر سنوں میں جیسے ٹی وی اس پر بھرا دیا تھا۔ وہ وہاں بیٹھی بیٹھی رہ گئی تھی۔

سب ہی اپنی اپنی بولیاں بول رہے تھے۔

”میرے خیال میں ایلا کو ساہیوال میں رہنا چاہیے، اپنے سسرال میں۔ اپنا حق چھوڑنا نہیں چاہیے۔“ شابی بھابی نے دوپٹی آواز میں کہا۔

”تو اور کیا.....“ روشی بھابی نے تائید کی۔ ”اپنا حق چھوڑنا حافقت ہے نرمی۔“

”میرے خیال میں ابی جان کو انکل آفتاب سے بات کرنی چاہیے۔“ بڑے بھیا نے رائے دی۔

”ابی جان بھلا کس منہ سے انکل آفتاب سے بات کر سکتے ہیں۔“ چھوٹے بھیا ہونے سے نفی۔

روشی بھابی نے ایک ناگوار سی نظر ان پر ڈالی۔

”تو پھر ٹھیک ہے ہم ایلا کو نہیں بھیجیں گے ساہیوال۔“ بڑے بھیا کو جوش آیا۔

”آپ تو چپ رہیں، ہمیشہ غلط بات پر جوش آتا ہے آپ کو۔“ شابی بھابی نے انہیں گھر کا۔

”بھئی، جس کا مسئلہ ہے اس سے بھی تو پوچھیں۔ وہ کیا چاہتی ہے۔“

”یہ آواز.....“ ایلیا نے جھکا سر اٹھا کر اسے دیکھنے کی کوشش کی۔ وہ بڑے بھیا کے پاس بیٹھا اس کی طرف دیکھ رہا تھا اور یہ تیسری بار تھی کہ وہ آرب مصطفیٰ کو دیکھ رہی تھی۔

”ہاں، اب گڑیا تم کیا چاہتی ہو؟“ بڑے بھیا کے لہجے میں آج نہ جانے کہاں سے چاراند آیا تھا۔ اس کا حلق ٹپکنیں ہو گیا۔

”میں اس نے تھوک لگا۔“ میں ساہیوال ہی جاؤں گی انکل اور چاچی آجائیں تو۔“ اس نے پھنسی پھنسی آواز میں کہا اور نورنگا میں جھپکا لیس۔

”ہاں تو میں بھی تو یہی کہہ رہی تھی کہ ایلا کو اپنے گھر میں ہی رہنا چاہیے۔“ شابی بھابی کے لہجے میں خوشی کی ٹھٹھکی تھی۔

”آپ تو جا کر دو نفل شکرانے کے پڑھیے کہ آپ کی بہن کے لیے کرا جائی ہو جائے گا۔“ انوش کی آنکھوں میں بے پناہ جھک تھی۔

”انوش.....“ شابی بھابی نے دانت پیسے۔ ”بہت

منہ پھٹ ہو گئی ہو تم۔ ابی جان سے تمہاری شکایت لگانا ہی پڑے گی۔“ انوشہ صرف مسکرا دی۔ اس کا سر مزید جھک گیا تھا اور وہ پاؤں کے ناخنوں کو دیکھ رہی تھی جب انوشہ نے اس کے قریب آ کر کہا۔

”اب سر اٹھا لیجئے، لاؤنج خالی ہو چکا ہے۔ سب آپ کی طرف سے مطمئن ہو کر اپنے اپنے کمروں میں جا چکے ہیں۔“ اس نے سر اٹھایا بالکل سامنے بیٹھے آرب مصطفیٰ پر اس کی نظر پڑی تو اس نے شہنشاہ کی طرف دیکھا۔

”صرف آبی ماسوں ہیں اور انہیں آپ کے یہاں رہنے پانہ رہنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔“

”میری طرف سے تم یہ دعویٰ کیسے کر سکتی ہو انوشہ ڈیزر کہ مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔“ آرب مصطفیٰ اس کی طرف دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔

”وہ ایسے کہ آپ کو ایلا کے کمرے سے کوئی دلچسپی نہیں جبکہ باقیوں کو ہے۔“

”اور شاید تمہیں معلوم نہیں یہ باقی“ کب کا ایلا کا کمرہ اس سے لے چکے۔“

”کیا مطلب۔۔۔؟“ انوشہ نے آنکھیں پھاڑیں۔

”مطلب یہ کہ تمہاری ایلا آبی آج کل باہر لاؤنج میں سوتی ہیں۔“

”رنگی ایلا۔۔۔؟“ انوشہ نے حیرت سے پوچھا۔ ایلا کا سرائیک بار پھر جھک گیا۔

”میں ہوتی آپ کی جگہ تو کبھی کمرہ خالی نہ کرتی یہ آپ کے ابی جان کا گھر ہے گڑیا کے ابی جان کا نہیں۔“

انوشہ کی پیشانی پر ٹیکریں سی پڑی ہوئی تھیں اور اس نے اپنی چھوٹی سی ناک نفرت سے چڑھا رکھی تھی۔

”میرا خیال ہے آپ کو انوشہ کی صحبت کی ضرورت ہے۔“ آرب مصطفیٰ اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے قریب چلا آیا اب وہ انوشہ کے کندھے پر ہاتھ رکھے کھڑا بہت دھیان سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کی لائیں پلکیں لرز رہی تھیں اور وہ پلکیں جھپک جھپک کر آنسو پینے کی کوشش کر رہی تھی۔

”آرب۔۔۔۔۔“ چھوٹی ای اچانک ہی لاؤنج میں

آئی تھیں۔ ”اگر اظہارِ افسوس کر چکے ہو تو ذرا میرے بیڈروم کا ٹی وی دیکھ لو۔ صاف نہیں آ رہا۔“ آرب نے مڑ کر انہیں دیکھا اور بنا کچھ کہے ان کے بیڈروم کی طرف بڑھ گیا۔

”اور تم ایلا بی بی اب کیا سب کی ہمدردیاں بٹورنے کے لیے یہاں بیٹھی آنسو بہاتی رہو گی۔ اتنے مکمل ہوتے تو ایلا دوسری شادی ہی کیوں کرتا، خیر، اب بھی کچھ نہیں بگڑا۔ آفتاب ملک آ جائے واپس تو اسفند سے کہہ کر طلاق دلواتی ہوں۔ لوزریاب تو آج بھی میرے کہے پر فوراً تم سے شادی کے لیے تیار ہو جائے گا۔“ ایلا گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔

”نہیں چھوٹی امی وہ۔۔۔۔۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے میں وہاں خوش ہوں بہت سب بہت اچھے ہیں۔“ اس نے انک انک کر بات مکمل کی۔

”ہوں، جانتی ہوں سب کتنے اچھے ہیں۔“ وہ معنی خیزی سے نہیں تو وہ گھبرا کر سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی اور سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اس نے سنا کہ چھوٹی امی انوشہ سے پوچھ رہی تھیں۔

”یہ آرب کیا کہہ رہا تھا ایلا سے؟“

”کچھ خاص نہیں ماما بس کہہ رہے تھے کہ آپ اٹھ جائیں یہاں سے تو مجھے ایک فون کرنا ہے۔“

”وہ اچھا۔“ چھوٹی امی کی آواز کا اطمینان اس نے محسوس کیا اور انوشہ کے جھوٹ پر بے اختیار مسکرا ہٹ اس کے لبوں پر بکھر گئی۔ شبابی بھابی صحیح ہی کہتی ہیں۔

”یہ ننھی منی بچی انڈین سوپ اور ڈرامے دیکھ دیکھ کر پوری فتنہ بن چکی ہے۔“ لیکن جو کچھ بھی تھا اسے وہ اچھی لگتی تھی۔ منافقت سے دور سچ بات کہتے ذرا نہیں جھجکتی تھی لیکن موڈی تھی جی چاہتا تو ہفتوں ایلیا سے بات نہیں کرتی تھی اور اسے بالکل چھوٹی امی کی طرح ہی انگور کر دیتی تھی لیکن اس نے محسوس کیا تھا کہ وہ اس کے لیے اپنے دل میں کچھ نہ کچھ ہمدردی رکھتی ہے۔ اس گھر میں اور کون تھا جو اس کے لیے دل میں ہمدردی رکھتا ہو۔

”آرب مصطفیٰ۔۔۔۔۔“ وہ چونک کر وہیں سیڑھیوں کے آخری سرے پر رک سی گئی ”آرب مصطفیٰ لیکن وہ تو

چھوٹی امی کا بھائی ہے سب سے زیادہ نفرت کرتی ہیں وہ۔ پھر بھلا آرب مصطفیٰ کیوں مجھ سے ہمدردی رکھے گا۔ یہ دل بھی بس۔“ وہ ہولے ہولے چلتی ہوئی لاؤنج کے وسط میں کچھ دیر کی اور پھر سائینڈ والی صوفہ جیسے پر گرنے کے انداز میں بیٹھ گئی اور پشت سے سر ٹھیکتے ہوئے آنکھیں موند لیں۔

☆☆☆

”تو تم جا رہی ہو۔“ وہ ٹی وی لاؤنج میں بیگ پاؤں کے پاس رکھے بیٹھی تھی جب آرب مصطفیٰ نے بالکل اچانک اس کے سامنے آ کر پوچھا تھا۔

”ہاں“ اس نے نظریں اوپر نہیں اٹھائی تھیں۔

”انکل کل رات واپس آ گئے ہیں۔“

”ایلا زبھی آ رہا ہے کیا؟“

”نہیں“ وہ بدستور نیچے کارپٹ کے پھولوں کو دیکھ رہی تھی۔

”آپ کو یہ کارپٹ اور اس کا ڈیزائن بہت پسند ہے شاید؟“

”جی، کیا کہا آپ نے۔۔۔“ اس نے بے حد حیران ہو کر نظریں اٹھائیں۔ وہ ہولے ہولے مسکرا رہا تھا۔

”آپ کو میں نے ہمیشہ ان پھولوں کے ڈیزائن پر غور کرتے پایا ہے۔ میں نے سوچا شاید یہ بہت پسند ہے آپ کو یا پھر آپ اس پر غور کرتی رہتی ہیں کہ یہ ڈیزائن کیسے بنا ہے، کہیں مستقبل میں آپ کارپٹ فیکٹری کھولنے کا ارادہ تو نہیں رکھتیں۔“ اس نے آرب مصطفیٰ کی اس لمبی بات کے جواب میں کچھ نہیں کہا اور پھر نگاہیں نیچے کارپٹ پر مرکوز کر لیں۔

”سوری ایلا آپ کو میری بات بری تو نہیں لگی۔“

آئی ایم جسٹ جوکنگ۔“ اس نے نشی میں سر ہلا دیا۔

”اللہ نے آپ کو زبان بھی تو دے رکھی ہے نا کبھی کبھی اس کا بھی استعمال کر لیا کریں۔“ وہ چڑا۔ ”خیر“

اسے خاموش دیکھ کر کچھ دیر بعد اس نے پھر کہا۔ ”آپ نے واپس جانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ پتا نہیں صحیح یا غلط شاید صحیح ہو۔ انوشہ کا یہی خیال ہے کہ آپ وہاں یہاں کی نسبت زیادہ خوش رہیں گی کیونکہ وہاں سب آپ سے

محبت کرتے ہیں۔ شاید ایسا ہی ہو۔ لیکن ایلیا..... ایاز نے شادی کر لی ہے، وہ واپس نہیں آیا۔ اسے شاید وہاں ہی رہنا ہے ہمیشہ..... ایسے میں یہ اتنی طویل عمر محض اس کے نام پر گزار دینا عقلمندی نہیں ہے۔ آپ کو اپنے متعلق اپنی زندگی کے متعلق فیصلہ کرنے کا پورا حق ہے۔ زندگی صرف ایک شخص پر ختم نہیں ہو جاتی ہے، ہو سکتا ہے کہیں کوئی اور آپ کے لیے خوشیاں سجائے بیٹھا ہو۔“ ایلیا نے یوں ہی سر جھکائے جھکائے اس کی ساری بات کسی قدر بے توجہی سے سنی۔ اس کا دھیان انکل آفتاب کی طرف تھا۔ وہ ساہیوال واپس آچکے تھے اور آج اسے لینے آرہے تھے۔ رات ہی انہوں نے نوں کیا تھا کہ وہ صبح سویرے ساہیوال سے چل پڑیں گے لیکن شاید کچھ دیر ہوگئی تھی انہیں جبھی۔۔۔ تو ابھی تک نہیں پہنچے تھے۔ اس نے سامنے کلاک پر نظر ڈالی۔ گھر کے سب افراد کسی شادی کی تقریب میں شرکت کے لیے گئے تھے ان کی واپسی پانچ بجے سے پہلے ممکن نہ تھی۔ وہ ناشتے کے بعد ہی اپنا بیگ اٹھا کر نیچے لاؤنج میں آگئی تھی اور اب دو بجنے والے تھے۔ کچھ دیر پہلے ہی سب لوگ گھر سے نکلے تھے اور آرب مصطفیٰ کی آمد سب کے جانے کے بعد ہوئی تھی۔

”ایلیا اپنے ساتھ زیادتی کرنا جائز نہیں ہے۔ اپنے لیے ضرور سوچے گا اور اپنی زندگی کو ضائع مت کیجیے گا۔ یہ تو آفتاب ملک اور ان کی سسر کی خود غرضی ہے کہ وہ ساری زندگی آپ کو اپنی خدمت کے لیے اپنے پاس بٹھائے رکھیں اور وہاں ان کا بیٹا عیش کرتا رہے۔“

”نہیں، ایسا نہیں ہے۔“ اس نے تڑپ کر اس کی طرف دیکھا۔

”وہ مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں اور میں خود وہاں رہنا چاہتی ہوں۔“

”لیکن اس طرح زندگی ضائع کرنا حماقت ہے، ہاں اگر ایاز آپ کا بھی خیال رکھے تب۔“

”آپ کو اس سے کیا.....؟“ وہ چڑسی گئی۔

”آپ اتنی دلچسپی کیوں لے رہے ہیں۔“

”میں.....“ اس نے انگلی سے اپنی طرف اشارہ

کیا۔ ”میں کیوں اتنی دلچسپی لے رہا ہوں آپ نہیں سمجھ سکیں گی ایلا بی بی۔“

”آپ سمجھا دیں۔“ وہ اب بھی۔

”سمجھا دیں گے کبھی۔“ آرب کی آنکھوں میں

جیسے تارا سا چمکا اور اس نے ایک گہری نظر اپنی طرف

دیکھتی ایلیا پر ڈالی۔ ایلیا نے گھبرا کر نظریں جھکا لیں اور

بے مقصد ہی بیک کی زب کھولنے لگی۔

”اگر کبھی اپنی زندگی کے متعلق کوئی فیصلہ کرنے

لگیں تو یہ مت سوچے گا کہ آپ آگے اکیلی ہوں گی۔

آپ ایک بار فیصلہ کر لیں تو خود کو تنہا نہیں پائیں گی، کوئی

آپ کا منتظر ہے۔“ وہ اپنی بات مکمل کر کے وہاں رکا

نہیں بلکہ تیزی سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

ایلیا نے کچھ کہنے کے لیے ہونٹ کھولے اور پھر بند

کر لیے۔ ”یہ..... یہ آرب مصطفیٰ کیا کہہ گیا اور

کیوں..... کون میرا منتظر ہے؟“ وہ بے چینی سے کبھی

زب بند کرتی کبھی کھول دیتی۔

”کھانا لگا دوں بی بی، ملک صاحب تو ابھی تک

آئے نہیں؟“ مونٹا نے آکر پوچھا۔

”نہیں، مجھے بھوک نہیں۔ انکل آئیں گے تو پھر

کھالوں گی۔“

”مگر وہ آرب صاحب نے تو کھانا ہوگا۔“

”ان سے پوچھ لو۔“ وہ مونٹا کو جواب دے کر ایک

بار پھر ابھی گرہیں کھولنے کی کوشش کرنے لگی۔

☆☆☆

”تو تمہارے سپر زکل سے شروع ہو رہے ہیں۔“

بوائے انڈا اچھلتے ہوئے ملک آفتاب نے ایلیا سے پوچھا

جو سلاٹس پر بٹر لگا رہی تھی۔

”جی انکل“ ایلیا نے جواب دیا۔

”گڈ یعنی اب آپ ہو جائیں گی انٹر پاس۔ پھر

ایک دن گریجویٹ بن جائیں گی اور ایک دن ماسٹر

کر لیں گی۔“ وہ ہنسے۔

ابھی اک خواب باقی ہے

نگہت سیما

”یہ سب آپ کی وجہ سے ہو رہا ہے انکل ورنہ نہیں کہا۔“

”میں تو.....“
 ”نہیں بھئی ہماری وجہ سے کیوں تم نے خود بڑی محنت کی ہے۔ ایک سال میں دو سال کی تیاری۔“
 ”آپ دعا کیجئے گا اچھے نمبر آ جائیں۔“ اہلیا نے سلاکس والی پلیٹ ان کے سامنے رکھی۔
 ”دعا تو ہم ہر وقت ہی کرتے رہتے ہیں اور اللہ اللہ نمبر بھی اچھے آئیں گے کیوں یہی صلیب کچھ غلط تو

ٹاؤلٹ



ایک سال بعد شادی بھائی کی آواز سن کر وہ حیران رہ گئی۔

”شادی بھائی آپ شریعت تو ہے نا؟“

”ہاں، ہاں شریعت سے تم سناؤ ٹھیک ہوتا۔ بڑی

سہ سروت، بھائی دو پیسے کا فون تک نہیں کیا۔“

”میں نے فون نہیں کیا شادی بھائی۔؟“ اس کی

خوش ہوتی گئی۔

”میں تو اکثر کرتی رہتی ہوں لیکن آپ لوگ ہی

نہیں ملتے۔ ہاں، آپ نے آج ایک سال بعد فون کیا

ہے۔“ نہ چاہتے ہوئے بھی وہ کہہ بیٹھی۔

”اوہ، بس ایسا کیا کہیں بچوں کی وجہ سے کوئی نہ کوئی

جھسیلا لگا رہتا ہے۔ خیر تم کیا جانو فارغ ہو..... ویسے ایاز

کا کیا حال ہے فون کرتا ہے یا نہیں۔“

”جی فون آتا رہتا ہے۔“

”خود نہیں آیا؟“

”آئے ڈالے ہیں کچھ دنوں تک۔“ اپنا بھرم رکھنا

کتنا مشکل ہوتا ہے لیکن اب یہ سن آ گیا تھا۔

”اوہ ہاں، آنا ایاز کے ساتھ اور وہ تمہارے بڑے

بھیا تو دھڑکیں آئے۔“



”نہیں تو..... کیا وہ ساہیوال آئے ہوئے ہیں؟“
اسے حیرت کا ایک اور شدید جھٹکا لگا۔

”ہاں شاید..... کہہ رہے تھے کہ ساہیوال جاؤں گا کسی کام سے، ملتان گئے ہوئے تھے دو دن سے میں نے کہا شاید تم سے ملنے آئے ہوں۔“ انہوں نے فون فوراً ہی بند کر دیا تھا تو گویا صرف تحقیقات مقصود تھیں اور اس کا خوش فہم دل۔۔۔

”بڑے بھیا یقیناً ساہیوال آئے ہوئے ہوں گے لیکن ملنے تک نہیں آئے..... کیا خون اس طرح بھی سفید ہوتا ہے۔“ بتولاں دوسری بار بلانے آئی تو فون ٹیبل پر رکھ کر وہ جلدی سے باہر نکل آئی۔ آج سڑے تھا ناشتا ذرا دیر سے کیا جا رہا تھا۔ بمشکل اپنے آنسو روک کر وہ ڈائننگ ہال میں آئی تھی جہاں چاچی اور انکل آفتاب ملک اس کا انتظار کر رہے تھے۔ پورا ایک سال ہو گیا تھا اسے یہاں آئے کسی نے مڑ کر اس کی خبر نہیں لی تھی۔ آج شابی بھابی کا فون بھی آیا تو صرف یہ پوچھنے کے لیے کہ بڑے بھیا اس کی طرف تو نہیں آئے تھے۔ یہاں آفتاب ملک اور چاچی اس کا کتنا خیال رکھتے تھے کتنی محبت کرتے تھے اس سے۔ ایک پرائیویٹ اکیڈمی میں وہ ایف اے کی تیاری کر رہی تھی۔

”ایف اے کر لو تو پھر اپنی پسند کے کالج میں ایڈمیشن لے لینا۔“ آفتاب ملک نے اس سے کہا تھا۔

کالج کے بجائے اکیڈمی میں جانے سے یہ فائدہ تھا کہ وہ ایک سال میں ایف اے کی تیاری کر لیتی۔ میٹرک کے لیے چار سال ہو گئے تھے۔ چاچی اس کا بے حد خیال رکھتی تھیں۔ کبھی رات کو بادام بھگو دیتیں کبھی مغزیات ملا کر دالیں تیار کروا تیں۔

”اُتنا دماغ خرچ کرتی ہو اس سے ذہن تر و تازہ ہو گا۔“ یہ دونوں اس کے کوئی نہیں تھے لیکن اس کے لیے انہوں سے بڑھ کر تھے۔

”کیا سوچنے لگی ہو بیٹا؟“ آفتاب ملک نے شفقت سے پوچھا۔
”کچھ نہیں انکل۔“ اس نے آنکھوں کا نم اندر ہی اندر پٹتے ہوئے جواب دیا۔

”سوچ رہی ہوں کہ میں کتنی خوش قسمت ہوں کہ مجھے آپ دونوں جیسے محبت کرنے والے شفیق لوگ ملے۔“

”بد قسمت تو وہ ناہنجاز ہے۔“ آفتاب ملک بڑبڑائے۔ وہ جب تک امریکا میں رہے نینا عادل کے گھر ہی رہے تھے اور انہوں نے ایاز سے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ کیتھی سے تم نے اپنی پسند کی شادی کی ہے لیکن ایلیا سے بھی رشتہ تم نے قبول کیا تھا تمہاری جگہ کسی اور نے ہاں نہیں کی تھی۔ اس لیے تم ایلیا کو بھی کیتھی کے برابر حقوق دو تب ہم کیتھی کو بھی قبول کر لیں گے۔ محض تمہاری خاطر۔ اگر تمہیں ایلیا کو اس کا حق نہیں دینا تو پھر ہمیں بھی کیتھی سے کوئی مطلب نہیں۔“

”لیکن بابا جان وہ کیتھی..... وہ اس پر راضی نہیں ہوتی، وہ بہت پوزیو ہے۔“ ایاز ان کے سامنے بے بس ہو جاتا تھا۔

”تو پھر ٹھیک ہے تم بھی ہمیں مجبور نہ کرو کہ ہم کیتھی سے ملیں، نہ اسے یہاں لاؤ۔“ نینا سے ساری بات سن کر وہ شرمندہ سی ہو گئی تھی۔

”انکل آپ نے خواہ مخواہ ایاز کو ناراض کیا، مل لیتے آپ کیتھی سے۔“ وہ واپس آئے تو اس نے کہا۔

”نہیں ہونا ناراض شاراخص تم اس کی فکر نہ کرو۔“ انہوں نے اس کا سر تھپتھپایا۔

”جب میں نے تمہاری بات کی تھی اس سے تو کیا اس کے منہ میں زبان نہ بھی میسنا تھا وہ۔ میری بیٹی کے لیے کوئی رشتوں کی کمی نہ تھی۔ چوہدری علی اکبر میرا ریا ہے۔“ ڈاکٹر تھا اس کا بیٹا، ہاں نہیں تو۔“ اس کا سر جھک گیا تھا۔

”اب بھی اگر وہ..... خیر یہ بعد کی باتیں ہیں۔“ وہ مسکرا دیے تھے۔

”تیری چاچی اپنے قدموں پر چل رہی ہے۔ اس وقت تو اسی کی خوشی مناتے ہیں۔ کل دلیلیں پکوا کر یتیم خانے بھجوائی ہیں۔“ انہوں نے موضوع بدل دیا تھا۔
”ارے ہاں ایک خوشخبری ہے۔“ آفتاب ملک نے چائے کی پیالی میں چچا ہلاتے ہوئے کہا۔

”کیا.....؟“ چاچی نے پوچھا۔
”بھئی آپ کی نینا آرہی ہے اگلے مہینے ہماری حویلی میں بھی رونقیں لگ جائیں گی۔“
”نینا آرہی ہے۔“ وہ جیسے سب کچھ بھول کر خوش ہو گئی۔

”ہاں۔“
”شکر ہے رب کا اس بھی جی چاہا اپنے وطن آنے کو۔“ چاچی نے شکر ادا کیا۔
”جی کب نہیں چاہا اس کا آنے کو۔ بڑی بہادر ہے۔ ہماری بیٹی بڑی جدوجہد کر رہی ہے۔“ ملک آفتاب کے لہجے میں افسردگی درآئی۔
”میں نے بھی کہا ہے اسے کہ اب ارادہ کیا ہے تو بدل نہ دینا۔ یہاں رہ لو کچھ دن سکون سے۔“

”ہاں، ہاں میں تو اب جلدی نہیں جانے دوں گی۔ بہت سکھ دیا تھا اس نے ہمیں۔“ وہ بہت بابر کی بتائی ہوئی باتیں پھر ایلیا کو بتانے لگیں۔ ایلیا چائے پیتے ہوئے دھیان سے انہیں سن رہی تھی جب گھونٹ گھونٹ چائے پیتے ہوئے اچانک ہی ملک آفتاب کو یاد آیا۔

”ارے ہاں بیٹا کل تمہارا بڑا بھائی ملا تھا منڈی میں۔ بہت کہا گھر چلو لیکن جلدی میں تھا۔ کہہ رہا تھا آنا جانا لگ رہتا ہے اب تو کسی روز آؤں گا۔ کئی بار پہلے بھی آیا ہے لیکن میری آج ہی ملاقات ہوئی ہے کسی سے بزنس ڈیلنگ ہوئی ہے اس کی یہاں۔“

”جی۔“ آنسو ایک بار پھر حلق میں اکٹھے ہونے لگے۔ ”یعنی بڑے بھیا پہلے بھی آتے رہے ہیں یہاں، کیا تھا گھڑی دو گھڑی کے لیے مجھ سے ملنے چلے آتے۔“ جلدی سے چائے ختم کر کے وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔
”میں جا کر پڑھ لوں۔“

”ہاں، ہاں جاؤ، میں نے تو کہا بھی تھا بتولاں آج ناشتا تمہارے کمرے میں ہی دے آئے گی لیکن یہ تمہارے انکل کہتے تھے کہ تمہارے بغیر ناشتا نہیں کریں گے۔“ اس نے ایک ممنون سی نظر دونوں پر ڈالی اور تیزی سے باہر نکل آئی۔

"ایلا کچھ پریشان لگ رہی ہے کہیں ایلا کا کوئی فون وغیرہ نہیں آیا اس کی طرف۔" باہر نکلتے نکلتے اس نے سنا چابی کھردرائی گئی۔

"نہیں، ایلا کی جرات ہے اسے کچھ کہے۔ ہاں مجھ سے کہتا رہتا ہے کہ جب کہوں وہ بھیہج دے گا۔" "ہائے نہیں ا" چابی نے یکدم کہا ایلا کا دل بھی دھک سے رو گیا وہ دروازے کے باہر کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔ اس گھر کے سوا اس کا کہیں اور ٹھکانا تھا۔

"نیک بخت کہتا تو وہ بھیہجے نا جب اس نے کوئی تعلق نہیں رکھتا تو ہم ایلا کی زندگی کیوں جاہ کریں۔ ساری عمر ہمیں نہیں رہتا۔ ہمارے بعد ایلا کا کیا ہوگا۔ سوچنا ہوں ایلا اسحاق دے لے تو اس سے بات کروں۔ ایک رشتہ ہے میری نظر میں اچھا لگا ہے۔ ایلا مان گئی تو پھر آج سے کہوں گا کہ گوان کی آواز گود خرم بھی لیکن ایلا گوسٹائی دے رہی تھی۔

"آہ۔" چابی نے ایک گہری سانس لی۔ "کتنی پیاری بچی ہے اور کتنی عزیز ہو گئی ہے مجھے، مگر یہ ہمیں چھوڑ کر چلی جائے گی اس تصور سے ہی میرا تو دل ڈوبنے لگتا ہے۔"

"لیکن اپنی خوشی کی خاطر ہم اس کی زندگی کو تو جاہ نہیں کر سکتے نا۔" ملک آفتاب نے ڈگڑف لہجے میں کہا۔ "اور دیکھو نا، چابی کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔ شاید ان کی آنکھوں میں آنسو تھے۔" اس کے گھروالوں کو مرکز بھی حال تک نہ پوچھا۔ بھائی اس شہر میں آتا ہے اور لیکن سے ملنے نہیں آتا عجیب بے حس لوگ ہیں۔ بے چاری بچی کا زور سامنے نکل آیا بھائی کے آنے کا سن کر۔" "ہاں بیگم صاحبہ اپنا سا باپ بدلی جائے تو پھر باقی رشتوں سے کیا گوارا۔"

اس نے بھی بچوں کو پوچھا اور بولے ہوئے چلتی ہوئی اپنے کمرے میں آ گئی آج پھر بہت دنوں بعد وہ بہت سارا روٹی اور اس نے اپنی گزری زندگی کے ایک ایک لمحے کو یاد کیا وہ سولہ سال جو اس نے ماڈل پاؤں والے گھر میں گزارے تھے اور پھر وہ چار سال جو ایلا کے ساتھ۔ کہیں کوئی خوشی کی رات نہ تھی کوئی بہت دل

خوش کن بات جو اس کے فکریں دل کو خوش کر دیتی اور پھر اس نے اس گزریے ایک سال کی سوچا۔

انگل آفتاب اور چابی کی کھینچیں۔ نیت عادل کے پیار بھرے چہرے سمجھو اور فون انڈی کی فریڈ نے۔ بس یہ ایک سال تھا صرف ایلا اس کی ایکس سالہ زندگی میں جس میں کہیں کہیں خوشیوں کی گل رنگ کلیاں چٹکی ہوئی تھیں۔ "انگل آفتاب۔۔۔ کیا سوچ رہے ہیں مجھے کہیں نہیں جاتا۔ بس میں یہاں ہی رہوں گی۔ منت کروں گی پاؤں پکڑ لوں گی۔" وہ سوچتی رہی پڑھنے کا موزن نہ سکا تب تھک کر آنکھیں موندتے ہوئے اس نے غصے پر سر رکھ دیا اور پھر پوچھی تھی پر میرے رکھے رکھے وہ گہری نیند سو گئی۔ نہ جانے کتنی دیر وہ سوئی رہی کسی نے چنگا نہیں پھر آہٹ پر اس کی آنکھ کھلی تو اس کی نظر سامنے کلاک پر بڑی چار بج رہے تھے۔

چار بج گئے۔ "وہ نورانی اٹھ کر بیٹھ گئی۔ سناو وقت خانگ ہو گیا۔ وہ یکدم ہی بستر سے اٹھ کر دروازے تک آئی۔ بتولاں اس کے کمرے کے باہر ہی تھی۔ "اوہ جی آپ جاگ گئے ہو؟" بتولاں نے اسے دیکھ کر پوچھا۔

"آئی دیر ہو گئی تم مجھے جگا دیتیں۔ چابی اور انگل نے کھانا کھا لیا۔" "جی کھالیا، انہوں نے ہی مجھے منع کیا تھا کہ نہ چکاؤں رات کو بھی دیر تک پڑھتی ہیں پتا نہیں کب آگے لگی ہو۔"

"اوہ، خیر اب کہاں ہیں انگل اور چابی؟" "وہ جی دونوں تو چلے گئے ہیں ادھر بڑوس میں کسی کے گھر پر سادے جانا تھا بیگم صاحبہ نے کہا تھا کہ آپ جائیں تو کھانا لگا دوں آپ کے لیے۔"

"نہیں، مجھے بھوک نہیں ہے۔ تم چائے بنا دو میرے لیے۔"

"جی اچھا، اوہ میری بھی مت ماری گئی ہے۔" اس نے ماتھے پر ہاتھ مارا۔

"نہیں آپ کو بتانے آئی تھی کہ آپ کے مہمان آئے ہیں جی لاہور سے۔ آپ سو رہی تھیں تو میں، ابھی

ہار ہی تھی انہیں بتانے۔ آپ سے باتوں میں لگ کر اٹھ سے ہی نکل گیا۔ ویسے میں نے انہیں بٹھا دیا ہے ادھر راتنگ روم میں۔"

"بڑے بھیا" اس کا دل یکبارگی زور سے بھڑکا۔ اور میں پوچھی بدگمان ہو رہی تھی۔ "..... دونوں انہوں سے ماتھے پر پھرے بالوں کو پیچھے کرتے ہوئے وہ فیزی سے ڈرائنگ روم کی طرف بڑھی وہ دروازے کی طرف پیچھے کیے دیواروں پر لگے بارہ سٹکے کے سنگوں گود کچھ رہے تھے۔

"بھیا۔۔۔" اس کی آواز میں لرزش تھی جیسی۔ وہ بڑے اور وہیں ٹھک کر رک گئی۔

آر ب مصلیٰ آنکھوں میں اشتیاق کا جہان بچائے اسے دیکھ رہا تھا۔

"آپ۔۔۔؟" مایوسی سے اس کے چہرے کی رنگت بچھکی پڑ گئی۔

"ہاں میں، شاید آپ کو بہت مایوسی ہوئی مجھے دیکھ کر۔"

"وہ میں بھی بڑے بھیا ہیں۔" مایوسی اس کے لہجے سے بھی جھلک رہی تھی۔

"بھئیے انگل اور چابی تو گھر پر نہیں ہیں۔"

"آپ تو ہیں اور میں آپ ہی سے ملنے آیا تھا۔

یہاں ایک دوست ہیں میرے انہی کی طرف آئے تھے ہم کچھ دوست سوچا آپ کی بھی خبر پڑ لیتا جاؤں۔" وہ پیچھے ہٹ کر صوفے پر بیٹھ گیا۔

"شکریہ۔" وہ کارفرما لے صوفے پر لگ سی گئی۔

"سب اچھے تھے وہاں لاہور میں۔۔۔ پتا۔"

"ہاں۔" اس نے ایک گہری نظر اٹھایا پڑاوی۔

"آپ کیسی ہیں؟"

"اچھی ہوں۔" ایلا کی نظریں کارپٹ کے پھولوں پر تھیں۔

"آپ تو یہاں کی ہی ہو ہیں پھر بھی چکر ہی نہیں لگایا۔"

"آدمی کی عزت اپنے گھر میں ہی ہوتی ہے اور جو کہتی ہیں بیٹیاں اپنے گھروں میں ہی جاتی ہیں۔"

"اپنا گھر۔۔۔۔۔!" وہ بولے سے ہنسا۔ "آپ کو یقین ہے کہ یہ آپ کا اپنا گھر ہے۔"

"ہاں، شاہادی کے بعد شوہر کا گھر ہی بیوی کا گھر ہوتا ہے۔" اس کی آواز آہستہ گئی اور اس میں ہلکی سی لرزش تھی۔

"اچھا آپ تو بڑی عقلمند ہیں بھی، ایلا نے چکر لگایا کبھی۔"

"نہیں۔" اس نے ہنصرا کہا۔

"آپ کب جا رہی ہیں واپس۔" وہ سنجیدگی سے اسے دیکھ رہا تھا وہ یکدم چل گئی۔

"آپ کو میری ذاتیات سے کیا دلچسپی ہے؟"

"سودی۔۔۔۔۔!" اس نے نورانی معذرت کر لی۔

"انیکولی میں نہیں چاہتا کہ آپ ایک ناقدر شاس شخص کے لیے اپنی زندگی ضائع کریں۔ آپ کو یاد ہوگا جب آپ یہاں آ رہی تھیں تو میں نے کچھ کہا تھا آپ سے۔"

"میں فضول باتیں یا نہیں رہتی۔"

اس ایک سال میں اس کے اندر کچھ کانفیڈنس پیدا ہوا تھا اور بڑے بھیا کے بجائے اسے دیکھ کر جو مایوسی اسے ہوئی تھی وہ اندر ہی اندر غصے میں ڈھل رہی تھی۔ درندہ اس طرح کی گفتگو کرنے کی عادی نہ تھی۔

"وہ فضول بات نہیں ہے ایلا بی بی، زندگی کہیں آپ کے لیے ایسے دامن میں خوشیاں سمیٹے بیٹھی ہے۔ اسے ضائع مت کیجیے اگر آفتاب ملک اور ان کی سسر یہاں محض اپنی دوسراہٹ کے لیے آپ کو رکھے ہوئے ہیں تو یہ سراسر خود غرضی ہے۔"

"وہ خود غرض نہیں ہیں۔" صبح کی ساری گفتگو اس کے ذہن میں گردش کرنے لگی۔

"میرے سارے بچوں سے زیادہ اپنے ہیں وہ۔"

"کوئی اور بھی آپ کا ہمدرد ہو سکتا ہے اتنا ہی اپنا بھی خور ہی نہیں کیا آپ نے؟" ایک مٹنی فیزی مسکراہٹ نے آر ب مصلیٰ کے لبوں کو چھوا۔

"کون۔۔۔۔۔ آپ؟" بے اختیار ہی ایلا نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا اور پھر غصے دی۔

”آپ کو بھلا مجھ سے کیوں ہمدردی ہوگی آپ تو...؟“

”میں آپ کی سوتیلی والدہ کا بھائی ہوں، کیا صرف اس تصور کی بنا پر آپ مجھے اپنا ہمدرد نہیں سمجھتیں؟“ انداز سوالیہ تھا۔

”مجھے کسی کی ہمدردی کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اپنے گھر میں بہت خوش اور مطمئن ہوں اور مجھے اپنی ذات میں آپ کی دلچسپی کی وجہ بالکل سمجھ نہیں آئی۔“

”کبھی سمجھا دیں گے آپ کو بھی اس دلچسپی کی وجہ۔“ وہ یکدم کھڑا ہو گیا۔

”بھی آپ کو میری ضرورت پڑی تو یاد کر لیجی گا۔“ اس نے جیب سے وزیٹنگ کارڈ نکال کر اس کی طرف بڑھایا اور پھر اس کے قریب ہی کارڈز ٹیبل پر رکھ دیا۔

”جاتے جاتے ایک بار پھر کہوں گا کہ اپنے متعلق کبھی سنجیدگی سے سوچیے گا۔ یوں عمر آسانی سے ایاز کے والدین کی خدمت کرتے کرتے نہیں کٹے گی۔“ وہ اسے حیران چھوڑ کر تیزی سے باہر نکلا اور ٹرائی دھکیلتی بتولاں نے حیرت سے اسے جاتے دیکھا۔

”یہ چلے بھی گئے، میں تو چائے شائے لائی تھی۔“ ایلیا نے سر اٹھا کر بتولاں کو دیکھا اور پھر غیر ارادی طور پر ٹیبل سے کارڈ اٹھا لیا۔ ”چلو جی فرسی ہی پی لو چائے وائے یہ ننگٹس اور ٹمپورا تو دیکھیں کیسا گولڈن فرائی کیا ہے میں ہے۔“

”اچھا۔“ وہ خالی خالی نظروں سے بتولاں کو دیکھ رہی تھی وہ نیچے کارپٹ پر بیٹھ گئی۔

”آج تو بیگم صاحبہ بغیر اسٹک کے چل کے گئی ہیں، ملک صاحب تو بڑے خوش تھے جی۔“

”اچھا۔“ اسے بھی خوشی ہوئی۔ کچھ عرصے سے وہ اسٹک کے سہارے چل رہی تھیں۔ واکر کے ساتھ چلنا تو بہت پہلے چھوڑ دیا تھا انہوں نے۔

”چائے بناؤں جی؟“ اسے خاموش دیکھ کر۔

”ہاں۔“ اس نے سر جھٹک کر آرب مصطفیٰ کی

باتوں کو ذہن سے نکالنا چاہا لیکن وہ تو جیسے ذہن سے چپک گئی تھیں۔ اس کی باتوں کو بھلانے کے لیے وہ یونہی بتولاں سے ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگی حالانکہ کل اس کا پیپر تھا اور ابھی اسے بہت سارا پڑھنا تھا لیکن چائے پیتے ہوئے وہ یونہی بتولاں سے لایعنی باتیں کر رہی تھی۔

☆☆☆

وہ بے حد تھکی تھکی سی لاؤنج میں داخل ہوئی تھی کہ بڑے بھیا کی آواز سن کر ٹھٹک گئی۔ ”یہ تو بڑے بھیا کی آواز ہے۔“

آج کالج میں فنکشن تھا اسے کچھ دیر ہو گئی تھی۔ ایف اے میں اس کی توقع سے زیادہ نمبر آئے تھے۔ سب ہی خوش تھے۔ انکل آفتاب، چاچی، نینا عادل، بتولاں سب ہی۔ خوش تو وہ بھی بہت تھی لیکن چار سال زندگی کے ضائع ہو گئے تھے۔ آفتاب ملک نے اس سے کہا تھا اگر وہ لاہور میں ایڈمیشن لینا چاہے تو وہ اسے لاہور کے کسی بھی کالج میں ایڈمیشن دلوا دیتے ہیں۔ ویک اینڈ پر وہ اسے حویلی لے آیا کریں گے۔ ”لاہور میں۔“ اس کی آنکھوں کے سامنے سب کے روتے آگئے تھے۔

”نہیں، یہاں ہی ٹھیک ہے۔“

”ہاسٹل میں رہ لینا۔“ آفتاب ملک جیسے سب جانتے تھے لیکن لاہور میں اپنے باپ کا گھر ہوتے ہوئے ہاسٹل میں رہنا وہ اپنا بھرم کھونا نہیں چاہتی تھی۔

”نہیں، میں یہاں کے کالج میں ایڈمیشن لوں گی۔“ اور یوں اس نے تھرڈ ایئر میں ایڈمیشن لے لیا تھا اب تو چھ ماہ ہو گئے تھے اور چھ ماہ پہلے جب نینا عادل بچوں کے ساتھ چھٹیاں گزارنے آئی تھی ہر وقت اسے سمجھاتی رہتی تھی۔

”چاچی اور چاچا جی سے تمہاری محبت اپنی جگہ ہے آخر بیٹیاں بھی تو بیاہ کر سسرال جاتی ہیں اس گھر سے تمہارا رشتہ ٹوٹ تو نہیں جائے گا۔“

”ٹوٹ جائے گا نینا، کون مجھے یہاں آنے دے گا۔“ وہ نینا کی کوئی بات سننے کے لیے تیار نہ تھی۔

”کیا گڑیا چلی گئی یا اس کی شادی ہو گئی۔“ بے اختیار ہی اس کے لبوں سے نکلا تھا۔

”ہاں، نہیں وہ ادھر ہی ہے۔“ بڑے بھیا نے پھر سر کھجایا اور ہولے سے کھنکھارے۔ ”اصل میں بات یہ ہے گڑیا کہ ہمیں پتا چلا ہے کہ ایاز نے دوسری شادی کر لی ہے اور.....“

”لیکن یہ بات تو آپ کو تبھی پتا تھی جب میں یہاں آئی تھی۔“ اس نے انہیں بات مکمل نہیں کرنے دی۔

”ہاں، ہاں وہ اصل میں ہمیں پتا چلا ہے کہ ایاز تمہیں بسانا نہیں چاہتا۔ وہ دوسری بیوی کے ساتھ ہی رہنا چاہتا ہے اور تمہیں یہاں اپنے والدین کی خدمت کے لیے رکھ چھوڑا ہے اس نے تو.....“

”جھوٹ ہے یہ، میں خود یہاں اپنی مرضی سے رہ رہی ہوں اور انکل یا چاچی کو اپنی خدمت کے لیے میری ضرورت نہیں ہے۔ بہت ملازم ہیں یہاں۔ شاید آپ کے علم میں نہ ہو میں یہاں رہ کر اپنی ادھوری تعلیم مکمل کر رہی ہوں۔“

”اوہ، ہاں ابھی بتایا ہے انکل نے۔ یہ تم نے اچھا کیا۔ دراصل ابی جان چاہتے ہیں کہ اگر ایاز تمہیں اپنے ساتھ نہیں رکھنا چاہتا تو تمہیں طلاق دے دے میں یہی کہنے آیا تھا۔“

”کیا.....؟“ وہ ششدر سی ہو کر انہیں دیکھنے لگی۔ ڈیڑھ سال پہلے کا منظر اس کی آنکھوں کے سامنے آ گیا جب سب ہی اپنی اپنی بولیاں بول رہے تھے اور خاموش بیٹھے آرب مصطفیٰ نے یکدم کہا تھا۔

”جس کی زندگی کا فیصلہ آپ کر رہے ہیں اس کی بھی تو رائے لیں وہ کیا چاہتی ہے۔“ اور آرب مصطفیٰ چھوٹی امی کا بھائی ہونے کے باوجود پتا نہیں کیوں اس کے لیے دل میں ایک نرم گوشہ رکھتا تھا۔ جس روز اس کا ایف اے کا رزلٹ آیا تھا وہ یونہی ماڈل ٹاؤن فون کر بیٹھی۔ انوشہ نے اٹھایا تھا۔

”ہیلو، ایلا کیسی ہو؟“

”بھابی ایلا کا فون ہے۔“ وہ ریسپور ہاتھ میں

”تم نے مجھ پر اتنے احسان کیے ہیں بس ایک اور احسان کر دینا۔ ایاز کو کہنا وہ کبھی بھی مجھے طلاق نہ دے۔ چاچی اور انکل کو بھی سمجھانا۔“

”پانگل ہو تم!“ نینا نے بے بسی سے کہا۔

”گریجویشن کر لو پھر میں تم سے بات کروں گی۔“

چادر اتار کر صوفے پر رکھتے ہوئے اس نے

”شاید مجھے غلط فہمی ہوئی ہے بھلا بڑے بھیا یہاں کہاں؟ اتنے عرصے میں تو کبھی آئے نہیں حالانکہ.....“

”بتولاں، یہ ڈرائنگ روم میں کون ہے کوئی مہمان ہے کیا؟“ انہماک سے ٹی وی دیکھتی بتولاں نے پرنگ کرا سے دیکھا۔

”اوہ، ہاں جی آپ آگئے ہو کالج سے مہمان ہیں۔ لاہور سے ہی آئے ہیں۔ آپ کے میکے سے آئے ہیں آپ کے بھائی۔ بڑی دیر سے آئے بیٹھے ہیں۔“

”اچھا۔“ وہ حیران سی ڈرائنگ روم کی طرف چل دی بڑے بھیا سامنے ہی انکل آفتاب کے ساتھ صوفے پر بیٹھے تھے۔ سائڈ والے صوفے پر چاچی بیٹھی تھیں۔

”السلام علیکم!“

”وعلیکم السلام۔“

ملک آفتاب نے آہستگی سے کہا۔ ان کے لہجے میں ہر روز کے جیسی شگفتگی نہ تھی۔ بڑے بھیا نے یکدم انہماک سے سر پر ہاتھ رکھا تھا۔

”کیسی ہے میری گڑیا؟“

”اچھی ہوں۔“ وہ حیران سی ان کی گرم جوشی دیکھ رہی تھی۔ ”آپ کیسے آئے؟“ سنجیدگی سے پوچھتی ہوئی وہ چاچی کے پاس جا کر بیٹھ گئی۔

”وہ میں!“ انہوں نے سر کھجایا۔ ”تمہیں لینے آیا تھا۔“

”کیوں، خیریت ہے؟“ اس نے حیرانی سے انہیں دیکھا۔ ”ابی جان تو ٹھیک ہیں؟“

”ہاں، سب ٹھیک ہیں۔“ وہ دوبارہ بیٹھ گئے۔

”ہم نے سوچا بہت رہ لیا تم نے یہاں اب ہمارے پاس رہو۔“

لے کر چلی گئی۔

”تم ہی بات کرو۔ میں تو بولی کو پہلا نے جاری ہوں۔“ شابی بھالی کی آواز اس نے صاف سنی تھی۔

”ہاں تو ایسا کیا کر رہی ہو آج کل؟“ انوش اس سے پوچھ رہی تھی اس نے ہنسنے والی سے اپنی کامیابی کا بتا کر فون بند کر دیا تھا اگر شابی بھالی اس کی غیر خیریت پوچھ لیتیں۔ وہ اندر وہی بیٹھی تھی تبھی اس کی سس کیل فون بج اٹھا تھا۔ اچھی خبر دیکھ کر وہ حیران ہوئی تھی۔ دوسری طرف آرب تھا۔

”مبارک ہو کامیابی کی۔“ انوش نے اسے بتا دیا ہوگا۔

”تھینک یو۔“ وہ صرف اتنا ہی کہہ سکی۔

”اسی گھر سے پڑھتی رہے اور کسی سے ڈرے گا مت اور جب بھی اپنی ذات کے متعلق فیصلہ کرنے لگیں میرے متعلق بھی سوچ لیجئے گا۔“ فون کھت سے بند ہو گیا تھا۔ وہ ریسیور ہاتھوں میں لے کر گھورتی رہ گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

”انگل سے میری بات ہو چکی ہے وہ ایاز سے بات کریں گے اور وہاں تک تمہاری تعلیم کا تعلق ہے تم لاہور میں بھی مکمل کر سکتی ہو۔“

”نہیں۔“ اس نے تڑپ کر پوچھا یہاں کی طرف دیکھا۔ ”مجھے ایاز سے طلاق نہیں لینی کسی بھی صورت نہیں میں یہاں بہت خوش ہوں اور مجھے ایاز سے کوئی شکایت نہیں ہے۔ انہوں نے میری اجازت سے شادی کی ہے۔ مان کا حق تھا انہیں اولاد کی ضرورت ہے اور ابی جان سے کہہ دیجئے کہ میں اپنے شوہر کے ساتھ بہت مطمئن اور خوش ہوں۔“

”ہاں وہ تو ٹھیک ہے ابی جان نے تو تمہارے بچنے کے لیے ہی کہا تھا۔“ بڑے بھیا اٹھ کھڑے ہوئے۔ ملک آفتاب کے بچے بچے چہرے پر رونق سی آگئی تھی۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر چابی کے پاس بیٹھ گئی جیسے اندر سے تحفظ کی حفاظت ہو۔

”تمہاری مرضی ایسا ویسے ابی جان سمیت ہم سب کی یہی خواہش ہے کہ تم ایاز سے طلاق لے کر اپنے

گھر میں رہو۔ یہاں صرف روٹی کپڑے پر غلامی مت کرو۔“ وہ اپنی بات مکمل کر کے تیزی سے باہر نکل گئے۔ ملک آفتاب انہیں روکتے رہ گئے۔

”چاہی؟“ وہ رو پڑی تو انہوں نے اسے اپنے ساتھ لے لیا۔

”تمہاری بہن تو روتی کیوں ہے؟“

”چابی، مجھے کبھی نہیں جانا۔ مجھے یہاں ہی رہنا ہے آپ کے پاس۔“ ملک آفتاب واپس مڑے تو انہوں نے ان کی طرف دیکھا۔

”یہ اسفند بھائی کو کیا ہوا چانک بھلا لوگ بلیوں کے گھر اہاڑتے ہیں یا بسائے رکھنے کی ترکیبیں سوچتے ہیں۔“

”ہاں، اسفند کا اچانک خلاق کا مطالبہ مجھے بھی حیران کر رہا ہے۔“ ملک آفتاب سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے۔

”ایک ایک اسے ایلیا سے اتنی دلچسپی کیوں پیدا ہو گئی ہے۔ سوچتے والی بات ہے لیکن باپ ہونے کے ناتے غلط وہ بھی نہیں کہہ رہا ہمیں ایاز سے حتمی بات کرنا ہو گی۔ ساری زندگی۔“

”انگل پلیز۔“ ایلیا نے روتے روتے مراثی اکر اچاکی۔

”جب بیٹی ایسا نہیں چاہتی تو اسفند بھائی کو کیا تکلیف ہے کیا پھر کوئی بوڑھا ڈھونڈ لیا ہے بیٹی کے لیے۔“ چابی اٹھ کر بولیں ایلیا اور زور شور سے رونے لگی۔

”جب کہ جاؤ میری بیٹی، میرے ہوتے جہیں کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا۔ جب تک زندہ ہوں اپنے بچنے سے لگا کر دیکھوں گی اور ایاز کو بھی دیکھ لیتی ہوں جیسے تمہیں بھی ساتھ نہیں رکھتا۔ اب تک میں خاموش باپ بیٹے کے مذاکرات دیکھ رہی تھی۔ اب میں خود بات کروں گی۔“

”چابی۔۔۔۔۔ چابی پلیز کسی سے کچھ نہ کہیں میں بس آپ کے قدموں میں رہوں گی۔“

”لو بھی تمہاری چابی اب میدان میں کو پڑی ہیں اب خبر نہیں ایاز پڑی۔“ ملک آفتاب نے ہنس کر

ادول کو فون لگا دیا نے کی کوشش کی۔

”تو اور کیا صاف صاف کہہ دوں گی اس چٹی پڑی والی کو کہہ دے کہ کسی بنا کر دنیا میں رکھ لے کہیں۔ انسان کو تو سارے رشتے بھانے ہوتے ہیں۔“

”لو بھی ایلیا جانا، اب آگیا ہے تمہاری چابی کو جلال۔۔۔۔۔ اب تمہارا دل بھلو۔“

”بتولاں۔۔۔۔۔“ انہوں نے ملک آفتاب کی بات سنی ان اتنی کرتے ہوئے آواز دی۔ ”بیٹی ہے چاری تھکی ماری بھوکی پیاسی کالے سے آئی ہے تو یہاں یہ ڈراما تیار تھا۔ کھانا گرم کرو اور ٹیبل پر لگا دو۔ اتنے سال تو خبر نہیں لی بیٹی کی اب چار المہ چلا آ رہا ہے۔ پوچھنا تو تھا ڈراما اسفند پار سے۔“ انہوں نے اپنا رخ ملک آفتاب کی طرف کر لیا

”کیا بیوی کا کوئی رشتہ دار پھر رنڈا دھو گیا ہے جو طلاق مانگ رہے ہیں۔“

”تمہاری چابی مدت بعد یوں غل فارم میں آئی ہیں۔“ ملک آفتاب ہنسے تو روتے روتے وہ بھی مسکرا دی۔

”اگلے کئی دن وہ ڈسٹرب رہی تھی۔ اسے یہ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ اچانک ابی جان کو کیا سوچیں ایک طرف تو انہوں نے اسے رخصت کرنے کے بعد ایک بار بھی فون نہیں کیا تھا بھی اس کا احوال نہیں پوچھا تھا حالانکہ وہ ڈیڑھ سال سے پاکستان میں تھی لیکن اب اچانک بڑے بھیا کو بھیج کر اس کی خلاق کا مطالبہ۔۔۔۔۔“

”کہیں چابی کی بات سچ ہی نہ ہو کہ چھوٹی ہی ایاز سے خلاق دلوا کر اپنے کسی بوڑھے عزیز سے اس کی شادی کرنا چاہتی ہوں۔“

”آرب ایک لمحے کے لیے اسے خیال آیا کہ وہ آرب سے پوچھے اس کا دیا ہوا وزیٹنگ کارڈ اس کے پرس میں پڑا تھا لیکن دوسرے ہی لمحے اس نے اس خیال کو ذہن سے نکال دیا۔ آگیا ہو گا خیال ابی جان کو اور آرب بھلا کہاں بچ بتائے گا ہے تو وہ چھوٹی امی کا بھائی ہی نا لیکن اس نے کہا تھا۔ ”کوئی آپ کا منظر ہے، میرے متعلق سوچے گا۔“

”مجھے کیا مجھے تو بیٹھ یہاں ہی رہنا ہے۔“ سارے خیالات ذہن سے جھٹک کر اس نے خود کو پڑھائی میں مصروف کر لیا۔

☆ ☆ ☆

اس روز چابی کے کمرے میں ان کے بستر میں تھکی بیٹھی تھی۔ سچ سے خوب بارش ہو رہی تھی اس نے کالے سے چھٹی کر لی تھی اور اب چابی کے پاس ہی ان کے کپڑوں کو اپنے ارد گرد اچھی طرح پینے ان سے ادھر ادھر کی کہیں لگا رہی تھی۔

”یہ بتولاں سے کہا تھا کہ گاڑ کا ملو گرم کر کے لے آئے اس موسم میں تو کچھ نہ کچھ کھانے کو بھی چاہتا ہے۔“ چابی نے ایک شفقت بھری نظر اس پر ڈالی۔

”اچھی کچھ دیر پہلے کھانا کھایا تھا۔“

”لو کتنا کھانا کھانا تھا، آدھا پیکل بھی نہیں کھایا تم نے اور یہ تمہارے انگلی کیا کر رہے ہیں نا۔“

”اسٹڈی میں تھے جب ادھر آ رہی تھی۔ ایک دم بارش ہوئی تو مجھے ڈر گئے لگا۔“

”جناب حاضر ہیں، خیریت تھی۔ آج ہماری ٹیم صاب کو ہماری یاد کیسے آگئی؟“ ملک آفتاب ہاتھ میں ایک انجم اٹھائے اندر آئے۔

”لو میں نے بتولاں کو گھر یا گرم کرنے کو کہا تھا۔ آپ کو پسند ہے اس لیے پوچھ رہی تھی۔“

”بھئی ہمارا دل بھی رکھ لیا کریں ٹیم صاب۔“ وہ مسکراتے ہوئے صوفے پر بیٹھ گئے۔

”ہاں ایسا ہے ادھر آؤ، ایک چیز دکھاتے ہیں جنہیں۔“

”کیا انگل؟“ وہ اشتیاق سے انہیں دیکھتی بیٹھ سے اتر آئی۔

”لو اپنے آرام سے کپڑے میں بیٹھی تھی۔ آپ نے سردی میں اٹھا دیا۔“ چابی بڑبڑائیں لیکن ان کی طرف توجہ دیے بغیر آفتاب ملک نے انجم کو لی۔

”یہ دیکھو ایسا تمہاری مٹی۔“

”میری مٹی۔۔۔۔۔؟“ اس نے حیرت سے کہا اور انجم پر جھٹک گئی۔

”یہ ان دنوں کی تصویر ہے۔ جب وہ کالج میں پڑھتی تھی۔ میں آج کتابیں سیٹ کر کے رکھ رہا تھا کہ یہ الیم نکل آئی۔“

”یہ دیکھو۔“ انہوں نے صفحہ الٹا۔ شادی کے بعد پہلی بار تمہارے ابی جان اور امی میرے گھر آئے تھے تو یہ تصویر میں نے یہاں صحن میں بنائی تھی۔ دیکھو یہ ادھر کچن کی دیوار کے ساتھ پڑے گئے نظر آ رہے ہیں۔“ وہ بے حد اشتیاق سے چمکتی آنکھوں سے تصویریں دیکھ رہی تھی۔

”یہ میری ممی..... کتنی خوبصورت ہیں۔“

”بالکل تمہارے جیسی تھیں۔ تمہارا قد تھوڑا لمبا ہے اس سے۔“ چاچی نے بہت محبت سے کہا۔ ”ورنہ بنی بنائی ثمرین ہو۔“

”ایک اور تصویر بھی ہے۔“ انہوں نے صفحہ الٹا تب ہی بتواں اندر آئی بڑے میں گاجر کے حلوے کا ڈونگا اور پلیٹیں رکھے ساتھ میں ایک براؤن سالفاذ بھی۔

”جی یہ ڈاکیا دے گیا ہے۔ میں نے سائن کر دیے تھے۔“ اس نے خوش ہو کر بتایا۔ اکثر ملک آفتاب کے نام کتابیں یا رسالے آتے تو وہی سائن کر دیتی تھی۔

”اچھا۔“ ملک آفتاب نے الیم ایلیا کو پکڑا کر لفافہ لے لیا۔ الیم الیم لے کر کرسی پر بیٹھ گئی تھی اور بہت دھیان سے دیکھ رہی تھی چاچی بھی جھکی تصویر دیکھ رہی تھیں۔

”ارے، یہ تو ایاز کا خط ہے اور ایلیا کے نام ہے۔“ ملک آفتاب نے لفافہ اس کی طرف بڑھایا اس نے حیرت سے ان کی طرف دیکھا اور لفافہ پکڑ لیا۔

”میرے نام.....!“

”ہاں تمہارا ہی نام لکھا ہے باہر۔“

”ملک آفتاب کچھ بے چین سے ہو گئے تھے۔ بڑے بھیا کے آنے کے بعد انہوں نے ایاز سے بات کی تھی لیکن اس نے صاف کہہ دیا تھا کہ اس کے لیے ممکن نہیں ہے اب جب کہ کیتھی ماں بننے والی ہے اس موقع پر وہ اسے کوئی شک نہیں پہنچانا چاہتا پھر یہ خط۔ حیرانی کی کیفیت میں ایلیا نے لفافہ چاک کیا۔“

”سوری ایلیا میں تمہارے ساتھ رشتہ نبھانہ سکا سو میں تمہیں طلاق دے رہا ہوں تاکہ تمہارے والدین تمہاری دوسری شادی کسی اچھی جگہ کر دیں اور تم ایک بہتر زندگی گزار سکو۔ طلاق کے مکمل پیرز تمہیں ایک دور دراز میں مل جائیں گے۔“ خط کے ساتھ کاغذ منسلک تھا جس میں اس نے باقاعدہ طلاق دی تھی۔ لمحہ بھر وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے ہاتھ میں پکڑے کاغذ کو دیکھتی رہی پھر اس کے لبوں سے چیخ نکلی۔

”نہیں..... نہیں۔“

”کیا ہوا..... کیا ہوا؟“ ملک آفتاب گھبرا کر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

”میں نے کتنی منت کی تھی کتنی التجا کی تھی کہ.....“ اس کے حلق سے کھٹی کھٹی سی آواز نکلی، وہ یکدم ہی پیچھے کی طرف گری تو چاچی نے اسے تھام لیا۔ شاید چند ہی لمحوں بعد اس کے حواس واپس آ گئے تھے اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا اس کا سر چاچی کی گود میں تھا اور وہ اپنے دوپٹے کے پلو سے اس کی پیشانی پونچھ رہی تھیں۔

”آپ پوچھیں تو سہی اس سے کیوں کیا اس نے ایسا کیا تکلیف تھی اے کیا اس کا دیا کھاتی تھی ایلیا۔“ آنسو اس کے رخساروں پر بہنے لگے۔

”ہاں پوچھتا ہوں۔“ اسے آنکھیں کھولتا دیکھ کر وہ اپنے موبائل پر ایاز کا نمبر ڈائل کرنے لگے۔ وہ چاچی کے گلے سے لگ کر روتی رہی۔

”ہیلو، ہاں ایاز سو رہے ہو یا جاگ رہے ہو۔ بات سن لو پھر سو رہے رہنا۔“ وہ باتیں کرتے ہوئے کمرے سے باہر نکلے گئے۔

”چاچی میں تو یہاں رہنا چاہتی تھی آپ کے پاس، آپ کی محبتوں کے سائے تلے میں نے تو ایاز سے کچھ طلب نہیں کیا تھا کچھ نہیں مانگا تھا بس اتنا ہی کہا تھا کہ اپنا نام میرے نام کے ساتھ رہنے دے۔ میں نے زندگی میں پہلی بار ماں باپ کی محبتوں کا ذائقہ چکھا تھا۔ چاچی آپ کی گود میں سر کر مجھے لگتا تھا جیسے میں نے اپنی ماں کی گود میں سر رکھا ہو۔“

”میری بچی۔“ چاچی کا ضبط بھی جواب دے گیا۔

ملک آفتاب جب داپس کرے میں آئے تو دونوں ایک دوسرے سے گلے گلے بے تحاشہ درہنہ تھیں۔ وہ ہونٹ کھینچے کچھ دیر کھڑے انہیں دیکھتے رہے پھر ایلیا کو کندھوں سے پکڑ کر الگ کیا۔

”مت رو نہ پیدہ، کیوں بچی کو ہکان کر رہی ہو جو ہوتا تھا وہ ہو چکا کاش ایاز نے مجھ سے پہلے بات کر لی ہوتی۔“

”کیا کہتا ہے وہ؟“ چابی نے اپنے آنسو پونچھے۔

”وہ کہتا ہے کہ کئی دنوں سے اسفند یار اور بڑے بھیا کے فون آرہے تھے اور وہ اسے مجبور کر رہے تھے کہ وہ ایلیا کو طلاق دے دے جب کہ اس نے انہیں کہا کہ وہ طلاق لینا نہیں چاہتی جس پر اسفند یار نے اس سے کہا کہ وہ اپنا برا بھلا نہیں سمجھتی لہذا اگر اس نے طلاق نہ دی تو وہ عدالت کے ذریعے طلاق لے لیں گے۔ اسفند نے وکیل کی طرف سے نوٹس بھی بھیجا تھا طلاق کا تو اس نے۔“

”تو ابی جان نے؟“ ایلیا کے بہتے آنسو کچھ دیر کے لیے خشک ہو گئے ”لیکن.....“ کیوں وہ سوچ میں ڈوبی پریشان نظروں سے ملک آفتاب کو دیکھنے لگی۔

”میں خود سمجھ نہیں پا رہا کیا اسفند کو دیا گیا ہو گیا ہے۔ تمہاری چابی بہت نرا امید تھی ایاز بھی اس کی بات نہیں مائل سکتا تھا پھر ایاز کو کبھی کے ساتھ شادی کرنے کے بعد تمہارے ساتھ ہونے والی زیادتی کا احساس ہو گیا تھا۔ اس کے دل میں تمہارے لیے ایک نرم گوشہ پیدا ہو چکا تھا لیکن سب کچھ ختم ہو گیا۔“

”اب کچھ نہیں ہو سکتا؟“ چابی نے پرامید نظروں سے انہیں دیکھا۔

”نہیں۔“ ملک آفتاب مایوسی سے کرسی پر بیٹھ گئے۔

”اس نے جلد بازی میں تینوں طلاقیں ایک ساتھ دے دی ہیں اور ہمارے حق کی رو سے طلاق ہو گئی ہے جب کہ اسن طریقہ ایک ایک کر کے طلاق دینے کا تھا۔“

آنسو ایک بار پھر اس کی آنکھوں سے بہنے لگے تینوں کے پاس کہنے کے لیے کچھ نہیں تھا۔ ملک آفتاب سر جھکائے کمرے سے باہر نکل گئے۔ وہ چابی کی کمر میں سر رکھے وقتے وقتے سے رو رہی تھی۔ کمرے میں گاجر کا جلوا یونہی بزار ہا۔ اس رات ان تینوں میں کسی نے کھانا نہیں کھایا۔

☆☆☆

اگلے تین دن بھی یونہی گزر گئے۔ وہ تینوں دوسرے سے نظر کیا جتاتے رہے۔ کسی نے پیٹ بھر کھانا نہیں کھایا بس چند لقمے کھا کر اٹھ کھڑے ہوئے وہ سو جتنی راتیں کہ وہ داپس نہیں جائے گی۔ یہاں ہی رہے گی اپنی مرضی سے وہ عاقل و بالغ لڑکی ہے اگر ابی ہاں نے سختی بھی کی تب بھی نہیں جائے گی لیکن جب چاروں بعد ابی جان اور چھوٹے بھیا سے لینے آئے تو وہ کچھ بھی نہ کر سکی۔

”چلو ہم تمہیں لینے آئے ہیں۔ ایاز نے تمہیں طلاق دے دی ہے۔ اب تمہارے یہاں رہنے کی کوئی جگہ نہیں بچی۔“ یہ اسفند یار تھے۔

”میں اپنے گھر میں اپنے شوہر کے ساتھ فون تھی۔ آپ نے میرے ساتھ یہ ظلم کیوں کیا ابی جان؟“ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

”یہ ظلم نہیں ہے۔“ ان کا لہجہ سپاٹ تھا۔ ہر طرح کے جذبات سے عاری۔

”ہم نے جو کچھ کیا ہے تمہاری بہتری کے لیے کہ ہے اب چلنے کی تیاری کرو۔“

”میں یہاں رہنا چاہتی ہوں؟“

”کس رشتے سے.....“ چھوٹے بھیا کے لہجے میں طعنے تھا۔ ”تمہارا ان سے اب کوئی رشتہ نہیں رہا اور ہم اتنے بے غیرت نہیں کہ طلاق کے بعد بھی تمہیں یہاں رہنے دیں۔“

”اسفند! ایلیا تمہاری بیٹی ہونے کے ناتے میری بیٹی بھی ہے۔ بہو کے ناتے نہ کسی اسی رشتے کے ناتے اسے یہاں رہنے دو کم از کم ایک سال اور اس کی گرجویشن مکمل ہو جائے تو لے جانا اسے۔“ آفتاب

”کیوں، کیا ایاز کے سارے کالج بند ہو گئے؟“ اسفند یار کا لہجہ ٹھیکھا تھا۔

”مجھے نہیں جانا واپس۔“ وہ یونہی بیٹھی رہی۔

”یکومت، اٹھو کچھ سامان لینا ہے تو لے لو۔“

ایاز نے اسے گھر کا۔

”اگر وہ نہیں جانا چاہتی تو تم اسے زبردستی نہیں لے جا سکتے۔ عاقل و بالغ ہے وہ۔“ ملک آفتاب کے

”نہیں تمہیں کسی جسے غصوں کر کے اسفند یار بھڑک گئے۔“

”تم اسے روکو گے ملک؟“

”ہاں اگر یہ نہیں جانا چاہتی تو۔“

”کس رشتے سے کیا لگتی ہے یہ تمہاری کیا رشتہ بہن؟“ اس سے؟

”کوئی رشتہ نہ ہو لیکن تم اس کی مرضی کے بغیر اسے لے جا سکتے اسفند میں پولیس کی مدد۔“

”کیا کیو گے تم پولیس سے؟“ اسفند عجیب طرح

سے تھے۔

”یہ میری بیٹی ہے تمہاری نہیں اگر تم اس بات کا اعتراف کر لو کہ تمہارے میری بیوی کے ساتھ۔“

”نٹ اپ اسفند۔“ ملک آفتاب کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا اور آنکھیں پیسے خون اگلنے لگیں۔

”اس سے آگے ایک لفظ مت کہنا ورنہ اپنے قدموں پر چل کر نہیں جا سکو گے۔ مجھے علم نہیں تھا کہ تم اتنے گھٹیا اور کہیں بھی ہو سکتے ہو لیکن نہیں جو باپ اپنی پندرہ سالہ مالہ معصوم بچی پر الزام لگا سکتا ہے اس سے کچھ بعید نہیں کہ وہ اپنی مرحوم بیوی کی پاکیزگی پر.....“

”نف ہے تم پر اسفند یار۔“ انہوں نے زمین پر تھوک دیا اور ایک قدم آگے بڑھ کر ایلیا کے سر پر ہاتھ رکھا جو خالی خالی نظروں سے سامنے کی دیوار کو دیکھ رہی تھی۔

”جاؤ بیٹی! اللہ کے سپرد کیا۔ ہم سے اگر کبھی کوئی غلطی ہوگی ہو تو معاف کر دینا۔“ وہ ساکت بیٹھی رہی۔

”بھولائیں وہ غلطی، حقیقت اور مراد سے کیو بھوکا سارا سامان پیک کر دیا کہ ان کے ساتھ روانہ کر دیں۔“ جینز

ماہنامہ پیکر

جاسوسی ڈائجسٹ

سینس ڈائجسٹ

ماہنامہ پاکیزہ

ماہنامہ گزشت

ماہنامہ کشف

ادارہ جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز

کی جانب سے میسرز ویکم بک شاپ، دعویٰ کو فوری طور پر

متحدہ عرب امارات (U.A.E)

کے لئے سول ڈسٹری بیوٹر مقرر کر دیا گیا ہے۔

بک سینٹر، دکان دار اور باکر حضرات مذکورہ بالا ماہناموں کے آرڈر بک کرانے کے لئے فوری طور پر مندرجہ ذیل پر رابطہ کریں۔

WELCOME BOOKSHOP

EQB001 37559 KAZIMKA DUBAI

PHONE: 04-3961015 FAX: 04-3961015 CELL: 050 2615250

E-mail: welcome@emirates.net.ae 050-4244587

کے نام پر سامان ہی کیا تھا چند جوڑے کپڑوں کے اور ایک دو ہلکے سے چوہری کے سیٹ۔ برتن اور فرنیچر کا ملک آفتاب نے منع کر دیا تھا۔ اسفند یار نے کہا تھا وہ بعد میں چیک دے دیں گے جو ابھی تک نہیں دیا گیا تھا۔ ہاں بری کے بھاری بھاری سیٹ چوڑیاں، کڑے، کنگن سب کچھ تھا جو ملک آفتاب نے لا کر سے نکال کر ایلیا کے حوالے کر دیا تھا۔

”یہ سب تمہارا ہے بیٹی تمہارا حق ہے شرعاً بھی اور قانوناً بھی اسے سنبھال کر رکھنا کبھی مشکل وقت میں کام آئے گا۔۔۔۔۔ اور۔۔۔۔۔ تمہارے حق مہر کی رقم پانچ لاکھ تمہارے اکاؤنٹ میں جمع کر دادی بھی چیک بیک ساتھ لے جانا اور لاہور میں اکاؤنٹ کھلوا کر وہ ٹرانسفر کروا لیتا۔“ جب بتولاں کے ساتھ وہ اپنے کمرے میں آئی تو ملک آفتاب بھی اس کے ساتھ ہی آگئے تھے۔

”بیٹی جو کچھ بھی لینا چاہو لے جاؤ۔“ تب پہلی بار اس نے جھکا ہوا سراٹھایا۔

”میری ماما کی تصاویر۔“ وہ خاموشی سے باہر نکل گئے اور پھر آ کر لقاؤ اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔ اپنی نگرانی میں انہوں نے اس کے کپڑے پیک کر دائے، زیورات کا بیک اس کے حوالے کیا اور جب اس کا ہاتھ تھامے باہر آئے تو ضبط کی کوشش میں ان کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ زبیدہ بیگم اسی طرح ساکت بیٹھی تھیں جب کہ اسفند یار اور چھوٹے بھیا کے چہرے پر اطمینان تھا۔

”آج کے بعد میرے اور تمہارے درمیان دوستی کا ہر رشتہ اور تعلق ختم ہو گیا ہے اسفند یار۔۔۔۔۔ آج کے بعد مجھے یاد تک نہیں رہے گا کہ کبھی تمہارے نام کا کوئی شخص میرا دوست تھا جو لفظ تم نے اپنی زبان سے نکالے تھے اسی وقت سب تعلق ختم ہو گئے۔“

”بس یا اور کچھ۔۔۔۔۔“ اسفند یار چھوٹے بھیا کو اشارہ کرتے ہوئے کھڑے ہو گئے۔ وہ یونہی کھڑی تھی اور اس کے پیچھے بتولاں کے ساتھ حفیظ اور مراد (جو کیدار اور مالی) اپنی کپڑے اٹھائے کھڑے تھے۔ بتولاں کے ہاتھ میں بیک تھا۔

”چلو۔“ انہوں نے ایلیا کا بازو پکڑ کر کھینچا۔ ایلیا

بیکدم ان سے بازو چھڑا کر چاچی کی طرف بھاگی۔ ”چاچی۔“ وہ ان سے لپٹی رو رہی تھی تڑپ رہی تھی۔ بتولاں حفیظ مراد سب کی آنکھیں آنسو بھاری تھیں۔ چاچی نے بڑی مشکل سے اسے خود سے الگ کیا تو وہ دوڑ کر انکل آفتاب سے لپٹ گئی۔ وہ نچلا ہوا دانتوں تلے کچلتے ہوئے اس کے سر پر ہاتھ پھیرے لگے۔

”ایلیا پلیز۔ لی ریٹکس چلو اب۔“ چھوٹے بھیا نے نرمی سے اسے الگ کیا۔ وہ ان کے ساتھ ساتھ چلی ہوئی مڑ مڑ کر انہیں دیکھتی رہی بتولاں بیک اٹھائے اس کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔ گاڑی میں بیٹھنے کے بعد بتولاں نے بیک اس کے حوالے کیا۔

”زیورات ہیں بی بی سنبھال کر رکھے گا۔“ وہ نم آنکھوں سے کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی پوری کی میز میوں پر ملک آفتاب چاچی کو سہارا دے کھڑے تھے۔ وہ بے بسی سے انہیں دیکھتے ہوئے آواز بھانے لگی اور چھوٹے بھیا تیزی سے گاڑی گیٹ سے باہر نکال لے گئے۔

☆ ☆ ☆

ایلیا نے اپنے کمرے کا دروازہ کھول کر باہر دیکھا۔ لاؤنج میں کوئی نہیں تھا وہ ہولے ہوئے چلی ہوئی میز میوں تک آئی اور نیچے جھانک کر دیکھا۔ پہلی بھی خاموشی تھی ”گو یا سب اپنے اپنے کام پر جا چکے ہیں۔“ میز میوں کے پاس رک کر اس نے دو چادر ست کیا اور نیچے اترنے لگی۔ جب سے وہ یہاں آئی تھی وہ یوں ہی کر رہی تھی جب سب ناشتا کر کے چلے جاتے تو وہ نیچے اترتی اور مونا یا بوا اس کا ناشتا بنا دیتے۔ ناشتا کے خاموشی سے کمرے میں آ جاتی۔

وہ جب ٹڈھال اور تھکی تھکی سی الی جان اور چھوٹے بھیا کے ساتھ لاہور پہنچی تو اسے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی تھی کہ اس کا کمرہ اس کے لیے خالی کیا جا چکا تھا۔ الی الحال گڑیا اپنے گھر گئی ہوئی تھی لیکن جب وہ واپس آئی تب بھی وہ اس کے کمرے میں ہی رہ رہی تھی۔ یہی نہیں روشنی بھابی شابی بھابی حتیٰ کہ چھوٹی امی بھی اس سے

بات کرنے کی کوشش کرتی تھیں اور اسے ان کا یہ التفات حیران کر رہا تھا۔ کبھی شابی بھابی کبھی روشی بھابی اس کے کمرے میں بھی آ جاتی تھیں لیکن اس کے باوجود وہ ذہنی طور پر ابھی تک اب سیٹ تھی۔ رات کو بستر پر لیٹتی تو آنکھیں خود بخود کھلی ہو جاتیں۔ نینا عادل نے دو تین بار فون کر کے اسے حوصلہ دیا تھا۔

”شاید اسی میں بہتری ہو مجھے تو بعد میں پتا چلا ورنہ کچھ کرتی۔“ وہ چپ چاپ نینا کے مشورے اور نصیحتیں سنتی رہتی اور رو دیتی اس کے پاس کہنے کے لیے کچھ بچا ہی نہیں تھا۔ دو بار ملک آفتاب کا فون بھی آیا تھا۔

”کیسی ہو بیٹا پڑھائی مت چھوڑنا کوئی ایسا مسئلہ ہو کہ تمہیں میری ضرورت ہو تو بلا جھجک مجھے بتانا میں دیکھ لوں گا اسفند کو بھی اور۔۔۔۔۔ اچھا لو یہ چاچی سے بات کرو۔“ اور وہ چاچی سے بات کرتی چاچی کی آواز سننے ہی آنسو بے اختیار اٹھنے چلے آئے تھے وہ بس رو دیتی ہی رہی۔

نیچے ٹی وی لاؤنج میں پہنچ کر اس نے سامنے بچن میں کام کرتے مونا کو آواز دی۔

”مونا میرے لیے چائے بنا دو۔“

”پراٹھا اور آلیٹ بنا دوں ساتھ میں؟“ اس نے وہیں سے آواز لگائی۔

”نہیں صرف چائے۔“ اس نے سائنڈ ٹیبل سے اخبار اٹھایا اور بیٹھ گئی بھی اس نے پیچھے سے گیٹ روم کا دروازہ کھلنے کی آواز سنی اور پھر قدموں کی آہٹ۔ ”شاید چھوٹی امی ہیں۔“ اس نے سوچا لیکن مڑ کر نہیں دیکھا۔۔۔ یہی قدموں کی آہٹ اس کے قریب رک گئی۔

”کیسی ہیں آپ؟“ آرب مصطفیٰ کی آواز سن کر وہ چونکی اور اخبار اس کے ہاتھ سے نیچے گر پڑا۔ اس نے جھک کر اخبار اٹھایا ایک لمحے کو اس کی نظریں سیاہ بیڈروم سلپر میں اس کے پاؤں پر پڑیں۔ دوسرے ہی لمحے وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

”میں نے پوچھا ہے کیسی ہیں آپ؟“ آرب مصطفیٰ نے اپنی بات دہرائی۔

”اچھی ہوں۔“ اس کی نظریں پھر سیاہ سیلپروں میں اس کے پیروں پر الجھ گئیں۔

”آپ کے ساتھ جو ہوا مجھے اس کا بہت افسوس ہے۔“ اس نے یکا یک نگاہیں اٹھا کر یوں زخمی نظروں سے اس کی طرف دیکھا جیسے اس میں سارا قصور اسی کا ہو۔

”ایلیا۔“ وہ جیسے تڑپ سا اٹھا۔ ”میں نے بہر حال ایسا نہیں سوچا تھا میں تو یہ چاہتا تھا کہ آپ اپنی مرضی اور خوشی سے اپنی زندگی کا فیصلہ کریں اور خود کو کسی کے لیے قربان نہ کریں اپنے لیے بھی سوچیں۔ زندگی بہت خوبصورت ہے اور آپ کو زندگی میں بہت کچھ مل سکتا ہے۔“ ایلیا خاموش رہی اس نے پھر نظریں جھکالی تھیں۔

”آپ نے جب مجھے بتایا کہ بھائی جان یعنی آپ کے ابا جان نے ایاز کو مجبور کیا کہ وہ آپ کو طلاق دے۔۔۔ تو مجھے حقیقتاً دکھ ہوا جب انہوں نے زندگی بھر بھی آپ کی ذات میں رتی بھر دلچسپی نہیں لی تو پھر اب کیوں آپ کی اچھی خاصی لائف کو ڈسٹرب کر دیا۔“ اس نے ایک طویل سانس لے کر بغور اسے دیکھا وہ سر جھکائے آنسو پینے کی کوشش کر رہی تھی۔

”بہر حال آپ کی عدت گزر چکی ہے۔ آپ کو اپنی تعلیم کا سلسلہ شروع کر دینا چاہیے۔ اسے منقطع مت کیجیے گا۔ میں کل سا ہیوال جا رہا ہوں ملک صاحب سے مل کر آپ کے کالج جا کر سرٹیفکیٹ وغیرہ لیتا آؤں گا۔ باقی باتیں پھر۔“ وہ اس پر ایک گہری نظر ڈالتا جس خاموشی سے آیا تھا اسی خاموشی سے واپس چلا گیا۔ اس نے اپنے پیچھے گیٹ روم کا دروازہ بند ہونے کی آواز سنی اور پیچھے مڑ کر دیکھا۔ وہ جا چکا تھا لیکن بروئس کی خوشبو ابھی تک اس کے ارد گرد چکرار ہی تھی۔

”یہ چائے اور ایک سلائس بھی گرم کر دیا ہے۔“ ٹی وی الاؤنج کے کونے میں رکھی گول میز پر مونا نے چائے الا کر رکھی۔

”میرے ابا کہتے ہیں صبح صبح خالی پیٹ گرم چائے نہیں پینی چاہیے۔“

ایلیا اپنی جگہ سے اٹھ کر میز کے گرد بڑی کرسیوں میں سے ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔ خاموش طبع تو وہ پہلے بھی تھی لیکن اب تو اسے اور بھی چپ لگ گئی تھی۔

انڈا بوائے کر دوں۔“ مونا جھاڑن سے ٹی وی ٹرالی پونچھ رہا تھا۔

”نہیں۔“ ایلیا نے نفی میں سر ہلا دیا اور چائے کا کپ اٹھالیا۔

”ایلیا بی بی۔“ اس نے ادھر ادھر دیکھا اور جھاڑن کندھے پر رکھ کر ٹیبل پر دونوں ہاتھ رکھتے ہوئے تھوڑا سا جھکا اور رازدارانہ انداز میں بولا۔

”بوا کہہ رہی تھیں کوئی جائداد کا چکر ہے اس لیے صاحب نے آپ کو طلاق دلوائی ہے تاکہ جائداد ان کے پاس رہے سب بڑے خوش ہیں پہلے تو آپ کو کمرے سے نکال دیا تھا لاؤنج میں سوتی تھیں آپ اور اب کیسے کمرہ خالی کر دیا گریڈ بی بی ہے۔“

”کیسی جائداد؟“ اس نے حیرانی سے مونا کی طرف دیکھا۔ ”پاگل ہو گئے ہوتم؟“

”بوا آجائیں قصور سے تو پوچھ لیجیے گا۔“ وہ معنی خیز انداز میں سر ہلاتا واپس کچن میں چلا گیا۔

”یہ مونا بھی بس کہانیاں بنانے میں ماہر ہے۔ میری کون سی جائداد ہے بھلا اور پھر ابا جان کے پاس بھی کتنی بڑی جائداد ہے۔ یہ ایک گھر اور لوہاری گیٹ کے پاس چند دکانیں اگر شرعاً حصہ بھی نکالا جائے تو پانچ بہن بھائیوں اور چھوٹی امی کو ملا کر بھلا میرے حصے میں۔۔۔۔۔ آنا بھی کیا ہے اور ابا جان ایسے مذہبی ہیں بھی نہیں کہ بیٹیوں کو جائداد سے شرعی حصہ دیں اور وہ بھی مجھے جسے جہیز کے نام پر بھی کچھ نہیں دیا حتیٰ کہ میری امی کے زیور میں سے بھی کچھ نہیں۔ یہ کوئی اور ہی بات ہے شاید چھوٹی امی زریاب خان سے میری شادی کرانا چاہتی ہیں انوشہ بتا رہی تھی کہ بے چارے بیمار ہیں اور بہو بیٹے پوچھتے تک نہیں۔ خدمت کے لیے بیوی کی ضرورت ہے انہیں۔“ وہ چائے پیتے ہوئے سوچتی رہی لیکن کوئی سرا

”کمرے میں.....“ ہاتھ میں پکڑا جھجک اس کے ہاتھ سے گر گیا اور وہ پورا کا پورا مڑ کر انڈیا کی طرف دیکھنے لگا۔

”آپ اوپر چھت پر گئی تھیں؟“

”ہاں۔“

”لیکن کمرہ تو باہر سے بند ہوتا ہے۔“ وہ بڑبڑایا۔
”کوئی بوڑھی عورت کھڑکی سے جھانک کر کھاتا مانگ رہی تھی۔“

”اوہ!“ اس نے سر پر ہاتھ مارا اور جلدی سے ہاتھ دھو کر بھانڈن سے پوچھنے لگا۔ ”میں تو آج ناشتا دینا ہی بھول گیا۔“ بوائے اتنی تاکید کی تھی اس نے فوراً فریج سے آٹا نکالا اور چوڑھے کی طرف مڑ گیا۔ تیزی سے توڑا نکال کر چوڑھے پر رکھا اور پینا پینا لگا۔

”یاتی جی آپ ذرا آلیٹ کے لیے پیاز کاٹ کر اٹھا بیجست دیں۔“ میں اتنے میں پراختا ہوا تھا۔
”وہ تو میں کر رہی ہوں مونا لیکن تم نے بتایا نہیں وہ کون ہے؟“ کوپلیا نے دلچسپی سے اسے دیکھا۔

”نہیں ہیں تو مجھے بتا دو میں سبزی وغیرہ کاٹ رہی ہوں کیا کچا ہے؟“ وہ کاؤنٹر سے ٹپک لگا کر کھڑی ہو گئی۔
”اوہ جی۔“ مونا نے خوش ہو کر اس کی طرف دیکھا۔ ”جانتیں کیا پکنا ہے بارہ بجے تک صاب اٹھیں گی تو پتا نہیں کی ایک تو چکن سی ہے گی اپنے بڑے صاحب تو چکن کے علاوہ کچھ کھاتے ہی نہیں ساتھ میں اور کیا پانا ہے یہ تو اب تک صاب اٹھا نہیں گی۔“

”اچھا تو چکن نکال دو میں پکا دیتی ہوں کڑا ہی بنی ہے یا کچھا اور؟“

”وہ بھی جی تکیم صاحبہ ہی بتائیں گی۔“ جب تک وہ انھیں گی برتن دھو کر تکیم صاف کر دوں گا۔“

”مونا یہ اوپر چھت پر کون ہے؟“ اس نے اچانک ہی پوچھا۔

”بھئی ہاں ہوگی چھت پر جھانڈ رہے چلی گئی ہوگی میراج کی صفائی کر کے۔“ اس نے برتن دھوتے ہوئے بے پروائی سے کہا۔
”نہیں مونا وہ ادھر کمرے میں؟“

”کمرہ کس صوف کے لیے بنایا گیا ہے“ مونا اور ذرا بھڑو سر دھت کو ارڈر میں رہتے تھے چپ کہ بوا بیچے لی دی لاؤنچ میں ہی بستر بچھا کر سو جاتی تھیں ”ہو سکتا ہے یہ کمرہ بوا کے لیے بنایا گیا ہو۔“ کمرے کی کھلی کھڑکی کی طرف اچانک ہی اس کی نظر اٹھی تو وہ خوفزدہ ہو کر دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔ کھڑکی میں سے ایک بوڑھی عورت جھانک رہی تھی۔

”اے.....“ اس نے کھڑکی سے ہاتھ باہر نکالا۔
”مجھے بھوک لگی ہے کھانا دو۔“ وہ خوفزدہ ہو کر چلی اور تقریباً بھاگتی ہوئی میز چیموں کا دروازہ بند کرتی نیچے اتری اور بڑی تیزی سے اپنے کمرے میں گھس گئی۔ کئی ہی دیر تک لیے لیے سانس لیتی رہی کچھ دیر بعد دل کی دھڑکن معمول پر آئی تو اس نے خیران ہو کر سوچا۔

”یہ عورت کون تھی؟“ پائلنگ رتی تھی شاید لیکن یہاں اوپر کمرے میں..... یہ کیا امرار ہے۔ کس سے پوچھوں کون بتائے گا۔“ انوشہ سے شانی بھابی سے یا..... بوا سے پوچھوں گی۔“ پہلے تو صرف چند دن رہ کر وہ ساہیوال چلی گئی تھی اور اب جب سے آئی تھی اپنے کمرے تک محدود تھی۔ ایک دوبار اس نے مونا کو کھانا ڈرے میں اٹھائے میز چیموں کی طرف جانے دیکھا تو تھا لیکن اس کا خیال تھا شاید دونوں بھابیوں یا ان کی بہنوں میں سے کسی کے لیے لے کر جا رہا ہے۔“

”مونا۔“ مونا سے پوچھتی ہوں بوا تو جانے کب آئیں گی قصور سے۔“ اس نے آہستہ سے دروازہ کھولا۔ شانی بھابی کے کمرے سے لی دی کی آواز آرہی تھی لیکن دروازہ بند تھا۔ وہ دے قدموں سے چلتی ہوئی ایک بار پھر میز چیموں سے اترنے لگی۔ نیچے دالا لاؤنچ بنوڑ خالی تھا اور نیچے تھا بھی کون سوائے بھوئی وی اور ان کے بھالی صاحب کے۔

”شاید جی چیموں پر آئے ہیں آدو تین دنوں سے وہ آ رہے کے متعلق کوئی نہ کوئی بات سن رہی تھی ابھی انوشہ سے بھی مونا سے لیکن سامنا آج ہی ہوا تھا۔ ادھر سے ادھر دیکھتے ہوئے وہ کچن میں چلی گئی۔

مونا تنگنا تے ہوئے برتن دھو رہا تھا۔ مونا آج بوا

اس کے ہاتھ نہیں آیا۔ ہاں آ رہے مصطفیٰ کی بات پر اس نے عمل کرنے کا سوچ لیا تھا کہ اسے اپنی تعلیم مکمل کر لینی چاہیے۔ نینا اور انکل نے بھی کہا تھا۔

”میں انکل کو فون کر دوں گی کالج سے لیونگ سرٹیفکیٹ لے کر بھیج دیں۔ وہ فیصلہ کر کے اٹھ کھڑی ہوئی۔“ سب کے جانے کے بعد مونا چھوٹی ای اور بھابیوں سو جاتی تھیں پھر گیارہ بجے تک اٹھتی تھیں۔ ایک لمحے کو اس نے سوچا وہ باہر لان میں چلی جائے لیکن پھر سردی کے خیال سے میز چیموں پر پڑنے لگی۔ وہ سڑ سے چار ماہ سے زیادہ تر کمرے میں ہی وقت گزار رہی تھی۔ اوپر دونوں بھابیوں کے کمرے میں خاموشی تھی۔ گویا اپنے اپنے شوہروں اور بچوں کو بھیج کر وہ آرام کر رہی تھیں۔ کچھ دیر لاؤنچ میں کھڑی رہی سوچا لی دی لگالے لیکن پھر اس نے لی دی لگالے کا ارادہ ہٹو کر دیا اور لی دی لاؤنچ سے ہی اوپر چھت کی طرف سوچا جاتی میز چیموں کی طرف بڑھ گئی۔ شادی سے پہلے وہ کبھی کبھی چھت پر چلی جایا کرتی تھی۔ اسے چھت پر سے آس پاس کی اور دور درازی نگاہوں کو دیکھنا اچھا لگتا تھا۔

”اوپر دھوپ ہو گئی۔“ اس کے لیوں پر مسکراہٹ بکھری۔ جب وہ چھوٹی تھی تو کئی بار کھڑکی کی چھت پر چڑھ کر بیٹھ جاتی تھی۔ چھت پر بس کتنی تھی اور پوری چھت خالی تھی۔ چھوٹے بھیا چنگ اڑاتے تو وہ کھڑکی کی چھت پر بیٹھ کر انکس چنگ اڑاتے دیکھتی رہتی۔ کبھی کبھی چھوٹے بھیا موج میں آتے تو اسے چنگ پکڑا دیتے تھے۔ وہ کچن کی باتیں یاد کرتی ہوئی میز چیموں کے دروازے کے پاس پہنچ کر ایک لمحے کو بڑی دروازہ اٹکھتا تھا لیکن چابی لٹک رہی تھی۔

”اوہ مجھے تو خیال ہی نہیں رہا تھا کہ دروازہ ہمیشہ اکڑ رہتا تھا۔“ چلو شکر ہے جانی ساتھ ہی ہے۔“ دروازہ کھول کر وہ چھت پر چلی گئی۔ چھت پر میز چیموں کے دائیں طرف ایک کمرہ اور کمرے کے آگے بڑا دروازہ تھا۔ اس نے حیرت سے اسے دیکھا۔ شاید یہ کمرہ اس کی شادی کے بعد بنا گیا تھا۔ وہ اشتیاق سے بڑا دروازے کی طرف بڑھی کمرے کی کھڑکی کھلی تھی۔ ”بھلا یہاں چھت پر یہ

زندگی بدلنے والی ورزش کی مشینیں

KOBE KOREAN ELECTRIC TREADMILL
The King of All Exercise Machines

LCD-TV کے ساتھ بھی دستیاب

آری دھچک جتنا بڑا پراجے سے بھرا اور کمرے کے استعمال کیلئے

LG سائز اور ورزشی طاقت اور انجینی مشین جاپان پر طر کے ساتھ

بعد از فروخت سروس اور وارنٹی کی فراہمی کی ضمانت

UNIQUE ELEPTICAL TRAINER

ورزش کی مشینوں میں انتہائی اضافہ جالنگ، سائیکلنگ، پیڈلنگ، جڑنے اور کھینچنے کی چاروں ورزشیں ایک ہی مشین میں۔ ایک حرکت میں جسم کے تمام حصوں کی ورزش جسم کو خوبصورت بنائے گا اور وزن کم کرنے کے لئے سوزدہ بنائے گا۔



پار کیجئے ادائیگی صحت برقرار رکھنے کے لئے چند منٹ کی گمریلہ ورزش کا کوئی اہم ایسا نہیں ورزش کے کوئی نسخہ اثر نہیں

BILAL BROTHERS
Mustafa Arcade, SMCHS, Karachi, Tel: 4531961-62

LAHORE NABI BUX & SONS Tel: 7354004
FAISALABAD ELECTROLUXE Tel: 8541004-8543436
PESHAWAR RASHID SONS Tel: 5272823-5274931
QUETTA S. K. BUSINESS MART Tel: 2825584-2839002

”وہ.....ہاں وہ“

اس نے آواز آہستہ کر لی۔ ”بڑے صاحب کی پہلی بیوی ہیں۔ چھوٹے بھیا اور بڑے بھیا کی امی مجھے بوانے بتایا تھا کہ ان کا ذہنی توازن خراب ہو گیا تھا اس لیے وہ پاگل خانے میں تھیں اتنے عرصے سے پھر سال پہلے پاگل خانے والوں نے خط بھیجا تھا بڑے صاحب کو ان کی بیوی بہت بہتر ہیں لہذا انہیں گھر لے جائیں اور گھریلو ماحول دیں تو بالکل ٹھیک ہو جائیں گی تو بس بڑے بھیا جا کر لے آئے۔“ وہ ہولے ہولے رازدارانہ انداز میں بتا رہا تھا لیکن وہ کاؤنٹر سے ٹیک لگائے ساکت کھڑی تھی۔

”تو کیا چھوٹے بھیا اور بڑے بھیا میرے سگے بھائی نہیں ہیں۔ یا یہ میری امی..... نہیں اسے اپنی امی کا موت سب دھندلا دھندلا یاد تھا اور اس کی امی..... وہ اکثر رات کو ان کی تصاویر دیکھتی تھی تو یہ صرف بڑے بھیا اور چھوٹے بھیا کی امی ہیں..... تبھی تو بڑے بھیا اور چھوٹے بھیا اتنے اجنبی سے ہو گئے ہیں ان کے دل سے میری محبت ختم ہو گئی ہے۔ کتنا روکھا روکھا رویہ ہے ان کا لیکن مجھ سے تو کبھی کسی نے ذکر ہی نہیں کیا بوانے بھی نہیں۔“ آنسو اس کی آنکھوں میں چمکنے لگے۔

مونا جلدی جلدی ٹرے میں ناشتا رکھ رہا تھا اے خاموش دیکھ کر خود ہی انڈا پھینٹ کر آلیٹ بنا چکا تھا۔ مونا نے ٹرے اٹھائی تو یکدم بولی۔

”میں بھی چلوں تمہارے ساتھ؟“

”نہیں“ ناشتا لیٹ ہو گیا ہے تو ان کا موڈ خراب ہو گا پھر کبھی چلیے گا لیکن کسی کو بتائیے گا مت کہ میں نے آپ کو کچھ بتایا ہے۔ چھوٹے بھیا تو ہاتھ بھی اٹھا لیتے ہیں کبھی کبھی ہاں۔“ وہ ٹرے اٹھائے تیزی سے باہر نکل گیا وہ پھر اس طرح کاؤنٹر سے ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئی

”تو اس پورے گھر میں کوئی بھی میرا سگا نہیں ہے..... ہاں الی جان لیکن وہ تو ماما کے بعد ہی بدل گئے تھے۔ جب امی کی ڈیجھ ہوئی تھی تو بڑے بھیا کتنا خیال رکھتے تھے اور تھوڑا بہت چھوٹے بھیا بھی لیکن پھر سب کچھ بدلتا چلا گیا سو جتنی تھی شادی کے بعد بھائی بدل تا

جایا کرتے ہیں لیکن مونا پتا نہیں سچ کہہ رہا تھا یا جھوٹ۔ جب امی زندہ تھیں تو اس نے یاد کرنے کی کوشش کی۔ اس روز جب وہ اسپتال گئی تھیں تو بڑے بھیا کو گلے لگا کر ان کی پیشانی چومی تھی، دھندلا دھندلا سا ایک تصور ذہن میں کہیں موجود تھا پھر بڑے بھیا.....“ آنسو آہستگی سے رخساروں پر پھسل رہے تھے۔

آرب مونا کو آواز دیتا ہوا کچن میں آیا۔ ”مونایار ایک گلاس پانی دینا اور کھانا جلدی لگانا مجھے ایک بجے جانا ہے۔“ ایلیا نے جلدی سے آنسو پونچھے لیکن آرب کی نظر اس پر پڑ چکی تھی۔

”آپ رورہی ہیں؟“

”مونا اوپر گیا ہے۔“ ایلیا نے نظریں نہیں اٹھائیں۔

”ایلیا“ وہ اس کے قریب چلا آیا۔ ”رونے سے مسائل حل نہیں ہوتے آپ کو بہادر بننا ہے۔ میرا ٹرانسفر یہاں ہو گیا ہے آج مجھے کسی کام سے ساہیوال جانا ہے دو دن تک واپسی ہوگی پر آپ کے ایڈمیشن کے لیے کچھ کرنا ہوں۔“ ایلیا اب بھی خاموش رہی۔ اسے آرب کی ہمدردی اور اس درجہ اپنائیت سے بات کرنے کی وجہ سمجھ نہیں آتی تھی۔ آرب نے اس کے بھیکے رخساروں پر ایک نظر ڈالی ریک سے گلاس اٹھایا اور فریج کھول کر پانی کی بوتل نکالی۔

”ایلیا۔“ گلاس میں پانی ڈالتے ہوئے اس نے آہستگی سے کہا۔ ”آپ نہیں جانتیں آپ کا اس طرح رونا اور یہ بھیگی پلکیں اور بھیکے رخسار کتنے دن مجھے ڈسٹرب رکھیں گے۔“

اس نے ایک جھٹکے سے سراٹھایا لیکن وہ گلاس اٹھا کر باہر جا چکا تھا۔ اس نے کچن کے دروازے سے نکلتے اور پھر اپنے کمرے میں جاتے دیکھا اور کچن ٹیبل کے پاس بڑی کرسی پر بیٹھتے ہوئے ٹیبل پر سر رکھ کر بے اختیار رونے لگی۔ روتے روتے اس کی ہچکیاں بندھ گئیں لیکن وہ روئے چلی گئی۔ خود اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیوں رورہی ہے لیکن آنسو تھے کہ اندے چلے آ رہے تھے۔

بقیہ اگلے ماہ پڑھیں

ایلیا پھر لڑکے کی طرف دیکھنے لگی جو جنگ اڑانے میں کامیاب ہو چکا تھا اور اب خوش ہو رہا تھا۔ ایلیا کا اسے اگنور کرنا شاید آرب مصطفیٰ کو اچھا نہیں لگا تبھی ہونٹ پھینچتے ہوئے اس نے ایلیا کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر اس کا چہرہ اپنی طرف موڑا۔

”کیا ان سارے بیٹے دنوں میں آپ کو میری ذات سے کوئی تکلیف پہنچی ہے۔ میں نے ہمیشہ آپ سے ہمدردی کی ہے۔“

”میں اس ہمدردی کا شکریہ ادا کر چکی ہوں آپ میرے کاغذات لاتے سنا ہوال سے مجھے ایڈمیشن دلوا لیا اس کے لیے میں آپ کی بہت ممنون ہوں اور مزید کیا چاہتے ہیں آپ؟“

”ایلیا آپ سب سے بدگمان ہیں اور ہونا بھی چاہیے لیکن پلیز مجھے غلط مت سمجھیں۔ میں آپ کے



ناولٹ

ابھی اک خواب باقی ہے

نگہت سیما

”ایلیا آپ آخر مجھ سے بھاگتی کیوں ہیں۔ کیا آپ سمجھتی ہیں کہ میں آپ کو نقصان پہنچاؤں گا؟“ وہ جھٹ کی ریلنگ پر کھدیاں نکالے ساتھ والے گھر کی چھت پر کھڑے چھوٹے سے بچے کو جنگ اور ڈور سے اٹھتے ہوئے دیکھ رہی تھی جب آرب مصطفیٰ نے بالکل اچانک اس کے قریب آ کر کہا۔ وہ آشتی گن کھڑی تھی کہ اسے آرب کے قدموں کی آہٹ تک سنائی نہیں دی تھی۔ اس نے ایک نظر اسے دیکھا اور پھر بچے کی طرف دیکھنے لگی جواب ڈور سنبھال چکا تھا اور جنگ اڑانے کی کوشش کر رہا تھا۔

”وجہ بتانا ضروری ہے کیا؟“ وہ مسکرایا۔

اگست 2007ء

156

ماہنامہ پاکیزہ

ساتھ مخلص ہوں اور اس وقت مجھے صرف آپ سے یہ کہنا تھا کہ پلیز کسی بھی کاغذ پر اگر بھائی جان بلال یا طلال آپ سے دستخط کرنے کے لیے کہیں تو مت کیجیے گا۔“ ایلیا نے چونک کر اسے دیکھا۔

اسے کالج جاتے ہوئے چھ سات ماہ ہو گئے تھے۔ کسی نے اس کے ایڈمیشن لینے پر اعتراض نہیں کیا تھا۔ آرب نے خاموشی سے آ کر اسے لیونگ سٹوفلیٹ دے دیا تھا اور کہا تھا کہ کل صبح وہ اسلامیہ کالج کو پروڈ آ جائے اس نے وہاں کی پرنسپل سے بات کر لی ہے۔ بس وہ پرنسپل سے مل لے اور بتادے کہ آرب مصطفیٰ نے بھیجا ہے۔ وہ آرب کے التفات پر حیران تو تھی لیکن اس وقت وہ اس کی مدد لینے پر مجبور تھی۔

صبح ناشتے کی ٹیبل پر اس نے بڑے بھیا کو مخاطب کیا تھا۔ ”بڑے بھیا آج آفس جاتے ہوئے مجھے ڈراپ کر دیجیے گا اسلامیہ کالج۔ میں ایڈمیشن لینا چاہتی ہوں۔“

”ہاں ہاں لے جاؤں گا۔“

”اس طرح آدھا سال گزر جانے کے بعد ایڈمیشن نہیں ملتا۔“ شابی بھابی نے رائے دینا ضروری سمجھا تھا۔ ”میرے پاس لیونگ سٹوفلیٹ ہے۔ میں پرنسپل سے بات کر لوں گی اپنی مجبوری کی۔ اتنی انسانی ہمدردی تو ہوگی ان میں۔“

”کوئی مسئلہ ہوا تو مجھے بتانا میں کوشش کروں گا۔“ چھوٹے بھیا کی بات پر اسے حیرت ہوئی تھی۔

”لیکن اتنا پڑھ لکھ کر کیا کر دوں گی؟ میرے خیال میں تو ایف۔ اے کر لیا ہے بہت ہے۔“ چھوٹی امی کو شاید یہ پسند نہیں آ رہا تھا کہ وہ کالج جائے۔

”ماما مجھے تو آپ کہتی ہیں کہ ڈاکٹر بنو نہیں تو ایم ایس سی کرنا۔ آج کل تو ہر لڑکی ماسٹر سے کم نہیں پڑھتی پھر ایلا کو کیوں منع کر رہی ہیں؟“ جلدی جلدی انڈا چھیلتی ہوئی انوشہ چپ نہیں رہ سکی تھی۔ چھوٹی امی نے اسے گھور کر دیکھا۔ آرب مصطفیٰ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھر گئی جب کہ اس نے چہرہ جھکا کر مسکراہٹ چھپانے کی کوشش کی تھی۔

یوں اس کی پڑھائی کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا عادل اور انکل آفتاب نے نوں پر خوشی کا اظہار کیا تھا پڑھائی جاری رکھنے کی تاکید کی تھی۔ اسے ان دنوں سی باتیں حیران کرتی تھیں۔ بڑے بھیا اور چھوٹے بھیا کا التفات ابی جان کا کبھی کبھار اس کی خیریت لینا۔ وہ ابھی تک اس حقیقت سے بے خبر تھی کہ طلاق کیوں دلوائی گئی ہے۔ بوا سے بھی کچھ خاص نہیں ہو سکا تھا۔ سوائے اس کے کہ انہوں نے ایک اسفندیار کو بڑے بھیا سے کہتے سنا تھا کہ اگر ایلیا ہی رہی ساہیوال میں تو ساری جائیداد بھی وہاں جائے گی۔ وہ لوگ مالک بن جائیں گے۔

”لیکن بوا کون سی جائیداد.....؟“ اس کا خیال بوا اب اونچا سننے لگی ہیں۔ اس لیے کچھ کا کچھ سمجھ لیا۔ ”یہ تو مجھے معلوم نہیں.....؟“ اس روز اس کو بہت کریدا تھا۔

”سچی بات ہے بیٹا ہم تو اتنا نہیں جانتے“ میاں یہ ذرا سے تھے جب ہم اس گھر میں آئے تمہارے ابی جان نے کہا تھا بچوں کی والدہ بیمار ہا اسپتال میں ہیں۔ ان کی دیکھ بھال کے لیے یہاں ہی رہنا ہوگا۔ اپنا آگے پیچھے تو کوئی تھا نہیں ایک بیاہی بیٹی کے سوا دھر ہی کے ہو رہے۔ ابھی آٹھ سال بھر بھی نہیں ہوا تھا کہ ایک روز اسفندیار تمہارا امی کے ساتھ آ گئے۔“

”یہ ثمرین ہیں بوا تمہاری بیگم صاحبہ۔“ ”اللہ بخشنے ثمرین بی بی بھی کیا چیز تھیں۔ صورت تو اللہ نے ایسی پیاری دی تھی۔ اس پر اللہ سیرت چند ہی دنوں میں سب گردیدہ ہو گئے۔ بلال کسی سے سنبھلتا نہ تھا۔ ضدی اور چڑچڑا اب ثمرین بی بی کا پلو تھا ہے ان کے ساتھ ساتھ پھرتا رہتا۔ سچ تو یہ ہے سالوں میں ثمرین بی بی نے بلال اور طلال دونوں کو اتنی دی اتنا خیال رکھا ان کا کہ کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ ان کی سگی اولاد نہیں ہے۔“

”امی کے میکے سے کبھی کوئی نہیں آیا ملنے؟“ ”ملک صاحب ہی آتے تھے ایک بار ثمرین بی بی

نے ذکر کیا تھا کہ ان کی پیدائش پر ہی ان کی والدہ وفات پا گئی تھیں۔ نانا، نانی نے پالا تھا۔
”تو نانا، نانی.....؟“

”شاید وہ بھی وفات پا گئے ہوں۔“ بوائے خیال ظاہر کیا۔

”اور امی کے ابو۔“

”شرین بی بی نے ایک بار بتایا تھا کہ وہ دوسری شادی کر کے کسی دوسرے ملک میں سینٹل ہو گئے تھے پھر وہ بھی پاکستان آئے اور نہ رابطہ رکھا۔“

اس روز وہ بے تحاشا اداس رہی تھی۔ کاش اس کے نانا ابو بھی پاکستان آ جائیں اپنی نو اسی کو ڈھونڈنے کے لیے وہ زندہ بھی ہیں یا نہیں اور امی کے نانا، نانی تو یقیناً وفات پا چکے ہوں گے بھی تو آفتاب انکل نے امی کی شادی اپنے گھر سے کی تھی۔ کاش کوئی کہیں ہوتا اس کا اپنا بہت اپنا۔

”ایلیا آپ نے میری بات سمجھ لی ہے نا؟“
”ارب مصطفیٰ نے اسے خاموش دیکھ کر کہا تو اس نے جھنجھلا کر اسے دیکھا۔“

”آخر میرے کہیں دستخط کرنے یا نہ کرنے سے آپ کا کیا نقصان ہے؟“

”میرا تو نہیں لیکن مجھے ڈر ہے کہ کہیں آپ کا نقصان نہ ہو جائے۔“ اس کی خوبصورت آنکھوں پر لمحے کو اس کی نظریں ٹھہریں۔

”کیا آپ کو چھوٹی امی نے کہا ہے کہ.....؟“

”اوہ مائی گاڈ! ایلیا آپ بہت ہی غلط سمجھ رہی ہیں حیرت ہے ابھی تک آپ مجھے نہیں سمجھ سکیں اور نہ آپ نے میرے کسی لفظ یا جملوں کی گہرائی تک پہنچنے کی۔ کیا آپ ہمیشہ مجھے اپنی چھوٹی امی کا بھائی کی سزا دیتی رہیں گی۔“

”مگر میں نے تو آپ کو کچھ نہیں کہا۔“ ایلیا نے اندر حیرت اور معصومیت سے کہا۔

”ایلیا.....“ اس نے ایک گہری سانس لی۔

”میرا خیال ہے آج میں آپ سے وہ بات کر ہی

لوں جو پتا نہیں مجھے کرنی چاہیے یا نہیں پھر شاید مجھے موقع نہ ملے۔ شاید آپ مجھ پر اعتبار بھی کر لیں۔ میں نے آپ سے کہا تھا کبھی آپ کو بتاؤں گا کہ مجھے آپ سے دلچسپی کیوں ہے اور میں نے آپ سے یہ بھی کہا تھا کہ آپ کے جانے کے بعد اس گھر میں سب سے زیادہ میں نے آپ کو یاد کیا۔ آپ کو حیرت بھی ہوئی تھی کہ جب آپ یہاں تھیں تو میری آپ سے کبھی بات چیت نہیں ہوتی تھی بلکہ آپ مجھے اس طرف جانے سے بھی منع کر دیتی تھیں جہاں آپ ہوتی تھیں۔“ وہ تھوڑا سا مسکرایا۔

”حالانکہ ان دنوں جب آپ کی شادی ہوئی تو میں ایک دو بار آپ کو دیکھ کر چونکا۔ میرا جی بھی چاہا کہ میں اس بے حد ذہین اور پیاری لڑکی سے بات کر کے دیکھوں اور شاید آپ کے سامنے بھی ایک دو بار میں نے آپ کی تعریف کر دی تھی۔ میں نہیں جانتا تھا ایلیا کہ میری عام سی کہی بات آپ کے راستے میں کانٹے بو دے گی جب آپ کی شادی ہوئی تو میں یہاں نہیں تھا جب آیا تو جو بات مجھے پتا چلی وہ میرے لیے انتہائی تکلیف دہ تھی۔ مجھے بتایا گیا تھا کہ آپ نے بھائی جان سے کہا ہے کہ آپ.....“ وہ جھجکا ”کہ آپ کا کیریئر..... اور یہ کہ آپ مجھ پر ڈورے ڈال رہی ہیں اور ثبوت کے لیے آپ نے آپ کی طرف سے میرے نام لکھے خطوط بھائی جان کو دکھائے اور یہ مشورہ دیا کہ فوراً آپ کی شادی کر دی جائے ورنہ میری طرف سے مایوس ہو کر آپ کہیں کوئی اور گل نہ کھلا دیں۔“ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے آرب کو دیکھ رہی تھی اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ چھوٹی امی نے اتنا بڑا جھوٹ بولا۔

”کاش مجھے پہلے پتا چل جاتا تو میں بھائی جان کو تیار کر کے ایسا کچھ نہیں تھا انہیں کوئی فیصلہ کرنے سے روک دیتا۔“ آرب کے لہجے میں تاسف تھا۔

”اور بعد میں آپ نے ابی جان کے سامنے میری صفائی پیش نہیں کی وہ ابھی تک مجھے.....“

”نہیں ایلیا! میں نے اسی وقت بھائی جان سے بات کی تھی کہ ایلیا نے تو کبھی مجھ سے بات تک نہیں کی

اور آپ کو غلط نہیں ہوئی ہے۔“

”پھر بھی..... پھر بھی انہوں نے چار سالوں میں کبھی مجھے فون تک نہیں کیا۔ میرے آنے پر مجھ سے بات تک نہیں کی۔“

”ہاں کیونکہ انہوں نے مجھ سے کہا ”میں جانتا ہوں کہ اسے تم سے بات کرنے کی جرأت نہیں ہوگی کبھی اسی لیے تو تمہارے نام وہ غلط خط لکھے۔ وہ تو شکر ہے تمہاری آپا جان کے ہاتھ لگ گئے ورنہ.....“

”اور ایلیا جب میں نے آپا سے کہا کہ مجھے وہ خط دکھائیں تو انہوں نے کہا کہ تم کیا سمجھتے ہو کہ میں اس بدنامی کے پلندے کو سنبھال کر رکھ لیتی جاؤں؟ سب۔“

”میرے پاس اب کوئی ثبوت نہیں تھا میں بلال اور طلال کو وہ خطوط دکھا کر ثابت کرنا چاہتا تھا کہ وہ تمہاری رائٹنگ نہیں ہے۔ میں تمہارے کمرے سے تمہاری فائل اٹھالایا تھا لیکن.....“

”آپ کو کیوں یقین تھا کہ وہ خط میں نے نہیں لکھے تھے۔“ ایلیا کو خود اپنی آواز بہت دور سے آتی محسوس ہوئی۔

”اس لیے کہ آپ اتنی سبھی سبھی رہتی تھیں اور مجھے پتا نہیں کیوں یقین تھا کہ آپ ایسا نہیں کر سکتیں۔ میں اپنی آپا کو بہت اچھی طرح جانتا تھا۔ وہ رواجی سوتیلی ماں تھیں اور آپ سے شدید نفرت کرتی تھیں۔ میں دل ہی دل میں شرمندہ ہوتا رہتا تھا کہ میری وجہ سے آپ کی تعلیم ناممل رہ گئی۔ ہاں یہ اطمینان ضرور تھا کہ آپ کی شادی ایک اچھے شخص سے ہوئی ہے۔ آفتاب ملک کا گھرانہ ایک بہترین گھرانہ ہے۔ اللہ نے آپ کی مدد کی تھی۔ آپ بے گناہ تھیں، موصوم تھیں آفتاب ملک کی اچانک آمد اور بھائی جان سے ساری بات سننے کے بعد انہوں نے فوراً ہی آپ کو مانگ لیا اور آپ زریاب خان سے بچ گئیں۔“

”کیا انکل کو یہ سب پتا تھا؟“ اس نے مری مری آواز میں پوچھا۔

”ہاں..... اب آپ کی سمجھ میں آیا کہ آپ سے میری دلچسپی کی وجہ کیا تھی۔ میں کبھی بھی اس قصور پر تادم

ہو جاتا تھا جو میں نے کیا ہی نہیں تھا۔ میں اگر یہاں نہ رہتا ہوتا آپا کے پاس تو پھر شاید آپ کے ساتھ ایسا نہ ہوتا..... مجھے آپ کی تعلیم کے ادھورا رہ جانے کا بہت افسوس تھا کیونکہ ایک بار میں نے آپ کو بڑے بھیا سے اپنی تعلیم کے حوالے سے بات کرتے سنا تھا آپ بہت زیادہ پڑھنا چاہتی تھیں۔ آپ کے خواب.....“ ایلیا کو لگا جیسے کوئی اس کا دل چیرے جا رہا ہو۔

”جب آپ واپس آئیں اور میں نے سب کو روک دیکھا آپ کے ساتھ..... اور آپ کی آنکھوں میں ٹھہری اداسی تو میں چونکا کہیں کچھ غلط ہے آپ شاید خوش نہیں ہیں۔ مجھے لگا جیسے آپ تنہا ہیں کسی دوست کی ضرورت ہے آپ کو..... لیکن میں یہ بھی جانتا تھا کہ آپ مجھے دوست نہیں سمجھ سکتیں پھر یہ سانحہ ہو گیا اور میں آپ کو بہت زیادہ سوچنے لگا۔“ ایلیا نے سر جھکا لیا تھا اور آنکھوں میں آنی نمی کو چھپانے کی کوشش کر رہی تھی۔

”خیر یہ باتیں پھر بھی ہوں گی۔ اس وقت تو میں آپ کو یہ کہہ رہا تھا کہ دستخط.....!“

”لیکن وہ تو میں نے کر دیے۔“ اس کے لیے سے بے اختیار لگا۔

”کیا.....! کر دیے پڑھے تھے کیسے پیر تھے؟“

”نہیں۔“ اس نے لگا ہی نہیں اٹھائیں۔

”ابی جان نے کہا تھا مختار نامہ ہے۔“

”کس بات کا مختار نامہ؟ کیا آپ نے پوچھا تھا؟“

”نہیں.....“ وہ دھیرے سے بولی۔

”کس قدر حائق ہیں آپ.....!“ آرب نے بھڑک کر کہا۔

”اس میں حقاقت کی کیا بات ہے؟“

”ایلیا آپ نہیں سمجھ رہے ہیں کہیں کچھ گڑبڑ ہوئی ہے۔“

”تک آپا نے مجھ سے کوئی بات نہیں کی لیکن وہ عرصے تک مجھ سے کوئی بات نہیں چھپا سکتیں جلد ہی مجھے پتا چل جائے گا۔ یہ تو مجھے انوشہ نے بتایا تھا کہ آپ کے نام کچھ جانداد ہے۔ ایلیا آپ کی ماما کی کوئی جانداد بھی تھی۔“

”میرے خیال میں تو نہیں۔“ وہ ہلکے سے

”میں کوئی کسی ملک کی شہزادی نہیں ہوں۔ امی کے والدین کا تو انتقال ہو چکا تھا انکل آفتاب نے ان کی شادی کی تھی۔“

”اوہ..... پھر یہ کیا چکر ہے؟ خیر آپ آئندہ مزید کسی پیپر پر دستخط مت کیجیے گا اور یوں اس طرح آپ اوپر نہ آیا کریں خدا نخواستہ.....!“ اس نے مڑ کر ہندو کمرے کی طرف دیکھا۔ کھڑکی کھلی تھی اور سامنے بیڈ پر کرڈٹ کے بل لیٹی ہوئی عورت کھلی کھڑکی سے نظر آ رہی تھی۔

”نہیں یہ خطرناک نہیں ہیں۔“

”اوکے“ میں اب چلتا ہوں۔ میرا یہاں زیادہ دیر رہنا مناسب نہیں ہے آپ کے لیے۔ اچانک کوئی آ بھی سکتا ہے۔“ وہ مڑا۔

ایلیا نے آج کالج سے چھٹی کی تھی چھوٹی امی، ماما بھائی اور روشی بھائی کے ساتھ کہیں تعزیت کے لیے گئی ہوئی تھیں جب کہ گڑیا، اسما اور انوشہ وغیرہ اپنے اپنے کالج اور اسکول گئی تھیں۔ وہ بڑے بھیا کی امی سے ملنے اور برائی تھی لیکن وہ سو رہی تھیں اس لیے وہ ریلنگ کے پاس کھڑے ہو کر اس بچے کو دیکھنے لگی تھی۔

”ایلیا زندگی کسی ایک شخص پر ختم نہیں ہو جاتی۔ ہمیں پتا نہیں چلتا لیکن بہت ساری خوشیاں اس سے آس پاس ہی بکھری ہوئی ہیں۔ بس انہیں سمجھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔“ ایلیا نے اس کی بات سن لیکن اس کے لفظوں پر غور نہیں کیا اس کے دل پر ایک ہی جیسے دکھ کا ایک بھاری بوجھ آگرا تھا۔ چھوٹی امی نے ایسا کیا۔ ابی جان نے ایسا سمجھا..... اور انکل آپ..... یکا یک اس کے دل میں ان کے لیے موجود دنیا میں کئی گنا اضافہ ہو گیا۔ کیا دنیا میں ان جیسے لوگ لاتعداد ہیں اور انہوں نے ایک بار بھی نہیں بتایا۔ یاد آیا کہ جب انکل نے اسے بلایا تھا تو آرب کے ساتھ ہی پچھا تھا کہ وہ اسے کیا لگتا ہے۔ شاید وہ سچ جانتا ہے۔

”اے.....“ وہ عورت کھڑکی میں کھڑی تھی ایلیا نے ہلے چلتی ہوئی کھڑکی کے پاس آئی اور

مسکراتے کی کوشش کی۔

”اسلام علیکم ای جان!“ عورت نے سر ہلایا وہ اسے محبت سے دیکھ رہی تھی۔

”آؤ نا اندر۔“ عورت نے بے حد پیار سے بلایا۔

”تو ابی جان نے چھوٹی امی کی بات پر یقین کر لیا۔ مجھ سے پوچھا تک نہیں ایک بار بھی نہیں پوچھا کہ سچ کیا ہے۔“ وہ سوچ رہی تھی۔۔۔ آنسو اس کے رخساروں پر پھیل آئے۔

”تو ایلیا اسفند یار یہ تھی تمہاری اوقات کہ تمہارے سگے باپ نے تم سے یہ تک پوچھنا گوارا نہیں کیا کہ وہ جرم جو تم پر حاکم کیا جا رہا ہے آیا تم نے وہ جرم کیا بھی ہے یا نہیں اور سننا سنا دی گئی۔ کل کے مجرم کو بھی صفائی کا موقع دیا جاتا ہے لیکن۔۔۔“

”تم کیوں رو رہی ہو؟ تم ندر۔“ عورت اسے روتے دیکھ کر بے چین ہو گئی تھی۔ اس نے گزل سے ہاتھ باہر نکالنے کی کوشش کی جیسے وہ اس کے آنسو پونچھنا چاہتی ہو۔ پہلی بار جب وہ بوا کے ساتھ اندر گھرے میں گئی تھی تو اندر سے ٹھوڑی ٹھوڑی خوفزدہ تھی حالانکہ بوائے اسے بتایا تھا کہ وہ کچھ نہیں سمجھتی جب سے آئی ہیں دو تین بار ہی دورہ ہوا ہے۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی تھیں اور وہ سچی سے اسے دیکھنے لگی تھیں۔

”تم کون ہو؟“

”آپ کی بیٹی ہوں۔“

”اچھا!“ عورت کے ہونٹوں پر پہلے مسکراہٹ نمودار ہوئی پھر آنکھوں میں ابھری نظر آنے لگی تھی۔ ”لیکن تم تو مر گئی تھیں جب اتنی سی تھیں۔۔۔“ ہاتھ سے اشارہ کیا۔ ”شاید میں نے خواب دیکھا تھا کہ تم مر گئی ہو۔ چھوٹی سی عمر میں ہی لیکن تم اتنے دنوں سے کہاں تھیں میرے پاس کیوں نہیں آئی تھیں؟“

”بی بی جی ان کی تو شادی ہو گئی تھی یہ امریکا چلی گئی تھیں شادی کے بعد اب آئی ہیں۔“ بوائے بتایا۔

”اچھا اچھا میں اسپتال میں تھی نا مجھے پتا ہی نہیں چلا۔ تمہارے ابو نے تمہاری شادی کر دی ہوگی۔ دیکھو

اب تو میں ٹھیک ہوں اپنے ابو سے کہو مجھے گھر جائیں۔ یہ جو تمہارا بھائی ہے نا بلو یہ مجھے اس اسپتال سے لے آیا ہے۔ یہ اچھا اسپتال نہیں ہے نا؟“

ہاں۔“ اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

”تم مجھے امریکا لے جاؤ اپنے ساتھ۔ میں وہاں تمہارے کام کروں گی۔ تمہارے بچوں کو تھلاؤں گی۔ ان کے کپڑے دھوؤں گی۔“ پھر جیسے اچانک ہک ہک آیا۔

”تمہارے بچے کہاں ہیں؟“

”نہیں ہیں۔“

”اوہ تو تاسف سے اسے دیکھنے لگیں پھر اپنا ہاتھ اس کے قریب لے جا کر سرگوشی میں پوچھا۔

”سسر وال والے اور شوہر تو کچھ نہیں کہتا نا۔۔۔“

”نہیں۔“ اس نے ٹکی میں سر ہلایا وہ اسے ہاتھ نازل لگ رہی تھیں۔ جب وہ جانے کے لیے اٹھی تو وہ رونے والی ہو گئیں۔

”مجھے چھوڑ کر نہ جاؤ۔ تم تو میری بیٹی ہو نا۔ بیٹیاں تو ماؤں کی ہوتی ہیں نا مجھے ڈر لگتا ہے رات کو۔“

لیکن وہ انہیں اداس چھوڑ کر آگئی تھی پھر کتنے ہی دن وہ بے حد اداس رہی۔ اسے لگا جیسے قاضیین ہاؤس کے ڈاکٹرز نے سچ کہا تھا کہ انہیں گھریلو ماحول کی ضرورت ہے لیکن یہ گھریلو ماحول تو نہ تھا بلکہ فید خانہ جہاں تین وقت کا کھانا دے دیا جاتا تھا سچ جب بھی موقع ملتا بوا کے ساتھ چلی جاتی، ان کی کبھی کرنی کپڑے تبدیل کرواتی اور یوں ہی چھوٹی چھوٹی باتیں کرنی رہتی اسے ان سے ماں کی خوشبو آنے لگی تھی۔ وہ کبھی اس کے ہاتھ چوم لیتیں کبھی پیٹتی، کبھی گلے لگاتیں۔ مختلف مشورے دیتیں کہ فلاں کے پاس جاؤ فلاں ڈاکٹر بہت ماہر ہے۔ وہ اسے کہیں سے بھی باکر نظر نہیں آتی تھیں۔ کبھی کبھار ایک دو جیسے ایسے کہ جانتیں جو انہیں پاگل ظاہر کرتے تھے در نہ عام طور پر نازل ہی ہوتی تھیں۔ بوا سے ہی اسے پتا چلا تھا کہ بوا کے بعد ان کی ایک بیٹی ہوئی تھی جو چند دن کی ہو کر مر گئی تھی۔ ان دنوں ان کی ذہنی حالت خراب ہو رہی تھی

ایسی حالت میں پیدا ہوئی تھی۔

”لیکن اس پاگل پن کی وجہ؟“ اس نے پوچھا

”اللہ جانے بچی تیرے ابی جان کو میں نے سمجھ لیا۔ پاگل پن کی بیماری موروثی ہے ان کے خاندان کی اس کی دماغ کا کیا پتا کہ کب اس میں کیا فتور ہو جائے۔“

گئی بار اس کا جی چاہا تھا کہ وہ بڑے بھیا سے مل کرے ان سے کہے کہ وہ ابی جان کو یوں الگ نہ رکھیں۔ سب کے درمیان نازل زندگی گزارنے میں لیکن پھر بڑے بھیا سے بات کرنے کی بات نہ ہوئی۔ ان دنوں پتا نہیں کیوں بڑے بھیا غصے میں رہتے تھے۔ ایک دوبار اس نے انہیں شابلی بھابی گرا کر کرتے ہوئے بھی سنا تھا۔

”تم نہ رونا میرے دل کو کچھ ہو رہا ہے۔ چپ کر میری بیٹی۔“ انہوں نے اسے پکارتا تو باتیں ہاتھ کی سے اس نے آنسو پونچھے۔

”مجھے بتاؤ کسی نے تمہیں کچھ کہا ہے میں اس کی کو توڑ دوں گی۔“

”نہیں مجھے کسی نے کچھ نہیں کہا۔“ اس نے جلدی لہرائی۔

”سر میں درد ہے۔“

”ادھر آؤ اندر میں تمہارا سر دبا دوں گی۔“ وہ پیار دلیں۔

”دم کروں گی تو درد ٹھیک ہو جائے گا آؤ نا۔“

بائے دروازے کی طرف دیکھا۔

”اس بڑھی سے کہو نا آ کر دروازہ کھول دے۔“

اسے لہجے میں غصہ تھا۔ ایلیا اچھا کہتے ہوئے سڑی اور اٹھیں ہاتھ کی سطحی کھول کر چالی کو دیکھا پھر تیزی سے درمیان اترتی چلی گئی۔ لاؤنچ میں آ کر اس نے دروازے کی ٹرائی کی دروازے میں رکھی اور تیزی سے اپنے سے میں چلی گئی۔ وہ رونا چاہ رہی تھی۔ دل کسی کی بوجھ سے دبا تھا۔ جب بھی اس کا جی چاہتا تھا وہ اپنے لے کر اوپر چلا جاتی تھی اب اسے بڑی امی سے ڈر بھی

نہیں لگتا تھا اور وہ انہیں بڑی امی کہہ کر ہی بلانے لگی تھی۔ بوا نے اسے بتا دیا تھا کہ امی کے کمرے کی چابی بیباں دروازے میں ہوتی ہے۔

آخر میں کیوں اس دنیا میں آئی؟ بہتر ہرگز روتے ہوئے اس نے کتنی ہی بار سوچا۔ ”کسی کو میری چاہ نہیں ہے اور کوئی میرا اپنا نہیں ہے اگر آفتاب اٹھل اس روز نہ آتے اور مجھ سے ہمدردی نہ کرتے تو میں اس ستر سالہ ذریعہ خان کی ٹھوکریں کھا رہی ہوتی۔“ روتے روتے اس نے جھرجھری لی۔

”آپ اتنی باپس کیوں ہیں ایلیا؟“ ایک گھبراہٹ آواز کا توں میں گونجی تھی۔

”کوئی آپ کا منتظر ہے۔ خوشیاں تو آپ کے قریب بکھری پڑی ہیں۔ بس انہیں کھوجنے کی ضرورت ہے۔“ دل کے اندر کہیں گہرائی میں ایک انوکھا سا احساس ابھرا تو وہ روتے روتے اٹھ کر بیٹھ گئی۔

”آر ب مصطفیٰ۔۔۔ نہیں بھلا میرا آر ب مصطفیٰ کا کیا ساتھ۔ گویا چھوٹی امی کی بات سچ ثابت ہو جائے۔“ اندر چلنے والی روشنی کی تھمسی سی روش بھڑک کر بجھ گئی۔

”زندگی صرف ایک شخص پر ختم نہیں ہو جاتی۔“ اندر پھر آواز میں گونجنے لگی تھیں اس نے گھبرا کر سیل فون اٹھایا اور آفتاب ملک کا نمبر ہلایا۔

”انگل نہ میں ہوں ایلیا۔“

”ایلیا بچے کیا ہوا یہ تمہاری آواز تم رو رہی ہو؟“ وہ یکدم گھبرا گئے تھے۔

”انگل۔“ اس نے پھر اٹھ آنے والے آنسوؤں کو پونچھا۔

”انگل کیا میری امی کی کوئی پرسل پر اپنی بھی تھی؟“

”ہم کیوں پوچھ رہی ہو؟“ انہیں حیرت ہوئی۔ ”ان کے والدین وفات پا چکے تھے آپ نے ان کی شادی اپنے گھر سے کی ان کے والدین کی کوئی پر اپنی تو ہوئی نا زیادہ نہ کہیں گھر تو ہوگا ان کا اور ظاہر ہے وہ ماما کوئی ملنا تھا نا۔“ وہ لہجہ بھر کا خاموش ہو گئے پھر

آنکلی سے کہا۔

”ایلا بچے مجھے اصل بات بتاؤ کیا ہے۔“

”انگل اٹوٹ اور سونا کا خیال ہے کہ ابی جان نے مجھے کسی جانداد کے چکر میں طلاق دلوائی ہے اور آرب نے مجھے منع کیا ہے کہ میں کسی پیپر پر دستخط نہ کروں لیکن ابی جان نے تو مجھ سے کسی بھارتیے پر سائن کروائے ہیں۔“ انہوں نے ایک گہرا سانس لیا۔

”اوہ۔۔۔ ایلا تم کتنے بچے کالج جاتی ہو؟“ انہوں نے ایک گہرا سانس لے کر پوچھا۔

”آٹھ بچے۔“

”جیسے کون ڈراپ کرتا ہے؟“

”کبھی بڑے بھیا اور کبھی ڈرائیور۔“

”تو جیٹا گل وہیں گیٹ کے پاس رکھنا۔۔۔۔۔“

”آپ یہاں ہیں اور میں۔۔۔۔۔“

”ہاں میں کسی کام سے آیا تھا تمہاری خاطر رکھا تھا شاید کوئی تینس ٹم سے ملنے کی ہو سکے۔ تمہاری چابی نے تمہارے لیے کچھ چیزیں بھیجی ہیں۔ ابھی میں سوچ رہا تھا کہ تم سے فون کر کے کالج آنے کا پوچھوں کہ تمہارا فون آگیا۔ گل انتا اللہ باتیں ہوں گی اور ہم اس صورت حال پر غور کریں گے اور میں تمہیں بتاؤں گا۔“

”جی اچھا۔“

”او کے“ اب روتا نہیں ہے۔ میں اور تمہاری چابی ہیں نا۔“ وہ فون بند کر کے کتنی ہی دیر خاموش بیٹھی رہا۔ وقت کٹ نہیں رہا تھا۔

رات بھر تقریباً جاگتی ہی رہی تھی۔ صبح سر بوجھل ہو رہا تھا ایک لمحے کوئی چاہا کہ کالج نہ جائے ویسے بھی کالج میں ہفتہ طالعبات چل رہا تھا لیکن پھر انگل آفتاب کا خیال آتے ہی وہ اٹھ کھڑی ہوئی جلدی جلدی۔ نہ ہاتھ دھو رہے تھے آئی تو بڑے بھیا لاؤنج میں گول میز کے گرد بیٹھے ناشتا کر رہے تھے۔ پرائیڈ اور آلیٹ کی خوشبو سارے میں پھیلی ہوئی تھی۔

”آ جاؤ تم بھی ناشتا کرلو۔“ انہوں نے خوش دلی

سے کہا۔ وہ کرسی کھینٹ کر بیٹھ گئی رات بھی اس نہیں کھایا تھا۔

”لو کھاؤ۔“ انہوں نے ہاتھ میں پکڑا ہوا پراٹھا جس میں آلیٹ تھا اس کی طرف بڑھا ہوا ہاتھ صاف کرتے ہوئے انہوں نے اس کی طرف اشارہ کیا اور بڑے۔“ آلیٹ دو پراٹھا رول۔“

”پراٹھا۔۔۔۔۔ آلیٹ۔۔۔۔۔ بڑے بھیا۔“ انہوں نے کہا کچھ یاد آگیا تھا آنکھیں نم ہو گئیں۔ وہ بڑے بھیا کی طرف بڑھا اور آلیٹ کے ساتھ ساتھ کھانا کھا کر اس میں آلیٹ رکھ کر اسے بھی کھاؤ آلیٹ دو پراٹھا رول پھر دونوں ہاتھوں اس میں سے نوالہ توڑتے تھے۔ بڑے بھیا نے جانتے تھے کہ وہ ان کی سگی بہن نہیں تھیں پھر اس کا خیال رکھتے تھے۔ اس نے ہاتھ میں پکڑا ہوا رول میں رکھ دیا اور بھلی بھلی جھکالیں۔ بڑے بھیا بھی شاید کچھ یاد آگیا تھا۔

”خوش رہا کرو ایلیا اب جو ہوتا تھا وہ دیکھو۔۔۔۔۔ بات ادھوری چھوڑ کر وہ کھڑے ہوئے۔“ تم نے جانا ہے کالج؟“

”ہاں۔“ وہ کھڑی ہو گئی۔

”تم ناشتا کرلو میں وہٹ کر لیتا ہوں۔“

”نہیں میرا جی نہیں چاہ رہا۔“ بڑے بھیا نے ایک لمحے کو ہاتھ پلیٹ کی طرف بڑھایا اور کہا۔

”او کے پھر کینٹین میں کچھ کھا لیتا۔“

الطاف جہاں اسے خوش کرتا تھا وہاں اس کی

میں ڈیڑھ گھنٹہ میں بھر جاتے تھے۔ بڑے بھیا نے تمام راستے کوئی بات نہیں کی تھی۔ وہ بھی شاید کچھ سوچتی رہی پھر بڑے بھیا اسے گیٹ کے پاس لے گئے۔ لڑکیاں اندر جا رہی تھیں۔ وہ اندر

لگا ہوں سے دیکھ رہی تھی۔

”ایلا بیٹا۔“ دائیں طرف سے انگل آگیا۔

نے آکر کہا تو وہ چوکی۔

”انگل۔“ اس کے لبوں سے نکلا۔

”میرے ساتھ آؤ۔“ وہ خاموشی سے سر جھکائے۔ اس کی گاڑی میں آ بیٹھی تب اس نے غور سے اسے دیکھا۔ پہلے کے مقابلے میں کمزور لگ رہے تھے۔

”چاہی ٹھیک ہیں؟“

”ہاں۔“

”انہیں بھی لے آتے بہت اداس ہو رہی ہیں۔“

”مجھے اندازہ نہیں تھا کہ اس طرح ملاقات ممکن ہے۔“

”اب آیا تو ضرور لاؤں گا۔ وہ بھی تمہارے لیے۔“

”ہاں۔“

”میرا دل تک خاموشی رہی۔ کمرے میں آ کر پہلے فون کر کے ناشتا منگوا یا۔“

”مجھے پتا ہے تم نے ناشتا نہیں کیا ہوگا پہلے دونوں

میں گئے پھر باتیں ہوں گی۔“ وہ مسکرائے اور

”میں کی طرف بڑھ گئے جب کہ وہ بیٹھتے ہوئے

کا ہاتھ لے لیتے تھے۔

☆☆☆

اسفند یار شریات خان اور میں ہم بیٹوں

دوست تھے۔ ہماری دوستی کی ابتدا فرسٹ ایئر

میں تھی۔ شریات خان عمر میں ہم سے چھوٹا تھا۔ کم از کم

ایک سال ہم نے ایک ہی کلاس میں اینڈیشن لیا تھا۔

وہاں سے ملنا پڑنے کے لیے گیا تھا۔ میرے

سب کا خیال تھا کہ ساہیوال میں رہ کر بگڑنا جا رہا

ہے والد کا انتقال ہو چکا تھا۔ اس کی والدہ

ملتان ماسوں کے پاس بیچ دیا تھا ان کا بھی

موت ہوئے کی وجہ سے اسفند ان کے کہنے

سے۔ اسفند کے مزاج میں تھوڑی تیزی تھی۔

اس نے کچھ لڑکوں سے جھگڑا کر لیا تھا۔ اس

دل میں نے اسے خوفزدہ ہو کر یہاں بھیجا تھا جب

ت خان ملتان میں رہتا تھا اس کے بابا حیات

بڑے جاگیردار تھے۔ سندھ میں اور سرگودھا

کی بڑی زمین تھی۔ ملتان میں بھی ان کا گھر کسی

مکان تھا۔

تھی، حویلی بھی بہت بڑی تھی لیکن شریات خان کے مقابلے میں ہم کچھ بھی نہ تھے لیکن شریات بہت پیارے مزاج کا لڑکا تھا۔ ہم اکثر اس کی حویلی چلے جاتے تھے۔ خوب

خاطر تواضع کی جاتی۔ میں تو ہاسٹل میں رہتا تھا اور اسفند

اپنے ماسوں کے گھر لیکن وہ تقریباً ہر دیک ایئر پر ہم

دونوں کو گھر لے جاتا تھا۔ ہماری حیثیت گھر کے ایک فرد

کی سی ہو گئی تھی۔ شریات خان کے گھر میں اس کے والد

ملک حیات خان، والدہ اور اس کی ایک بھانجی تھی۔ شریات

کی بہن کا انتقال ہو چکا تھا اور بھانجی ان کے پاس رہتی

تھی۔ بہنوئی بیوی کی وفات کے بعد ملک سے باہر چلے

گئے تھے تھا انہوں نے وہاں ہی شادی کر لی تھی۔ بچی

سے ان کا کوئی رابطہ نہ تھا۔ جن دنوں ہم نے فرسٹ ایئر

میں داخلہ لیا تو شریات دس سال کی تھی۔ ایلیا جو سارے

پیشی ملک آفتاب کوں رہی تھی یکدم چوکی۔

”شریات۔۔۔۔۔ اس کی ماما۔“ دل کی دھڑکن یکدم

تیز ہو گئی تھی۔

”شریات سب کی لاڈلی تھی۔ ملک حیات خان کی

تو جیسے اس میں جان تھی اور شریات اپنے سے صرف سات

سال چھوٹی بھانجی کے بے حد لاڈ لگتا تھا۔ شریات بڑی

بہن سے گیارہ سال چھوٹا تھا۔ ہم نے گریجویٹیشن کر لیا تو

اسفند یار کی شادی اپنی کزن سے ہو گئی جو عمر میں اس

سے بڑی تھی لیکن اس کی ماں کا خیال تھا کہ بچا کے بہت

احسان ہیں اس پر اس لیے۔۔۔۔۔ بہر حال اسفند یار خوش

اور مطمئن تھا۔ وہ وہاں لاہور چلا گیا تھا اور چچا کے ساتھ

ان کے بڑے میں ہاتھ پانے لگا تھا لیکن مینیے دو مینیے

بعد ایک چکر ضرور لگا تا تھا۔ میں نے اور خمر نے ماسٹر کر

لیا۔ ہماری بھی شادیاں ہو گئیں لیکن ہمارے درمیان

دوستی کا رشتہ ایسا ہی رہا۔ میری اور شریات کی اکثر ملاقات

رہتی تھی۔ کبھی وہ ساہیوال آ جاتا تھی میں ملتان چلا جاتا

لیکن اسفند یار اب کم کم آنے لگا تھا اور اس کی وجہ یہ تھی

کہ اس کی بیوی کا ذہنی توازن خراب ہو رہا تھا۔

”شروع میں تو وہ سمجھ ہی نہیں سکا کہ مسئلہ کیا ہے

لیکن بلال کی پیدائش کے بعد حالات زیادہ بگڑ گئے

یہاں تک کہ اسے پاگل خانے میں داخل کرانا پڑا۔ ان

دنوں اسفند یار کی چچا سے لڑائی ہو گئی تو وہ ان سے ناراض ہو کر ملتان ماموں کے گھر آ گیا اور یوں ایک بار پھر وہ اور ثمر اکٹھے ہو گئے۔ ثمرین ان دنوں بی اے کر رہی تھی۔ اسفند نے ثمر کے ساتھ مل کر اپنا کاروبار شروع کیا تھا وہ چچا سے الگ اپنا کام کرنا چاہتا تھا۔ کام چل پڑا تھا دونوں ہی خوش تھے مگر جیسا کہ میں نے بتایا اسفند کے مزاج میں تیزی بہت تھی۔ ماموں نے سمجھایا کہ ماں اکیلی تمہارے بچوں کو نہیں سنبھال سکتی۔ تم لاہور ہی جا کر کام سیٹ کر دو تو وہ ان سے ناراض ہو کر ثمر کے پاس آیا اور اس سے کہا کہ اس کے لیے گھر تلاش کر دے گرائے گا۔

”یہ ہماری اتنی بڑی حویلی ہے اس میں ایک تیرے اکیلے کے لیے جگہ نہیں۔“ ثمر نے بے حد خلوص سے اسے اپنے گھر رہنے کی آفر کی

”وہ ایک سال وہاں رہا۔ اس کے اور ثمرین کے درمیان انڈراشینڈنگ کب اور کیسے ہوئی مجھے نہیں معلوم لیکن ایک دن اس نے مجھ سے کہا۔“

”میں ثمرین سے محبت کرنے لگا ہوں۔“ میں نے اسے سمجھایا۔ تم ایک شادی شدہ شخص ہو۔ تمہارے دو بیٹے ہیں بلکہ تین بچوں کے باپ بن چکے ہو۔ بیٹی چند گھنٹے زندہ رہ کر مر چکی تھی اور ثمرین..... مجھے تو ابھی تک یاد ہے کہ وہ دو پونیاں کیے ثمر سے لاڈ کر رہی ہوتی تھی۔“

”لیکن اب وہ بچی نہیں ہے اور وہ بھی مجھ سے محبت کرنے لگی ہے تم ثمر سے بات کرو۔“

”نہیں“ میں کس طرح..... ثمر کیا کہے گا کہ تم نے اس کے گھر میں رہ کر..... نہیں اسفند یا تم اس کا خیال دل سے نکال دو۔“

”وہ کچھ خفا سا اٹھ کر چلا گیا۔ دوسرے دن اس کی والدہ کی وفات کی خبر آ گئی۔ میں اور ثمر بھی لاہور اس کے ساتھ ہی گئے تھے۔ لاہور سے واپس آ کر میں کراچی چلا گیا۔ میرے بہنوئی وہاں اسپتال میں ایڈمٹ تھے۔ تقریباً ڈیڑھ ماہ بعد میں واپس آیا تو ایک دن ثمر میرے پاس آیا۔ بہت پریشان۔“

”آفتاب اسفند یار نے میری معصوم بھانجی کو جانے کیا پی پی پٹائی ہے کہ وہ.....“ اسے بات مشکل ہو رہی تھی

”بابا جان نے انکار کر دیا۔ ہے یہ کیسے ممکن آفتاب ثمرین!..... اور وہ دو بچوں کا باپ پھر ابراہمدری..... اور ثمرین نے رور و کر بہرا حال کر لیا ہے ہی اسے کچھ اور ثمری بات تو مانتی ہے، تمہیں بھائی ہے۔ بابا جان کا پریشہ بہت ہائی، ہو رہا ہے۔“

لیکن ثمرین پر میرے سمجھانے کا کوئی اثر نہ ہوا بلکہ اس نے جو نقشاف کیا اس نے مجھے کچھ دیر ساکت کر دیا۔ اس نے بتایا کہ وہ اور اسفند نکاح کر رہے ہیں۔ یہ بات جب بابا جان ملک حیات خان کی چلی تو انہوں نے ثمر سے کہا

”اسفند کو بلاؤ اور اس سے کہو اپنی بیوی کو آ لے جائے۔ ابھی اسی وقت صرف تین کپڑوں میں آج سے ہمارا اس سے ہر تعلق ہر رشتہ ختم۔“

”تب میں ثمرین کو اپنے گھر لے آیا اور میں نے اسے اپنے گھر سے رخصت کیا۔ ثمر آیا تھا رخصتی کے دن اور اس نے ثمرین سے کہا تھا۔ ہم نے تمہارے بہت سارے خواب دیکھے تھے۔ تم نے سارے خوابوں کو چھیڑ کر چھوڑ دیا۔ یہ کر چیاں ہمیشہ ہمیں لہو لہان کر رہیں گی۔ آفتاب نہ ہوتا تو تم اس طرح عزت و احترام سے رخصت بھی نہ ہوتیں۔ ثمرین تم نے ہمیں جیتے ہی دیا۔ بابا جان تمہیں کس شان سے رخصت کرتے اندازہ نہیں کر سکتیں۔ یہ میری طرف سے چیک پندرہ لاکھ کا..... میں نہیں چاہتا کہ تم بالکل خالی جاؤ۔“

”ثمرین چیک لینا نہیں چاہتی تھی لیکن اس نے وہ چیک لے لیا۔“

”وہ..... وہ لوگ کہاں اب؟“ ایلیا کی آواز میں کپکپاہٹ تھی۔ کوئی تھا اس نیا میں کہیں کوئی اس کا اپنا۔

”پتا نہیں بیٹا۔“ آفتاب یکدم تھکے تھکے نظر آنے لگے تھے۔

”شر حیات خان کچھ ہی عرصے بعد کراچی شفٹ ہو گیا تھا۔ مجھ سے اس نے کہا تھا۔“

”آفتاب تم بہت اچھے دوست تھے ہو لیکن تم ہمیں کبھی کھوجنے کی اور ملنے کی کوشش نہ کرنا۔ تمہیں دیکھ کر ذمہ ہرے ہو جائیں گے۔ سب یاد آئے گا اور ہم سب بھلا دینا چاہتے ہیں۔“ میں ایک دو بار ملتان گیا لیکن گھر میں صرف ملازمین تھے۔“

”اور ای..... ای جان نے کبھی یاد کیا انہیں..... کبھی پہچانیں۔“ ایلیا کے آنسو اس کے رخساروں پر پھیل آئے۔

”شرین کو فوراً ہی احساس ہو گیا تھا کہ جذبات میں آکر اس نے جو کیا وہ غلط تھا۔ ہر وقت روتی تھی۔ بہت یاد کرتی تھی اسی لیے تو اتنی کم عمری میں دل کی سرایتیں مٹتی تھیں لیکن اس نے اسفند کو اور طلال اور بلال کو کبھی احساس نہیں ہونے دیا۔ دونوں بچوں سے بے حد محبت کی وہ بھی اس کے دیوانے تھے۔“

”یہ تھے وہ سارے حالات جو تم نہیں جانتی تھیں اور اب تم نے جو سوال کیا تھا اس کا جواب۔ تمہاری امی کے نانا کی بے حساب پرزورٹی تھی۔ شر اور تمہاری نانی ہی وارث تھے۔ تمہاری نانی کی وفات کے بعد شرین اور شر“

”لیکن اکل.....“ اس نے اپنے آنسو پونچھے۔

”نانا جان نے تو میری امی سے ہر تعلق ختم کر دیا تھا۔“

”ہاں لیکن شر عاتو اپنی ماں کے حصے کی شرین وارث تھی۔ ہو سکتا ہے ملک حیات خان دنیا میں نہ رہے ہوں اور ان کے بعد شر نے سوچا ہو کہ وہ شرین کو اس کا حق دے دے۔ شر بہت بزرگ احساسات رکھنے والا لڑکا تھا بہت پیاری بچی کا۔“

”سے بی.....“

”بیٹا میں دلچسپ جا کر چلا کر دوں گا وہ کہاں ہیں آج کل۔ میں شر سے ملوں گا لیکن آرب کج کہتا ہے اب تم کسی بیچر پر دستخط نہ کرنا۔“

”اکل مجھے کسی جائداد دولت کی ضرورت نہیں

ہے لیکن میں ان سے ملنا چاہتی ہوں۔ شر حیات خان سے اور..... ان کے بچوں سے۔ میں ہمیشہ تمہارے ساتھ رہی کہ میرا کوئی بھی اپنا نہیں ہے یہ سب لوگوں سے اتنا پیار کرتے تھے۔ مجھے بس دیکھ ہی بہت ہلاکتیں لگنے لگے ہیں۔“ آنسو ایک بار پھر اس کی آنکھوں میں جمع ہونے لگے تو ملک آفتاب نے اسے تسلی دی۔

”میں ہوں ناں..... تم فکر نہ کرو۔ میں سب کچھ کروں۔ اسفند یاد رہے کیوں تمہیں..... یہ لالچ تھا اور کواعد جا کر رہا ہے اور اسفند تو ہمیشہ سے ایسا ہی تھا میں اور شر اسے کبھی ہی نہیں سکے تھے۔ چلو بیٹا اسے تمہیں ڈراپ کروں۔ اس وقت کالج تو نہیں چلا پانچر کچھ دیر اور رک جاؤ۔“

”نہیں میں گھر جاؤں گی۔ آپ مجھے اسٹاپ اتار دیجیے گا۔ میں کہہ دوں گی کہ طبیعت خراب ہے جلدی آگئی ہوں۔“

”ٹھیک ہے۔“ انہوں نے اسے ناپاکی بھجوائے ہوئے تحفے دیے اور اسے اسٹاپ پر اتار دیا۔

”میں تم سے رابطہ رکھوں گا کوئی بھی مسئلہ ہو کال کر لیتا۔ ایک رشتہ تم سے ختم ہو گیا لیکن ایک باقی رہے گا ہمیشہ..... میں تمہارا ماموں بھی ہوں شر کے رشتے سے۔“ وہ مسکرائے تھے لیکن وہ مسکراہٹ بھی تھی۔ وہ تو بس تصور میں ایک بڑا گھر دیکھ رہی تھی شرین دو پونیاں بنائے بھاگتی پھرتی تھی۔ جہاں جہاں حیات خان تھے۔ شر حیات خان تھے اور ماں کی جگہ اس نے دل ہی دل میں کتنی ہی بار ان ماموں کو اپنے دل میں گھرا دیا تھا۔

”ارے آج تم کالج سے جلدی نہیں آگئیں شابی بھابی! آؤ آؤ میں ہی تھیں۔“

”ہاں طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔“

”چلو اچھا ہوا اور میں سوچ رہی تھی کہ انہیں تمہیں لینے چلا جائے گا اور مجھے وہ پنے دینے تھے کے لیے ان کی یار کشی میں جانا پڑتا۔“ اس نے انہیں دیکھا۔

”یہ سب لوگ کس قدر دو غلے ہیں ان کے من میں ہے کاش میں جان سکتی۔ پاتنی مہربان تو کبھی بھی نہیں پھر..... پھر کیا کج کج کہیں کوئی پرزورٹی کا ہی چکر مونا مونا ٹھیک ہی کہتا ہے۔“

”نہیں تو کچھ منگوانا نہیں مارکتے سے؟“

”نہیں۔“ وہ مختصر اکر کر بیڑیوں کی طرف بڑھ گئی اس وقت وہ کسی سے بات نہیں کرنا چاہتی تھی صرف انہیں بند کر کے سوچنا چاہتی تھی۔ وہ سب جس کا علم آج سے پہلے نہ تھا۔

☆☆☆

ایلیا نے گاڑی کے دروازے پر ہاتھ رکھا اور پھر ایک سیٹ پر نظر پڑتے ہی ٹھٹک گئی۔

”آپ.....“

”ہاں میں“ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے ہوئے اس نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا۔

”ڈرائیونگ نہیں آیا کیا؟“ وہ اسی طرح دروازے پر کھڑی تھی۔

”میرے ساتھ جانے میں آپ کو کوئی اعتراض؟“ اس کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرا رہا تھا۔

”ہاں..... نہیں تو۔“ وہ دروازہ کھول کر بیٹھ گئی اس کی آنکھوں کی حیرت آپ سے چھپی نہ رہی۔

”جب آپ نے مجھ سے کہا آؤ ڈرائیونگ نہیں آیا تم کو لایا کو لے آؤ تو میں بھی اتنی حیران ہوا تھا جتنا اب ہر دن ہے۔“

”مہولی امی نے آپ سے کہا.....؟“ اس کی طرف اشارہ کرتی۔ وہ اب سامنے دیکھتا ہوا گاڑی پارکنگ میں داخل رہا تھا۔

”ہاں آپ نے ہی کہا بلکہ اصرار کیا جب کہ شابی نے کہہ دی تھی کہ وہ طلال کو فون کر دیتی ہیں وہ ایلیا کو لے لیں گے لیکن آپ نے کہا میں ڈرغ ہی تو بیٹھا ہوں ہاں گئی۔“

”ہوں۔“ وہ کچھ سوچتے ہوئے کھڑکی سے باہر نکلی۔

”آپ کو حیرت نہیں ہوتی کہ سب کا ایک آپ پر اتنے مہربان کیوں ہو گئے ہیں؟“

”کچھ زیادہ نہیں۔“ ایلیا اسی طرح باہر دیکھ رہی تھی۔ ”میں اب صرف مجھنے کی کوشش کر رہی ہوں مجھے مونا کی بات کج لگتی ہے لیکن وہ پرزورٹی ہے کہاں..... اور میں اس کی مالک کیسے بن گئی۔ مجھے صرف اس کی کھوج ہے۔“

”میں بھی اس کھوج میں ہوں۔“ وہ بہت احتیاط سے ڈرائیونگ کر رہا تھا۔

”بہت دنوں سے دل میں ایک خواہش سی چلی رہی تھی کہ کسی روز آپ کے ساتھ کئی ڈرائیونگ پر جاؤں ڈھیر ساری باتیں کروں اور.....“

”یہ آپ کدھر جا رہے ہیں؟“ اس نے یکا یک اس کی بات کاٹی۔

”آپ کا کیا خیال ہے میں آپ کو کہاں لے جا رہا ہوں؟“

”مجھے غیب کا علم نہیں آتا۔“ اس نے جمل کر کہا تو آرب بے ساختہ ہنس دیا۔

”کبھی بھی اس طرح کی جلی کئی بات آپ کے لبوں سے سن کر بہت انجوائے کرتا ہوں میں۔“

”پلیز؟“ یہاں جا رہے ہیں آپ.....؟“ اس نے آرب کی بات نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا تو وہ سنجیدہ ہو گیا۔

”ایلیا! اعتماد کرنا سیکھیں۔ میں آپ کو کہیں نہیں لے جا رہا۔ آپ نے میری پوری بات سنی ہی نہیں۔ میں نے صرف راستہ تبدیل کیا ہے۔ یہ قدرے طویل ہے۔ کچھ زیادہ دیر آپ کی رفاقت مل جائے گی۔“ کبھی کبھار دل میں اتنا محسوس ہوا تو اس نے گھبرا کر نظریں جھکا لیں۔ آرب نے بیک دیوڑ میں اسے دیکھا۔

”کاش یہ سفر اتنا لمبا ہو جائے کہ کبھی ختم نہ ہو۔“ اس نے بے آواز بلند سوچا۔

”آپ جس رفتار سے چل رہے ہیں اس سے تو یہی امید ہے کہ گواہی نے زبردست کہا تھا لیکن آرب نے من لیا۔ ایک مدھم سی مسکراہٹ نے اس کے لبوں کو پھوٹا

اور اس نے بے ساختہ مڑ کر اسے دیکھا وہ کچھ جھنجھلائی ہوئی سی لگی۔

”ایلیا“ کیا ہم دوست نہیں بن سکتے؟“ اس نے نرمی سے کہا۔ ”میں بہت اچھا دوست ثابت ہوں گا۔ مجھ پر اعتماد کریں۔“

”میں نے آپ کو دشمن کبھی نہیں سمجھا۔“

”لیکن دوست بھی تو نہیں سمجھتیں۔“ اس نے بے

اختیار کہا۔

”دوست سمجھنے کے لیے ضروری ہے کیا کہ میں آپ کی الٹی سیدھی باتوں کی تائید کروں۔“

”الٹی سیدھی باتیں.....؟“ آرب نے حیرت سے کہا۔

”میں نے تو کبھی آپ سے الٹی سیدھی باتیں نہیں کہیں۔“

”یہ الٹی سیدھی باتیں نہیں تو اور کیا ہے؟“ وہ اب اس کی طرف دیکھ رہی تھی وہ ڈرائیو کرتے ہوئے گا ہے گا ہے ذرا سا رخ موڑ کر اسے دیکھ بھی رہا تھا۔

”مثلاً.....“ اس نے پوچھا۔

”یہی کہ.....“ وہ جھجک کر خاموش ہو گئی۔

”ہاں کہیں نا کیا.....“

”کچھ نہیں۔“ اس نے سنجیدگی سے کہا۔ ”آپ جو

دقائق وقت کچھ کہتے رہتے ہیں تو میں نہیں سمجھتی اس کا کوئی فائدہ ہے۔ میری زندگی میں کہیں کسی دوسرے شخص کی گنجائش نہیں ہے۔ میں نے اپنا راستہ متعین کر لیا ہے۔“

”کیا.....؟“

”میں اپنی گریجویشن مکمل کر کے جاب کروں گی

اور بس.....!“

”لیکن زندگی کے ساتھ یہ ظلم کیوں۔ اتنی

خوبصورت زندگی اتنا لمبا سفر..... ایلیا آپ نے ابھی دیکھا ہی کیا ہے۔ آپ کی عمر میں تو لڑکیوں کی ابھی شادی بھی نہیں ہوتی۔“

”لیکن میری تو ہو چکی اور میں اپنی زندگی گزار چکی۔“

”ابھی آپ نے زندگی شروع کب کی ہے جو

آپ گزار چکی ہیں۔ ایلیا اپنی سوچ کو تبدیل کریں کو بھول جائیں۔ میں نے پہلے بھی آپ سے کہا تھا زندگی کہیں آپ کے لیے ہاتھوں میں پھولوں کے لیے منتظر کھڑی ہے اسے مایوس نہ کریں۔ نصیر احمد ماسر ایک خوبصورت نظم ہے۔

ابھی جگنو نہیں روٹھے

ابھی آنسو نہیں ٹوٹے

ابھی سورج نہیں جاگا

ابھی تارے نہیں ڈوبے

ابھی مہتاب باقی ہے

ابھی اک خواب باقی ہے

ابھی منزل نہیں آئی

ابھی رستہ نہیں ٹھہرا

ابھی دریا نہیں اتر ا

ابھی گرداب باقی ہے

ابھی اک خواب باقی ہے“

خاموش سر جھکائے اپنی انگلیوں کو مسلتی ہوئی ایلیا کی طرف اس نے ذرا سا مڑ کر دیکھا۔

”ہاں ایلیا“ ابھی آنکھیں خوابوں سے خالی نہیں

ہوئیں۔ انہیں ویران مت کریں۔ خوابوں سے سجائیں

اور مجھے تو خود پتا ہی نہیں چلا ایلیا کہ کب ایک خواب آ کر

آنکھوں میں ٹھہر گیا ہے۔ یہ خواب اتنا خوبصورت ہے

کہ جی چاہتا ہے کہ بھی آنکھیں نہ کھولوں کہیں یہ خواب

بکھر نہ جائے۔“ ایلیا کا دل ڈوب کر ابھرا۔

”گھر کی طرف چلیں نا اب۔“

”ادکے“ اس نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔ ”آپ

کا دل اتنا پتھر کیوں ہے ایلیا؟“

”پلیز مجھ سے ایسی باتیں مت کیا کریں۔“

”ادکے لیکن ایک شرط ہے۔“ اس نے گاڑی

ماڈل ٹاؤن جانے والی سڑک پر ڈالی۔

”آپ مجھ سے دوستی کر لیں..... کریں گی نا؟“

اس نے پوچھا تو ایلیا نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

”اس دوستی کی خوشی میں آسکریم چلے گی۔“

”نہیں۔“ وہ گھبرا گئی۔ ”سیدھے گھر چلیں!“

”یہ آنسکریم ادھار رہی۔ وہ مسکرایا۔“ پھر کبھی سہی۔“ ایلیا خاموش ہی رہی تھی۔ اتنے دن گزر گئے تھے آفتاب انکل نے فون نہیں کیا۔ پتا نہیں ان کی ملاقات شریات خان سے ہوئی یا نہیں اور پتا نہیں ملک حیات خان زندہ تھے یا نہیں۔ دل کبھی کبھی بہت عجیب سے احساسات میں گھر جاتا تھا۔ کبھی یکدم جی چاہنے لگتا کہ وہ ان لوگوں سے ملے جو اس کی امی کے اپنے تھے اور کبھی عجیب سی بے حسی طری ہو جاتی۔

آرب نے گھر میں داخل ہونے تک کوئی بات نہیں کی تھی۔ جب وہ پورچ کی سیڑیاں چڑھ رہی تھی تو گاڑی لاک کر کے اس نے آہستگی سے اسے آواز دی۔

”ایلیا۔“ ایلیا نے مڑ کر اسے دیکھا۔

”یہ اصول ہمسفری تو نہیں ہے کہ آپ مجھے پیچھے ہی چھوڑ کر جا رہی ہیں۔“ وہ اس کے ساتھ چلتا ہوا لاؤنج میں داخل ہوا تھا۔ لاؤنج میں بیٹھی بان کرنی شاہی بھابی اور روشی بھابی نے معنی خیز نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھا۔ ایلیا انہیں سلام کرتے ہوئے سیڑیاں چڑھنے لگی۔ آرب مصطفیٰ چند لمحے لاؤنج میں کھڑا رہا۔ شاہی اور روشی نے اس کی طرف توجہ نہیں دی تھی۔ مونا کو آواز دے کر پانی لانے کا کہہ کر وہ گیسٹ روم کی طرف بڑھ گیا۔

”چھوٹی امی نے سونے کی جہا پھانسنے کے لیے بھائی کو آگے کر دیا ہے۔“ آخری سرگمی پر قدم رکھتے ہوئے اس نے سنا ایک لمحے کو وہ ٹھنکی پر قدم آگے بڑھا دیئے۔

”سونے کی جہا۔ کیا یہ شاہی حابی نے میرے لیے کہا ہے۔“ اس نے ایک لمحے کو سوچا اور پھر ہولے سے ہنس دی۔ حالانکہ اس لمحے شاید ٹھ سے زیادہ تہی داماں کوئی نہ ہو۔ پتا نہیں ان سب کو کیم غلط نہیں ہو گئی ہے یا پھر..... یا پھر ملک حیات خان۔“ تم ایک بار پھر ان کے متعلق سوچنے لگی تھی۔ بند سے ٹیک لگائے آنکھیں موندے اس نے وہ ساری کہانی جو آفتاب ملک نے سنائی تھی ایک بار پھر دل ہی دل میں دہرائی تھی۔

”مما کے اس طرح کرنے سے ملک حیات خان

کا دل کیسے ٹوٹ گیا ہوگا اور وہ گھر.....“ تبھی شاہی بھابی اندر داخل ہوئیں۔

”تم آرام کر رہی ہو میں نے ڈسٹرب تو نہیں کیا؟“

”نہیں، نہیں بس یونہی ذرا ریٹ کے لیے آنکھیں بند کر لی تھیں آپ آجائے نا۔“ وہ سیدھی بیٹھ گئی۔

”پڑھائی کیسی چل رہی ہے؟“ وہ اس کے پاس ہی بیٹھ گئیں۔

”ٹھیک۔“

”یہ آرب آج تمہیں لینے گیا تھا؟“

”جی وہ کہہ رہے تھے کہ چھوٹی امی نے بھیجا ہے۔“

”دیکھو ایلیا تم میرے لیے چھوٹی بہنوں کی طرح ہو۔ چھوٹی امی تو سدا کی تمہاری دشمن ہیں تمہیں پتا تو ہے تمہارے ساتھ کیا گیا تھا پہلے اور اب یہ آبی کو..... تم غلط رہنا مجھے تو دال میں کالا لگتا ہے۔“

”کیا مطلب؟ میں سمجھتی نہیں۔“

”آرب سے زیادہ فرینک ہونے کی ضرورت نہیں۔ کہیں بدنام ہی نہ کر دیں تمہیں چھوٹی امی۔ ان جیسی مکار عورت میں نے زندگی میں کبھی نہیں دیکھی۔ یہ تو آرب کو سب سے چھپا کر اس طرح رکھتی ہیں جیسے لڑکی ہو اور اب خود ہی بیچ دیا تمہیں لینے ضرور کوئی چال ہے میں نے ایک بار کہا تھا گڑیا کو ذرا یونیورسٹی چھوڑ دے تو ایسی ناک بھوں چڑھائی کہ میرا بھائی ذرا یونیورسٹی نہیں ہے کسی کا اور اب ضرور کوئی چال ہے ان کی۔ تم ہو شیاری رہنا اور اس آرب کے بچے کو زیادہ منہ لگانے کی ضرورت نہیں۔“

”جی اچھا۔“

”چھوٹی بہنوں کی طرح ہو اس لیے سمجھا رہی ہوں۔“ وہ انہیں اور لہراتی ہوئی باہر چلی گئیں۔ ایلیا انہیں باہر جاتا دیکھتی رہی۔

”چھوٹی امی کی چال لیکن آرب۔“ دل زور سے دھڑکا۔ اس کی وہ پُر شوق نظریں وہ ذومعنی جلتے اس کی وہ

کا دل کیسے ٹوٹ گیا ہوگا اور وہ گھر.....“ تبھی شاہی بھابی اندر داخل ہوئیں۔

”تم آرام کر رہی ہو میں نے ڈسٹرب تو نہیں کیا؟“

”نہیں، نہیں بس یونہی ذرا ریٹ کے لیے آنکھیں بند کر لی تھیں آپ آجائے نا۔“ وہ سیدھی بیٹھ گئی۔

”پڑھائی کیسی چل رہی ہے؟“ وہ اس کے پاس ہی بیٹھ گئیں۔

”ٹھیک۔“

”یہ آرب آج تمہیں لینے گیا تھا؟“

”جی وہ کہہ رہے تھے کہ چھوٹی امی نے بھیجا ہے۔“

اطلاس بھری گفتگو.....

”نہیں، چھوٹی جیسی بھی ہوں آرب مصطفیٰ ان کسی گیم کا حصہ نہیں سکتا۔“ یہ اس کے دل کو یقین دلا اور اپنے اس یقین پر ایک لمحے کو وہ خود بھی سشدر رہ گئی۔ اس سارے غصے میں بھلا کتنی بار آرب مصطفیٰ سے اس کی بات کی تھی چند بار..... لیکن ان مختصر ملاقاتوں میں ہی آپ نے اپنا اعتماد قائم کر لیا تھا اور اسے لگتا تھا کہ اس بے گھر میں صرف ہی ایک شخص ہے جو اس سے غلط ہے۔ اس کے لبوں پر مدھم سی مسکراہٹ ابھری۔ ”م دوست ہیں۔“

اس کے سیلن کی بیپ ہو رہی تھی اس نے چونک کر پاس پڑا بیگٹھا کرنون باہر نکالا دوسری طرف اگل آفتاب تھے۔

”سوری ایلیا بے میں فون نہیں کر سکا۔ تمہاری چاچی کی طبیعت خراب تھی میں کراچی نہیں جا سکا تھا ذرا طبیعت ٹھیک ہوئی تو گیا کراچی.....“ ایلیا کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔

”کراچی میرے ایک دوست رہنا تھا، وکیل تھا میری بھی اس سے آم دیا تھی۔ میں سیدھا اسی کے پاس گیا تھا میرا خیال تھا کہ اسے شمر کے ایڈریس کا علم ہوگا اور میرا خیال غلط تھا۔“ ایلیا کو لگا جیسے اس کا دل بھڑک کر بند ہو جائے۔

”آپ ان۔ ملے؟“ اس کے لبوں سے لرزتی ہوئی آواز نکلی۔

”نہیں.....“ وہ دیر دیر نہیں تھے چند دن قبل شمر اور ملک صاحب امکا گئے تھے ملک صاحب کا باپ پاس ہونا ہے وہاں۔

”اوہ!“ اس نے ایک طویل سانس لی۔ دل کی دھڑکن قدرے معمول پر آ گئی۔

”ہاں، وکیل نے مجھے جو کچھ معلوم ہوا ہے وہ یہ ہے کہ ملک صاحب نے شمرین کے نام بہت بڑی پراپرٹی کی ہے جو اس کا حق تھا اور شمرین کے بعد اس کی وارث تم تھیں۔ شمر۔ وکیل دوست نے ہی تمہارے اہلی جان سے ملاقات کر کے انہیں بتایا تھا کہ ملک صاحب

ماہنامہ پاکیزہ

نے شرین کا حصہ تمہارے نام کیا ہے اور بہت جلد سب پیپر تیار کر کے وہ بھجوا دیں گے۔ اسی سلسلے میں غالباً انہوں نے تم سے مختار نامے پر دستخط کروائے تھے کہ وہ خود فائدہ اٹھا سکیں لیکن پھر ملک صاحب کی طبیعت اچانک خراب ہو گئی اور انہیں امریکا جانا پڑ گیا۔ اس لیے پراپرٹی کی منتقلی کا کام التوا میں پڑ گیا۔ جیسے ہی شرواپس آتا ہے میں اس سے رابطہ کروں گا۔ تم کسی کاغذ پر اب دستخط مت کرنا۔ یہ دولت بڑی بری شے ہے محتاط رہنا۔“ اسے تاکید کرتے ہوئے انہوں نے فون بند کر دیا۔

”یہ دولت جانداد میں نے اس کا کیا کرنا ہے۔“ اس نے افسردگی سے سوچا۔ ”مجھے تو محبتوں کی چھاؤں چاہیے تھی۔ میں کتنی خوش تھی وہاں چاچی اور انکل آفتاب کے پاس اگر ابی جان مجھے کہتے تو میں خود ہی سب کچھ ان کے نام کر دیتی لیکن..... کاش وہ مجھ سے وہ گھر وہ محبتیں نہ چھینتے جو زندگی میں پہلی بار مجھے ملی تھیں۔“

”کھانا لگ گیا ہے۔“ مونا نے دروازے پر دستک دیتے ہوئے اندر جھانک کر اطلاع دی۔ ”چلو اس ملنے والی دولت کے طفیل ہی سہی اس گھر کا ایک فرد تو سمجھا جا رہا ہے۔ ورنہ پہلے تو کبھی کسی کو بلانا یاد ہی نہیں رہتا تھا۔“ ایک طنز پر مسکراہٹ لبوں پر بکھر کر مجدد ہو گئی اور وہ دونوں ہاتھوں سے کھڑے بالوں کو درست کرتی کمرے سے باہر نکل آئی۔

☆☆☆

وہ سو کر اٹھی تو بارش خوب برس کر ختم چکی تھی۔ اسے مٹی کی سوندھی سوندھی خوشبو آئی تو وہ بے اختیار ہی دروازہ کھول کر میسر پر آ گئی۔ ہر چیز دھل کر نکھر گئی تھی۔ وہ ریٹنگ پر ہاتھ رکھ کر نیچے لان میں دیکھنے لگی۔ درخت پھول پتے سب کھڑے کھڑے لگ رہے تھے۔ دودن سے کتنا شدید جس تھا لیکن آج کی بارش نے یہ جس ختم کر دیا تھا۔ مغربی افق پر ہلکے بادل تھے..... شاید ابھی اور بارش ہوگی۔ اس نے جامن کے درخت پر بیٹھی چڑیا کو دیکھتے ہوئے سوچا۔ ابھی اس کی نظر گیٹ میں داخل ہوتی واٹس کرولا پر پڑی۔

”تو آرب آفس سے آ گئے۔“ وہ پیچھے ہٹ کر میسر پر پڑی پلاسٹک کی کرسی پر بیٹھ گئی۔ پرانے طرز کے بنے ہوئے اگر گھر میں فرسٹ فلور کے ہر کمرے کے آگے نیم دائرے کی شکل میں میسر یا گیلری سی بنی ہوئی تھی۔ جب بھی کمرے میں اس کا دل گھبراتا وہ یہاں آ بیٹھتی تھی۔ رشتوں کا اعتماد اور مان تو وہ پہلے ہی کھو چکی تھی لیکن اب تو یہ مان کسی پھٹی پرانی اور زنی کی طرح تار تار ہو گیا تھا۔ اسے لگتا تھا جیسے وہ خلا میں چکرانے لگی ہے۔

”رشتوں کے بھرم کھلیں تو کیا اندر سے اتنی بلائیں اور خوفناکیاں برآمد ہوتی ہیں جو جھیلے جانے کے قابل نہیں ہوتیں۔ کیا دنیا میں کوئی رشتہ رشتہ نہیں۔“ اس نے بے حد دلگرمی سے سوچا اور ہاتھ آگے بڑھا کر بارش کے ننھے سے قطروں کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ کسی بھولے بھٹکے بال نے گزرتے ہوئے چند قطرے بکھیرے تھے۔

اس روز سفند یار نے اسے بلایا تھا۔ وہ کچھ حیران سی مونا کے ساتھ ڈرائنگ روم میں آئی۔ سفند یار کے ساتھ کوئی اور بھی تھا۔ ایک لمحے کو وہ ٹھٹھک کر رک گئی۔

”آؤ آہاؤ ایلیا! یہ وکیل صاحب ہیں تم سے ہی ملنے آئے ہیں۔“ خلاف معمول ان کا لہجہ نرم تھا۔ ”یہ ایلیا ہے شرین کی بیٹی۔“ انہوں نے وکیل کی طرف دیکھا۔

”ہاں بیٹا کیسی ہیں آپ؟“ ”جی اچھی ہوں۔“ وہ دھڑکتے دل کے ساتھ صوفے پر بیٹھ گئی۔

”یہ تو شرین کی کاپی ہے۔“ وکیل نے سفند یار کی طرف دیکھا۔

”کیا انہوں نے میری ماما کو دیکھ رکھا ہے۔“ اس نے حسرت سے سوچا۔

”بیٹا یہ کچھ کاغذات ہیں۔“ انہوں نے ایک فائل اس کی طرف بڑھائی۔ ”لاہور میں ایک پلازہ ایک ہاؤسنگ اسکیم ہے جس میں تقریباً پینتیس پلاٹ ہیں کچھ

کنال کے کچھ پانچ اور دس مرلے کے اور ملتان کی بھی کچھ پراپرٹی کے پیپر ہیں جو خان صاحب نے تمہارے نام کر دیے ہیں۔“ اس نے فائل پکڑ لی لیکن اس کے ہاتھوں میں لرزش تھی۔

”تم چاہو تو یہ پلاٹ فروخت کر دو جو چاہے کرو مالک ہو ان کی۔“ وکیل صاحب مسکرائے۔ ”زرعی اراضی میں کچھ قانونی پیچیدگیاں ہیں جیسے ہی قانونی تقاضے پورے ہوئے پیپر آپ تک پہنچ جائیں گے۔“

”وہ.....“ اس نے خشک ہونٹوں پر زبان بھیری۔ ”وہ لوگ امریکا سے واپس آ گئے کیا۔ بائے پاس ہو گیا کیا.....؟“ اسفند یار نے بری طرح چونک کر اسے دیکھا تو اسے احساس ہوا کہ وہ کیا کہہ بیٹھی ہے۔ ”نہیں آپریشن تو ہو گیا ہے خان صاحب کا۔ کامیاب ہے لیکن ڈاکٹروں نے ابھی مزید کچھ عرصہ رکھنے کو کہا ہے۔“

فائل اس کے حوالے کر کے اسفند یار سے ہاتھ ملا کر وکیل چلا گیا وہ فائل گود میں رکھے ساکت بیٹھی تھی۔ وکیل کو سی آف کر کے اسفند یار آئے اور اس کی گود سے بے چینی سے فائل اٹھا کر اس کی ورق گردانی کرتے رہے۔ وہ مضطرب سی ہو کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

”ٹھہر دو۔“ انہوں نے فائل بند کر کے اس کی طرف دیکھا۔ ”تمہیں کس نے بتایا ہے کہ وہ لوگ امریکا گئے ہوئے ہیں؟ ان کے سپاٹ لہجے میں بڑی سرد مہری تھی۔ اس نے جھرجھری سی لے کر انہیں دیکھا۔

”انکل آفتاب نے۔“

”کیا وہ..... (گالی دے کر) تمہیں فون کرتا ہے اب بھی کیا رشتہ ہے اس کا تم سے.....“ ایلیا نے کوئی جواب نہ دیا۔

”ہاں ایلیا۔“ انہوں نے یکا یک ہی آواز دہمی اور نرم کر لی۔ ”یہ پلازے کی دکانوں کے کرائے وصول کرنا اور پلاسٹک کی فروخت وغیرہ کے سلسلے میں تمہارا مختار نامہ چاہیے میں کل شام پیپر لے آؤں گا۔ میں تمہارا باپ اور مختار ہوں تو.....“

”سوری ابی جان میں نے ابھی سوچا نہیں ہے کہ

میں کسے اپنا مختار بناؤں۔“ اس نے فائل لینے کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا۔ اسفند یار نے بے حد حیرت سے اسے دیکھا۔

”تم کسے مختار بنانا چاہتی ہو؟“

”شاید کسی کو بھی نہیں۔“

”پاگل ہو گئی ہو یہ لڑکیوں کے بس کا کام نہیں ہے۔“

”مجھے معلوم ہے لیکن مجھے اس پر اپنی کی ضرورت نہیں میں یہ کاغذات واپس کرنا چاہتی ہوں۔“

”تمہارا دامخ خراب ہے۔“

”تمہارا حق ہے یہ شرمین تو اس سے زیادہ کی حقدار ہے یقیناً بڑھے نے جائداد تقسیم کرتے ہوئے ڈنڈی ماری ہوگی۔“ اس سے پہلی بار ایلیا نے اسفند یار کے لیے دل میں نفرت محسوس کی۔

”میں جانتی ہوں لیکن میں نے یہی فیصلہ کیا ہے کہ ان کے امریکا سے واپس آنے کے بعد میں یہ سب واپس کر دوں گی اور ان سے کہوں گی کہ وہ ماما کے نام اک کوئی ٹرسٹ بنا دیں۔“ تیمم غریب اور اداوارث لوگوں کے لیے۔

”یہ جتنی تمہیں اس آفتاب نے ہی بڑھائی ہوگی خود کیوں نہیں بنالیتا ٹرسٹ غریبوں، یتیموں کے لیے۔“

اسفند یار کی آنکھیں غصے سے سرخ ہو رہی تھیں۔

”انہوں نے مجھ سے کچھ نہیں کہا یہ میرا اپنا فیصلہ ہے۔“ اس نے فائل لینے کے لیے ہاتھ بڑھایا لیکن اسفند یار نے فائل اسے نہیں دی۔

”یہ کوئی بے پروائی سے ادھر ادھر پھینکنے والے کاغذ نہیں ہیں میں لا کر میں رکھ دیتا ہوں اور ہاں یہ خناس جو تمہارے دامخ میں بھرا ہوا ہے اسے نکال دو۔“ ایلیا بغیر جواب دے ڈرامنگ روم سے نکل آئی تھی اور پھر اپنی جرات اور اعتماد پر خود ہی کتنی دیر تک حیران ہوئی رہی تھی۔ یہ اعتماد آرب مصطفیٰ نے اسے دیا تھا ان بچے دنوں میں کتنی ہی بار آرب مصطفیٰ سے اس کی بات ہوئی تھی اور ہر بار ہی آرب نے اس کے اندر نیا حوصلہ پیدا کیا تھا۔ جب دوستی کا رشتہ بنا تو اس نے بھی

سب کچھ آرب کو بتا دیا۔ وہ سب جو انکل آفتاب نے اسے بتایا تھا۔

”تو یہ تھی اصل وجہ ایلیا لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ محض دولت کے لالچ میں بہنوں اور بیٹیوں کے لئے گھرا جا رہے ہیں۔“

”میرا گھر بسا ہی کب تھا آرب۔۔۔۔۔“ دل کا درد یوں پر آگیا تھا۔ ”ہاں مجھے ایک ساجان مل گیا تھا“

تھیں ملی تھیں۔ میں نے انکل اور چچی میں ماں باپ دونوں کی محبتوں کا ڈاکٹھ پکھا تھا۔ میں اس دلگیر کمرہ کی چھوڑنا چاہتی تھی۔“

”لیکن وہ زندگی بھی کوئی زندگی تھی ایلیا۔“ بات بات کرتے کرتے آرب بھی بے حد ادا اس ہو جاتا تھا۔

”آپا چاہتی ہیں میں تم سے شادی کر لوں۔“ ایک روز اس نے بتایا اور پھر ہولے سے ہنسا۔

”حالانکہ کچھ عرصے پہلے تک وہ مجھے تمہارے سامنے تنگ سے بچانا چاہتی تھیں اور پدر کو باقاعدہ مہری جاسوسی پر لگایا ہوا تھا کہ میں کہیں تمہاری میں تم سے بات نہ کروں۔“

”پھر آپ نے ان سے کیا کیا؟“ ایلیا نے دھڑکتے دل سے پوچھا تھا۔

”میں نے انکار کر دیا۔“ آرب نے ایک گہری سانس لی تو ایلیا کو ایک لمحے کے لیے اپنا دل ڈونٹا ادا محسوس ہوا۔

”کاش تم اتنی امیر نہ ہوتیں اتنی بڑی جائیداد کی مالک تو میں شاید خوشی سے پاگل ہو جاتا“ چائیں تم میرا یقین کر دو گی یا نہیں لیکن یہ سچ ہے کہ جب میں نے چار سالوں بعد اس روز صبح تمہیں لان میں بیٹھے دیکھا تو میں

خدا کے ہر قدر رست پر حیران رہ گیا۔ شادی بھالی کہہ دوں تھیں کہ تم چار سالوں میں ذرا بھی نہیں بدلی ہو لیکن مجھ تو تم بہت اونچی اور خاص سی لگیں شاید چار سال پہلے میں نے بھی دھیان سے تمہیں دیکھا ہی نہیں تھا اور

آگاہی کا یہ لمحہ ابھی ابھی مجھ پر اترا تھا میرے دل میں ایک چدر سی خواہش نے سر اٹھایا تو میں کسی مجرم کی طرح اسے چھپانے لگا اور احساس جرم کا شکار ہونے لگا۔

”تم ایک شادی شدہ لڑکی تھیں پھر مجھے کیا حق تھا کہ میں تمہیں سوچوں لیکن تمہاری آنکھوں کی اداسی مجھے بار بار گھبراہٹ دیکھنے پر کساتی۔۔۔۔۔ میں لیکن میں کھڑے ہوئے گپ لگاتے اپنے روم کی کھڑکی سے لالچ میں بیٹھ گئی ہی بار تمہیں حسرت سے دیکھتا پھر چھوٹے بھیا نے بتایا کہ ایاز نے شادی کر لی۔ تمہارا دکھ میرے دل میں اترا آیا۔ میں تمہیں اسے جتنا بھیلتے دیکھ رہا تھا۔ میں نے تمہارے لیے بہت دعا کی ہیں ایلیا۔“

”میں نے بغیر کسی غرض کے اپنی ذات کو الگ کر کے تمہارے لیے سوچا۔ انکل آفتاب سے بات کی اور مطمئن ہو گیا کہ تم معتبر اور پیار کرنے والے لوگوں کے

اس ہو وہ تمہاری زندگی ضائع نہیں ہونے دیں گے وہ ایسے ہی پیارے اور مشفق لوگ ہیں۔“

”اور ایلیا پھر تم یہاں آ گئیں۔ میں جی انھا۔۔۔۔۔ میں نے سوچا شاید میری لگن جی جی گو میں نے ایسا بھی نہیں چاہا تھا میرے اندر پھر خواب بننے اور سنورنے کے میں نے بارہا تصور میں تمہیں اپنے سنگ دیکھا لیکن۔۔۔۔۔“ وہ کتنی ہی دیر ہونٹ پیچھے پیٹتا رہا۔

”میں نے آپا کو متع کر دیا۔۔۔۔۔ جانتی ہو کیوں میں نہیں چاہتا کہ تم یہ مجھ کو میری محبت میں لالچ تھا۔ تمہاری کروڑوں کی جائیداد کا لالچ۔۔۔۔۔ میرے صبح شام میرے دن اور رات ناو و سال سب تمہیں سوچنے میں

گزر رہی تھیں ایلیا میں نے آپا کے اصرار کے باوجود اس نہیں کی جاتی ہو آپا نے اس کے بعد کیا کیا؟“ اس کے اونٹوں پر ایک ناز و ہر ملی مسکراہٹ آ کر ٹھہر گئی تھی۔

”انہوں نے کہا۔۔۔۔۔ تمہیں وہ پسند نہیں تو بعد میں صبر کر دینا سب پر اپنی وغیرہ اپنے نام کر دے۔“

”میں ان سے کیا کہتا کہ آپ پسند کی بات کرتی ہیں وہ تو میرے دل میں بیٹھی مجھ پر حکومت کرتی ہے۔ میرے روم میں بس رہی ہے۔“ آرب اٹھ کر چلا گیا۔

جب ایلیا نے اسی لمحے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ برائٹی میں لے گی۔ واپس کر دے گی اور نانا جان سے کہے گی کہ وہ شرمین کے نام پر کوئی ٹرسٹ کوئی اسپتال کچھ بھی

دادیں پھر اگر آرب مصطفیٰ نے اس کی طرف ہاتھ

بڑھایا تو وہ اس کا ہاتھ تھام لے گی۔ بھول آرب مصطفیٰ کے۔

ابھی اک خواب آتی ہے

ابھی آنکھوں میں جل چکا ہے

ابھی سینے میں لپٹل ہے

ابھی کھڑکی میں بارش ہے

ابھی برقاب باقی ہے

ابھی اک خواب باقی ہے

لیکن وہ کچھ بھی تو نہ کر سکی۔ اس کے ارادے

جان کر ان سب کے پیروں سے مصنوعی خطاب اتر گئے تھے۔ ان کے رویوں میں بھی فرق نظر آنے لگا تھا۔ فائل الی جان کے قبضے میں تھی۔ انہوں نے اس کا کالج جانا بند کر دیا تھا۔ یہاں تک کہ اس کا سیل فون بھی غائب کر دیا گیا تھا اب شدہ کسی سے رابطہ کر سکتی تھی اور نہ کہیں جا سکتی تھی۔ بڑے بھیا اور اسفند یار کا اصرار تھا کہ وہ اپنی تمام جائیداد کا مالک و مختار نہیں بنادے۔ وہ شاید تھک کر ایسا کر بھی دیتی لیکن آرب تھا جو اسے حوصلہ دیتے ہوئے کہتا تھا۔

”ایلیا ایسا مت کرنا“ چائیں کیوں مجھے ایسا لگ رہا ہے کہ پھر تمہاری زندگی خطرے میں پڑ جائے گی۔“

آرب سے ہی اسے معلوم ہوا تھا کہ جس مختار نامے پر الی جان پہلے ہی دستخط کروا چکے تھے وہ کہیں کھو گیا تھا۔ چھوٹی ائی کا خیال تھا کہ چھوٹے یا بڑے بھیا نے اڑا لیا تھا اور ضائع کر دیا تھا جب کہ شادی بھائی کو اس نے کہتے سنا تھا۔

”الی جان نے ساری دولت پر تنہا قبضہ کرنے کے لیے فی الحال وہ کہیں چھپا دیا ہے اور ظاہر کر دے ہیں کہ کھو گیا ہے اور یہ سب چھوٹی ائی کی رواری ہیں حالانکہ پہلے تو انہوں نے وعدہ کیا تھا کہ وہ غارِ حلال۔۔۔ کے نام کر دے دیں گے تنہا کہ حقیقت یہ تھی کہ وہ اسناپ پھر کھو گیا تھا۔ انوش کا خیال تھا کہ ایک روز اس نے

لوہی اور پدر کو اس کے جہاز بنا کر اڑاتے دیکھا تھا۔

”چائیں انکل آفتاب نے فون کیا ہو۔ شاید یہاں کا فون بھی آیا ہو۔ انکل تو ضرور پریشان ہوں گے۔“

اس نے سامنے نیلے آسمان پر اڑتے تہا پرندے کو دیکھا۔

”میں بھی اسی پرندے کی طرح ہوں تہا اور اکیلے۔“ یکدم اس کا دل گھبرا یا تو وہ اٹھ کر اندر آگئی۔

آرب نے کہا تو وہ اسے نیا خون لادے گا پتا نہیں وہ نیا سیٹ لایا تھا یا نہیں اگر فون مل جاتا تو وہ اگلے آفتاب کو فون کر لیتی۔

”پتا نہیں اس سب کا انجام کیا ہوگا۔ میں بھی پتا نہیں کیوں ایسا کر رہی ہوں اپنی جان کے نام سب کچھ کر دوں انہیں ماکہ دو بخار بنا دوں اور سب کی محبتیں حاصل کر لوں۔“

”تو تجھیں خریدی نہیں جاتیں ایلیا۔ تم دیکھنا یہ سب کچھ دے کر بھی بچھ نہ پاسکوگی۔“ آرب نے کہا تھا لیکن وہ اس صورت حال سے ٹھک رہی تھی۔

”نیتا عادلہ سے ہی مشورہ کر لیتی تو شاید۔۔۔۔۔۔ لیکن فون۔۔۔۔۔۔“ لھر کے فون ابلی جان نے لاکڑ کر دیے تھے۔

”آرب کی گاڑی گیٹ سے داخل ہوتے دیکھی تھی مونا سے کہوں کہ آرب سے پوچھے وہ موبائل سیٹ لایا ہے تو۔۔۔۔۔۔“ وہ اٹھی ہی تھی کہ مونا نے دروازے پر دستک دی۔

”آ جاؤ مونا میں ابھی تمہاری طرف ہی جا رہی تھی۔“

”جی“ وہ بڑی امی نے بہت شور ڈال رکھا ہے کھانا بھی نہیں کھایا چائے بھی گرا دی۔ آپ چلیں نا اوپر وہ آپ کو بلارہی ہیں۔“

”اچھا۔“ وہ اٹھ کھڑی ہوئی اسے بڑی امی سے دھرونی تھی اسے ان پر ترس آتا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ بڑی امی کے متعلق بڑے بے بھائیے بات کرے لیکن پھر یہ سوچ کر خاموش ہو جاتی کہ نہیں وہ برائے منائیں۔

”آپ چلیں نا اوپر میں کھانا لاتا ہوں۔ یہ رہی کمرے کی چابی۔“ اس نے سسکی کھول کر چابی اسے دی وہ اسے کھڑا ہوتے دیکھ کر خوش ہو گیا تھا۔

”ایمان سے اس گھر میں سب کے دل ہی پتھر

سے بے ہیں سوائے آپ کے۔“ ایلیا خاموشی سے دروازہ کھول کر سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔ بڑی امی اسے دیکھ کر خوش تو ہوئیں لیکن ناراض بھی ہو گئیں۔

”تم آج آئی کیوں نہیں۔۔۔۔۔۔؟“

”میرے سر میں درد تھا میں سو گئی تھی۔“ وہ اندر وہ سی ان کے پاس ہی بیٹھ گئی۔

”لا میں تیرا سر دبا دوں ادھر میری گود میں سر رکھ۔“

”نہیں اب تو درد نہیں ہے۔“

”اچھا پھر اتنی چپ چپ کیوں ہے؟“ وہ بانور اسے دیکھ رہی تھیں۔ وہ چوکی کیا انہیں پاگل کہا جاسکتا تھا۔

”کچھ نہیں یوں ہی نہیں سوچ رہی تھی میں چلی جاؤں گی تو آپ۔۔۔۔۔۔؟“

”کہاں کہاں چلی جائے گی؟“ انہوں نے سختی سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

”اپنے گھر۔“ ایلیا نے نرمی سے اپنا ہاتھ چھڑایا۔

”مجھے بھی اپنے ساتھ لے چل۔ میری بیٹی نہیں ہے تو۔“ وہ منت کرنے لگیں تو اس کا دل دکھ گیا۔

”اپنے خاوند سے ڈرتی ہے؟“ وہ اداس ہو گئیں۔

”ہاں لیکن میں بات کروں گی پھر لے جاؤں گی۔“ اس نے انہیں تسلی دی۔

”وہ اچھا ہے نا۔۔۔۔۔۔ حیرت بات مان جائے گا نا۔“

”ہاں۔“ ایلیا نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

”اپنے اپنی جان کو موت بتانا بس چوری سے لے جانا مجھے چھپا کر نہیں تو وہ نہیں جانے دیں گے۔“ ایلیا نے پھر اثبات میں سر ہلایا۔ بھی مونا کھانا گرم کر کے لے آیا تو ایلیا نے اصرار کر کے انہیں کھانا کھلایا اور کھانے کے بعد ٹیبلٹ دی غالباً سکون کی گولی تھی کیونکہ وہ اکثر اسے کھانے کے بعد سو جاتی تھیں۔ مونا بوجھ اٹھا کر چلا گیا تو وہ کچھ دیر اور بیٹھی رہی۔ وہ بار بار اس سے یقین دہانی کر دیتی کہ وہ انہیں ساتھ ہی لے جائے گی اور یہ کہ آج وہ بچے نہیں جائے گی ادھر ہی رہے گی۔ کچھ دیر

بعد وہ سو گئیں تو ایلیا باہر آئی۔

آسمان پھر بادلوں سے بھر گیا تھا۔ شاید پھر بارش ہونے والی تھی۔ کچھ دیر وہ یونہی آسمان پر بھاگتے بادلوں کو دیکھتی رہی پھر سیڑھیوں کا دروازہ بند کر کے نیچے اترنے لگی۔ لاونچ میں صوفے پر بڑے بھیا اخبار دیکھ رہے تھے اور سامنے چڑی ٹیبل پر ٹیبلٹ میں پکوانے رکھے تھے۔ ایک لمحے کو وہ ٹھک کر رک گئی۔ انہوں نے اخبار سے نظر ہٹا کر اسے دیکھا۔

”آؤ ایلیا۔۔۔۔۔۔ پکوانے کو گرم گرم تمہاری بھالی نے بارش سے لطف اندوز ہونے کے لیے بنائے ہیں۔“

”جی۔“ وہ ہولے ہولے چلتی ہوئی ان کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

”بیٹھ جاؤ گڑیا۔“ انہوں نے صوفے پر اپنے قریب بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

”اوپر کیا کر رہی تھیں؟“ ان کا انداز سرسری سا تھا۔

”وہ بڑی امی کے پاس تھی۔“ وہ ڈھبکی۔

”تم سے کافی مالوس ہو گئی ہیں۔“

”جی۔۔۔۔۔۔ وہ بڑے بھیا۔“ اسے ان کی گفتگو سے حوصلہ ہوا۔

”بڑی امی اوپر بہت گھبراتی ہیں اکیلے رہ کر تو اچھا بھلا آدمی پاگل ہو جائے۔ وہ تو۔۔۔۔۔۔ میرا مطلب ہے انہیں اگر آپ نیچے لے آئیں وہ سب کے درمیان رہیں گی تو خوش رہیں گی۔“

”ہاں میں بات کروں گا ابلی جان سے۔“ بڑے بھیا اسے بخور دیکھ رہے تھے۔

”ابلی جان۔۔۔۔۔۔“ وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

”بڑے بھیا۔“ لھر پھر بعد اس نے کہا۔ ”وہ آپ کی ماں ہیں یہ تو آپ کا اور چھوٹے بھیا کا فرض ہے کہ ان کا خیال رکھیں۔ انہیں وقت دیں۔ ابلی جان کے پاس فون کی بیوی ہے۔ انہیں ضرورت نہیں ہے ان کی لیکن اولاد کو تو ہمیشہ ماں کی ضرورت رہتی ہے نا۔“ بڑے بھیا کے ہونٹوں پر بے رحمی مسکراہٹ ابھری۔

”تم باگل شرمین ماما کی طرح ہونے والے مہربان

لیکن تمہیں شاید نہیں معلوم کہ وہ کبھی کبھی بہت خطرناک ہو جاتی ہیں اور کسی کو نقصان پہنچا سکتی ہیں۔ اس لیے انہیں اوپر رکھا ہے اور مجھے ان کا خیال ہے۔ میں نے ہی انہیں پاگل خانے سے نکال کر فائونٹین ہاؤس میں رکھا تھا۔“

”وہ تو ٹھیک ہے بڑے بھیا لیکن اب وہ کافی حد تک نارمل ہیں کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتیں۔“

”یہ تم کہہ رہی ہو ایلیا جب کہ انہوں نے تمہیں نقصان پہنچانے کی بلکہ تمہاری جان لینے کی کوشش کی تھی خدا بخوات اگر۔۔۔۔۔۔“

”نہیں بڑے بھیا وہ تو۔۔۔۔۔۔“ اس نے ان کی بات کاٹی لیکن پھر یکدم لب دانتوں تلے دبا لیا۔ آرب نے سختی سے منع کیا تھا۔

”کبھی ظاہر مت کرنا کہ بڑی امی پر شک نہیں ہے۔“

”لیکن خواہوا سب سمجھ رہے ہیں کہ بڑی امی نے۔۔۔۔۔۔“

”سمجھنے دو۔“ آرب نے اسے ٹوک دیا۔ ”ایلیا اسی میں تمہاری بہتری ہے ورنہ اگر تمہارے ذہن کو پتا چل گیا کہ تم اس سے واقف ہو تو تمہاری زندگی کو خطرہ بڑھ جائے گا۔“ اسے آرب کی باتیں سمجھ نہیں آتی تھیں لیکن پھر بھی اس نے کسی سے ذکر نہیں کیا تھا۔

اس روز وہ چھت پر گئی تو بڑی امی سو رہی تھیں وہ دروازہ پونہی کھلا چھوڑ کر باہر ریٹنگ کے پاس آ کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ آس پاس کی چھتیں ویران تھیں۔ یوں بھی چھتوں پر کبھی کوئی دکھائی نہیں دیا تھا۔ کبھی کبھار کسی چھت پر کوئی بچہ پٹنگ اڑاتا نظر آ جاتا لیکن آج سہ پہر تین بجے ہر طرف ویرانی تھی اس کا دل بند کمرے میں پڑے پڑے گھبراہٹا تھا تو وہ اوپر چلی آئی تھی۔ اس نے ریٹنگ پر جھکتے ہوئے روڈ پر گزرنے والی گاڑیوں کو دیکھا۔

”اگر کبھی میں گیٹ سے باہر نکل جاؤں۔۔۔۔۔۔ کوئی رکشہ لے کر ٹرانسک کوچ کے اڈے پر پہنچ جاؤں اور وہاں سے ساہیوال پھر۔۔۔۔۔۔“ وہ اتنی خوشی کہ ارد گرد سے بے خبر

ہو گئی۔ اچانک اسے لگا جیسے کسی نے اسے ہلکا سا پیش کیا ہو اور ساتھ ہی ایک وحشت ناک گچ سنائی دی۔ ایک لمحے کو اس کے حواس معطل ہو گئے لیکن دوسرے ہی لمحے وہ سیدھی ہو کر مڑی اس کے بالکل پیچھے چھوٹے بھیا اور ان کے ساتھ بڑی امی حواس باختہ سی گھڑی تھیں اور ان کے حلق سے وحشت ناک چیخیں نکل رہی تھیں اس نے کسی قدر حیرت سے چھوٹے بھیا کو دیکھا لیکن مسلسل چیخ بڑی امی نے اسے اپنی طرف متوجہ کر لیا۔

”امی پلیز کیا ہوا؟“ اس نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا۔
 ”وہ..... وہ“ ہنسنے لگی ان کے لبوں سے نکلا تھا پھر یکدم انہوں نے اسے اپنے دونوں بازوؤں میں چھپا لیا۔

”امی پلیز“ اس نے انہیں ریلیکس کرنے کے لیے ان کی پیٹھ کو تھپتھپایا۔
 ”ٹھیک اندر چل کر بیٹھتے ہیں۔ آپ چائے پیئیں گی۔“

”جی“ انہوں نے تیزی سے فلیش میں سر ہلایا۔
 ایلیا انہیں بھلا کر اندر لے آئی۔ چھوٹے بھیا ہیں جاتے جاتے ایلیا کو لگا جیسے ان کے ہاتھ ہولے ہولے کانپ رہے ہوں اور چہرے پر گھبراہٹ ہو۔ وہ کبھی کبھی سی اسے دیکھ رہی تھیں۔

”وہ تمہیں دھکا دینے لگا تھا۔“
 ”جی“ اس نے بے چینی سے انہیں دیکھا تو انہوں نے زور شور سے سر ہلایا۔

”ہاں“ دینے لگا تھا وہ بے پاؤں تمہاری طرف جا رہا تھا۔ میں تمہیں دیکھ رہی تھی۔ میں باہر آ گئی۔ دروازے کے پیچھے۔“ ان کی آنکھوں سے وحشت جھلکے لگی اور وہ پھر بچنے لگیں تو وہ ہولے ہولے ان کے ہاتھ سہلانے لگی تھی۔ چھوٹے بھیا اسے کھلے دروازے سے آتے دکھائی دیے۔

”چھپ چھپ جاؤ۔“ وہ خوفزدہ ہو کر اسے اپنے پیچھے چھپانے لگیں۔

”یہ..... یہ تو چھوٹے بھیا ہیں بڑی امی۔“
 چھوٹے بھیا اندر آ چکے تھے اور وہ بڑے بے چینی سے

انہیں دیکھ رہی تھیں۔ وہ ان کا نام تو لیج رہی تھیں لیکن شاید پہچانتی نہیں تھیں۔ ظلال اجمال اکثر ان کی زبان پر رہتا تھا۔

”میں امی کو دیکھنے اور پر آیا تھا پھر تمہیں رینگ کے پاس کھڑے اور تمہارے پیچھے امی کو کھڑے دیکھ کر تمہاری طرف بڑھا۔ میں نے دیکھا کرای نے تمہارے کندھے پر ہاتھ رکھا ہے وہ تمہیں دھکا دینے لگی تھیں۔“
 ”میں وہاں رینگ کے پاس کھڑی تھی کہ اچانک بڑی امی کی چیخ سب کمری۔“

”اتنی چھوٹی سی رینگ ہے تم گھبرا کر بیٹھ ہی کر جا تیں تو۔“ چھوٹے بھیا اسے کھنکھناتے غوروں سے دیکھ رہے تھے۔

”ہاں..... شاید میں گرنے ہی لگی تھی۔“ اسے بڑی امی کی بات پر یقین نہیں آیا تھا کہ چھوٹے بھیا اسے دھکا دے رہے تھے۔ پشت پر اسے جو کس محسوس ہوا تو ہو سکتا ہے اس کا وہم ہو۔ بڑی امی چھوٹے بھیا کو گھورا رہی تھیں۔

”جی“ یہ ظلال نہیں ہے۔.....“ کچھ دیر بعد انہوں نے کہا اور اس کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لیا۔ دائیں ہاتھ سے انہوں نے اس کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا اور بائیں ہاتھ سے وہ انہیں دھکیل رہی تھیں۔

”جاؤ تم“ چھوٹے بھیا اس کے بھائی نہیں ہو میں نہیں جانتی کیا؟“ چھوٹے بھیا کے چہرے پر بے رحمی شرمندگی ایلیا نے محسوس کی۔

”چھوٹے بھیا اس وقت امی کچھ اب سیٹ ہیں درندہ آپ کو کچھ کر خوش ہوتیں۔“

”اچھا“ میں جا رہا ہوں اور تم محتاط رہا کرو۔“ وہ تیزی سے مڑ گئے تھے۔ جب وہ نیچے آئی تو چھوٹے بھیا سب کو بتا چکے تھے کہ بڑی امی اسے رینگ سے دھکا دے کر گرانے لگی تھیں۔

”اگر میں پہنچ نہ جاتا تو ایلیا اس وقت زندہ ہوتی۔“ وہ تردید کرنا چاہتی تھی لیکن نہ کر سکی۔ بڑی امی اسے دھکا نہیں دے سکتی تھیں تو کیا چھوٹے بھیا اس سے آگے وہ کچھ سوچنا نہیں چاہتی تھی اسی شام

آر ب او پر آیا تو اس نے ساری بات سن کر اسے منع کیا تھا کہ وہ یہ بات زبان پر نہ لائے کہ چھوٹے بھیا.....

”کیا“ وہ تو.....“ بڑے بھیا کی آنکھوں میں تجسس تھا۔

”وہ تو محض اتفاق تھا۔“ اس نے چوتھے ہوئے کہا۔

”اور یہ اتفاق پھر بھی تو ہو سکتا ہے اور یہاں چھوٹے بھیا بھی ہیں خدا نخواستہ۔“

”نہیں بڑے بھیا“ وہ آپ کو اور چھوٹے بھیا کو بہت یاد کرتی ہیں۔ روز مجھ سے کہتی ہیں ظلال اور بلال کہاں ہیں میرے پاس کیوں نہیں آتے۔“

”اچھا.....“ ان کی آنکھوں میں دلچسپی پیدا ہوئی۔ ”لیکن جب میں نوٹین ہاؤس میں جاتا تھا تو وہ مجھے نہیں پہچانتی تھیں۔“

”تو آپ اپنی پہچان کرواتے نا“ جب ہوش و حواس نے ان کا ساتھ چھوڑا تھا تو آپ تو چھوٹے سے تھے پھر وہ آپ کو کیسے پہچانتیں۔ میں نے بھی تو اپنی پہچان خود کروائی ہے۔“

”کیا پہچان کروائی ہے؟“ ان کے لبوں پر مسکراہٹ تھی۔

”میں نے کہا میں ان کی بیٹی ہوں۔ انہوں نے کہا کہ میں سمجھ رہی تھی وہ مر گئی ہے۔ وہ مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔“ بڑے بھیا کے لب پہنچ گئے اور چہرے پر سنجیدگی چھا گئی۔ وہ کچھ سوچ رہے تھے شاید۔

آج کتنے سالوں بعد بڑے بھیا یوں اس کے پاس بیٹھے اپنائیت سے باتیں کر رہے تھے۔ اس کا دل گدگداز ہونے لگا اندر کہیں کن من کن من ہونے لگی تھی۔

”پکڑو بڑے تو لوٹا لٹھڑے ہو رہے ہیں۔“ انہوں نے کسی خیال سے چوتھے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔ ایلیا نے پکڑا اٹھالیا۔

”ہاں تو پھر تم نے کیا سوچا ہے ایلیا اپنی پراپرٹی کے متعلق۔ ابی جان کو کیوں ناراض کرتی ہو پڑھائی کا بھی حرج ہو رہا ہے تمہارا۔ میں نے سمجھایا تھا انہیں تمہاری چیز ہے تم جو چاہو کرو لیکن ابی جان تمہیں ہے

دقت سمجھتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ یہ تمہارا حق ہے اور یہ کہ وہ تمہارا پیسہ چا کر اور تمہارے لیے ہی محفوظ کرنا چاہتے ہیں۔“ جیہیں ان کے غلوں پر شک نہیں کرنا چاہیے۔

”جی..... لیکن میں ان کے آنے پر جب ان کا وکیل آئے گا سب وہاں کر دوں گی۔“

”تمہارا جذبہ قابل قدر ہے گڑیا لیکن تم خود بھی تو اس پراپرٹی کی آمدنی سے شریں ماما کے نام پر کوئی ٹرسٹ بنا سکتی ہو۔ اسپتال بنانا چاہتی ہو یا جو کچھ بھی کرنا چاہتی ہو کر سکتی ہو۔“

”میں خود.....“ اس نے اپنی طرف حیرت سے اشارہ کیا۔ ”بڑے بھیا مجھے ان معاملات کا علم نہیں ہے میرے بس کی بات نہیں۔“

”تو میں کس لیے ہوں گڑیا جو تم چاہو گی ویسا ہی کروں گا بلکہ میرا خیال ہے کہ تم کچھ پلاٹ فروخت کر دو اور اس رقم سے بقیہ جگہ پر ایک اسپتال بنو اور غریب لوگوں کے لیے اور پلازے کی آمدنی سے اسپتال کے اخراجات وغیرہ پورے ہوتے رہیں گے۔“

”لیکن وہ فائل تو ابی جان کے پاس ہے۔“ اسے بڑے بھیا کی بات صحیح لگی۔

”ہاں“ خیر اس کا کوئی مسئلہ نہیں۔ ابھی تو بقیہ اراضی خالی زرعی اراضی کے بچے رہیں گے ہیں۔ تمہارے وکیل آئیں گے جب تو اس کے بعد ابی جان سے فائل لے لوں گا لیکن.....“ وہ خاموش ہوئے تو وہ سوالیہ نظروں سے دیکھتے گئے۔

”لیکن کیا.....؟“
 ”جائداد کی خرید و فروخت کے سلسلے میں تمہارا متنازعہ چاہیے ہو گا تو شاید تم اعتبار نہ کرو مجھ پر..... خیر تمہیک ہے تم نے جو سوچا ہے ویسا ہی کر لو وہاں کر دو سب اور اپنی خواہش بنادینا وکیل کو۔“ ان کے انداز میں بے پروائی تھی۔

”جیہیں..... جیہیں۔“ اس نے تیزی سے کہا۔
 ”میں بھلا آپ پر کیوں اعتبار نہیں کروں گی۔ وہ تو میں.....“ اسے تو سمجھن سے ہی بڑے بھیا سے بہت

لگاؤ تھا اور یہ دے بھیا ہی تو تھے جنہوں نے امی کی ذمہ کے بعد اسے سنبھالا تھا۔

”تو پھر ٹھیک ہے کل چلیں گے اسٹامپ پیپر وغیرہ لے لیں گے تم صبح تیار ہو جانا۔“

”لیکن وہابی جان نے مجھے گھر سے باہر نکلنے سے منع کر رکھا ہے۔ وہ تو.....“ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

”ایلا چرو میں بات کروں گا ابلی جان سے۔ اب رونا نہیں شایاں اور صبح تیار ہی پکی۔“

”کہاں کی تیاری پکی ہے بھیا.....“ چھوٹے بھیا اپنے کمرے سے نکلے تو ان کے لیوں پر بڑی دلکش مسکراہٹ تھی۔

”کچھ نہیں وہ ایلا سے کہہ رہا تھا کل سے کالج جاتے آئے۔ وہ کچھ شیشا ہے۔“

”لیکن ابلی جان نے تو اسے کالج جانے سے منع کر دیا ہے۔“ قریب آ کر انہوں نے جھپک کر پلیٹ سے پکڑا اٹھا۔ ان کے لیوں پر اب بھی مسکراہٹ تھی تھی۔ ”اور آپ جانتے ہیں ابلی جان جو کہہ دیتے ہیں اس سے نہیں بچتے۔“

”ہاں ایلیا چند اذرا نیچے جا کر مونا سے کہو جائے تو بنا کر لے آئے۔“ ایلیا بنا کچھ کہے اٹھ کھڑی ہوئی۔

”دیسے ابلی جان ایلیا سے بہت خوش ہیں اور کل کہہ رہے تھے کہ ایلیا کا بیڑ بھی اوپر ہی کے کمرے میں لگا دیا جائے تو امی خوش رہیں گی۔“ ایلیا کا دل کپکپایا۔ چھوٹے بھیا نے جانی ہوئی ایلیا کو کون انھیں سے دیکھا اور سرگوشی کے سے انداز میں بولے۔

”دیسے آئیڈیا نہیں نیابی جان بھی دور کی کوڑی لاتے ہیں۔“

”اور ہاں یہ ہادہ اسٹامپ پیپر جس پر ابلی جان نے ایلیا سے خط لکھا ہے۔“ میزچیوں سے نیچے اترتے ہوئے اس نے سنا۔

”یہ تمہارے پاس کیسے آیا؟“ بڑے بھیا کے لہجے میں استعجاب تھا اور غیر ارادی طور پر ان کی آواز اونچی ہو گئی تھی۔ وہ وہیں میزچیوں پر رک گئی۔

”بونی لایا تھا میرے پاس کشتی اور جہاز.....“ کے لیے۔ میں نے یہ رکھ لیا اور اسے دوسرے کاناہ جہاز بنا دیا۔“ چھوٹے بھیا بولے۔

”ابو جیم نے اتنے دنوں سے ذکر تک نہیں کیا اب جان کو بتا یا تک نہیں۔“ بڑے بھیا نے خیران ہوئے کہا۔

”میں انہیں بتانا نہیں چاہتا۔“ اس نے سنا ہمارے کی آواز اتنی آہستہ ہو گئی کہ وہ کچھ نہ سن سکی۔ ہمارے قدموں سے چلتی ہوئی وہ بچن میں آئی مونا کنگنا کے ہوئے برتن دھو رہا تھا جب کہ بوا صبح کے دھلے رنگی الماریوں میں رکھ رہی تھیں۔ اسے دیکھ کر وہ اس کی طرف متوجہ ہو گئیں۔ وہ اسے ترس بھر دی اور اس سے دیکھ رہی تھیں۔ وہ مونا کو چائے کا کپہہ کر خیران سے ان کی طبیعت کا پوچھنے لگی لیکن دل جیسے کسی بوجھ سے دبا ہوا تھا۔

”ایلا۔“ خیران بوانے ادھر ادھر دیکھ کر سر گرداں کی۔

”تو یہاں سے چلی جائیے وہیں اپنے سرگرداں ملک صاحب بھر دوا دی ہیں وہ کچھ.....“ مونا صالی سے ہاتھ پونچھ کر چائے کا پانی رکھنے کے لیے کاؤنٹر کی طرف آیا تو ابھرا کر چپ ہو گئیں۔

”ہوا۔“ ایلیا کی آنکھوں میں آنکھوں میں آ گئے۔ ”میں ان سے کیسے رابطہ کروں۔ میرا سلیو میرے کمرے سے ابلی جان نے بدر کر دیا۔“ مونا صالی کے نوں لاکھ ہیں۔ باہر میں جا نہیں سکتی۔ انکل سے بات کروں؟“ کاؤنٹر سے ماس بین اٹھا تا مونا نے کہا۔ ”وہ..... وہ“ اس نے اپنی جیب کو تھپتھپایا۔ آپ کے لیے موبائل آبی صاحب نے دیا تھا۔“

”اچھا۔“ ایلیا نے گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا۔ ”اپنے پاس ہی رکھوں میں جب اپنے کمرے میں ہوں۔“

”میں اوپر جا رہا ہوں چائے دینے تو آپ کمرے سے برتن اٹھانے کے بہانے جاؤں گا تو کچھ کے نیچے رکھ دوں گا۔“ ایلیا نے مونسیت سے ملے

”مونا بوا آرب ان تینوں سے اس کا کوئی رشتہ نہ ہے۔“ میں نے اس کے بھردر تھے۔

”ایلا اب تو فون آ گیا ہے نا ملک صاحب کو تو.....“

”بوا بلیز کوئی سن لے گا۔“

”بنا مجھے تمہارے لیے ڈرنگٹا ہے۔ یہاں سب.....“

”لیکن میں کیسے کہیں جا سکتی ہوں؟“ اس نے اس سے بوا کی طرف دیکھا۔

”یہاں سب.....“ بوانے کچھ کہتے کہتے لب بھجج اور کاؤنٹر پر رکھے برتن بھر سے سیٹے لگیں۔ ایلیا نے دیکھا دیکھا چھوٹی امی بچن کے دروازے پر کھڑی

”تم یہاں کیا کر رہی ہو؟“ ان کا لہجہ تیز تھا۔

”کچھ نہیں۔“ ایلیا گھبرا کر۔“ چھوٹے بھیا نے ہاتھ کاٹنے نیچے بیچا تھا میں بوا سے باتیں کرنے

”کیا باتیں ہو رہی تھیں؟“ انہوں نے بوا سے

”کیا باتیں ہوتا تھیں بی بی۔“ بوا خیران کو ان کی

”ہری گئی۔“ یوں ہی ادھر ادھر کی۔ اپنی ٹیڈ کا بتا

”وہ کچھ دیر مشکوک نظروں سے انہیں دیکھتی

”میں بوا بچن میں آ کر کھڑے ہونے کی

”وہ میز میں تو ایلیا بھی سر جھکائے بچن

اب بھی خواہش مند ہے۔“ اسے چھوٹی امی کی بڑ بڑاہٹ پر ہنسی بھی آئی اور دکھ گئی ہوا۔ کیا وہ اس کی جائیداد کی طرف سے بالکل مایوس ہو گئی ہیں۔ ورنہ چند دن پہلے تک تو وہ آرب کو لپکار رہی تھیں کہ وہ اس سے شادی کر لے۔

”مما کیا ایلیا اب پھر غریب ہو گئی ہے؟“ اس نے انوش کی آواز سنی اور اس کا بے اختیار جی چاہا کہ وہ مڑ کر چھوٹی امی کے چہرے کے تاثرات دیکھے لیکن اپنی اس خواہش پر بالکل قابو پاتے ہوئے وہ میز صیال چڑھنے لگی۔ بڑے بھیا اور چھوٹے بھیا ابھی تک لاؤنج میں بیٹھے آہستہ آواز میں باتیں کر رہے تھے۔ وہ سر جھکائے ان کے پاس سے گزرتے ہوئے اپنے کمرے میں آ گئی۔

”زندگی کتنی مشکل ہے۔“ اس نے دنگڑی سے سوچا اور تکیہ اٹھا کر نیچے پڑے موبائل کو دیکھا۔ بہت خوبصورت سیٹ تھا۔ اس کا بہت جی چاہا کہ ابھی انکل اور چاچی سے بات کر لے کتنے دن ہو گئے تھے لیکن پھر اس نے خود کو سمجھا لیا۔

”رات کو جب سب سو جائیں گے جب فون کروں گی۔“ اس نے موبائل جو توں کے خالی ڈبے میں رکھا کہ کہیں کوئی دیکھ نہ لے اور گری کی پشت پر سر رکھ کر آنکھیں موند لیں۔

دولت کتنی بڑی چیز ہے جو خون کے رشتوں کو بھی جدا کر دیتی ہے۔ کاش یہ سب جائیداد دولت اسے نہ ملتی صرف ان رشتوں کی محبتیں اسے مل جاتیں تو وہ خود کو دنیا کی خوش قسمت ترین لڑکی سمجھتی۔ ہند آنکھوں کے پیچھے جھپکی لگی اور وہ آنکھیں موندے یونہی کرسی کی پشت پر سر رکھے سوچتی سوچتی نہ جانے کب سو گئی۔

بقیہ اگلے اور پڑھیں





Aryisha⁰⁶

نوائے

ابھی اک خواب باقی ہے

نگہت سیما

آخری حصہ

آئی تھی تو وہ پانچ گھنٹے سوتی رہی ہے۔ کل رات بھی...
اسے نیند نہیں آئی تھی۔ پیشانی پر آئے بالوں کو پیچھے
ہٹاتے ہوئے اس کی نظر ٹیبل پر پڑی جہاں ٹرے میں
کھانا تھا شاید مونارک رکھ گیا تھا۔

جب اس کی آنکھ کھلی تو باہر بارش ہو رہی تھی ٹپ
ٹپ بوندیں کھڑکی کے شیشوں سے ٹکرا رہی تھیں۔ وہ گھبرا
کر اٹھ کھڑی ہوئی... اس کی نظریں سامنے کلاک پر
پڑیں بارہ بج رہے تھے۔ وہ سات بجے اپنے کمرے میں

جب سے سب کا موڈ بدلا تھا اسے کھانے پر بلانا نہیں اکثر یاد نہیں رہتا تھا۔ مونا یا بیا کھانا اسے کمرے میں ہی دے جاتے تھے۔ یہ اس کے کوئی نہیں تھے لیکن۔۔۔ ایک ٹھنڈی سانس لے کر اس نے کمرے میں رکھی پلیٹ کی طرف دیکھا۔ لیکن پلاؤ تھا جواب تک ٹھنڈا ہو چکا تھا۔۔۔ ساتھ چٹنی اور دھنیا اس نے دیر پہلے کھانا نہیں کھایا تھا لیکن پھر بھی بھوک محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ اس نے صرف ایک پیچ چاول کھائے اور پلیٹ کو ڈھک کر بیڈ کی طرف بڑھی جی تھی کہ ٹیس کا دردناک ایک زوردار آواز کے ساتھ نکلا۔۔۔ مارے خوف کے اس نے جھرمجری لی۔ دردناک کھٹکے کے ساتھ ہی بارش کی پھوار بھی اندر آئی دردناک لاک نہیں تھا اور تیز ہوا سے کل گیا تھا۔ پتا نہیں بارش کب شروع ہوئی۔ اس نے دردناک بند کرنا چاہا تو یکایک بجلی چلی اور پھر بادلوں کی گرج۔ دردناک بند کرتے ہوئے اسے محسوس ہوا کہ کوئی چنچا ہو۔ وہ ٹھنک کر رک گئی۔ اس کے کانوں میں رونے کی آواز آئی اور پھر معدوم ہو گئی۔ اس نے آواز سننے کی کوشش کی تو یکایک بارش کی پھوار اندر تک آ گئی۔ اس نے دردناک بند کر کے لاک کیا اور بستر تک آتے آتے وہ ایک دم چوڑی۔

"بڑی امی۔۔۔۔۔ یہ یقیناً بڑی امی نہیں۔ وہ ذرا ہی ہوں گی۔" بجلی پھر چلی گئی اور پادل بڑے زور سے گرجے۔ اس کے کان میں کوئی آواز نہیں آئی تھی پھر بھی وہ محسوس کر رہی تھی کہ بڑی امی زور ہی چنچ رہی ہیں پھر وہ دھنوں کے گرد بازو لیے بکریٹ پر بیٹھی رہی۔

"اور گردہ میری ماں ہوتی تو۔۔۔۔۔ ایک لمحے کو اس نے سوچا اور مضطرب ہی ہو کر بیڈ سے اتر آئی۔ دردناک کھول کر لاؤنج میں دیکھا۔ نائٹ بلب کی مدھم مدھم روشنی ساڑھ میں کھپ چکی تھی۔ کھڑکیوں پر پردے بڑے تھے اور سب کے کمروں میں خاموشی تھی شاید سب سو چکے تھے۔ بارہ بج چکے تھے۔ گیارہ بجے تک عمو سب سو جاتے تھے۔

وہ کچھ دم کمرے سے باہر نکلی کہ لاؤنج میں کھڑی

رہی پھر چائی اٹھا کر میز بیسوں کی طرف بڑھ گئی۔ بارش میں کھینک ہوئی جب وہ آدھے میں بیٹھی تو بڑی امی کی سسکیاں سنائی دے رہی تھیں۔

"بڑی امی۔" دردناک کھول کر اس نے انہیں آواز دی۔ وہ اپنے بیڈ پر ٹھنوں پر سر رکھے بیٹھی تھیں اور رو رہی تھیں۔

"بڑی امی۔" اس نے پھر پکارا تو انہوں نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ خوف زدہ وحشت بھری آنکھیں۔

"آپ کو ذرا لگ رہا تھا؟ میں آپ کو لینے آئی ہوں۔" پلیٹیں میرے ساتھ میرے کمرے میں۔" وہ بغیر کچھ کہے تیزی سے اٹھیں اور مضبوطی سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ وہ ان کا ہاتھ تھامے تھا سے نیچے آ گئی۔ وہی عی خاموشی تھی۔ وہ انہیں ساتھ لے کر اپنے کمرے میں آ گئی اور انہیں بیڈ پر بٹھایا۔

"یہاں سو جائیں" میں ادھر بیٹھی ہوں آپ کے پاس۔"

تم کہاں سو گئی؟" بیڈ پر بیٹھے ہوئے وہ چاروں طرف دیکھ رہی تھیں۔

"میں ابھی سو کر اٹھی ہوں مجھے نیند نہیں آرہی۔" ایلیا سسکرائی۔ "آپ نے فکر ہو کر سو جائیں۔"

"میں سو رہی تھی پھر بجلی چمکنے لگی بارش بند نہ گئی۔ میں نے کھڑکی بند کر دی پھر بھی مجھے ڈر لگے گا۔" وہ مصحوبیت سے کہہ رہی تھیں۔ "یہ بارشیں اور بادل بہت ڈراؤنے ہوتے ہیں۔" ایلیا نے انہیں کندھوں سے تھامتے ہوئے لٹھار دیا۔

"آپ سو جائیں بڑی امی آپ کو اب ڈر نہیں لگے گا۔"

"اچھا۔" وہ خاموشی سے لیٹ گئیں ان کی آنکھوں میں غینہ بھری تھی۔ کھانے کے بعد انہیں سکون کی جگہ گولی دی جاتی تھی وہ نیند کی ہوتی تھی شاید بارش کے خوف سے وہ سو نہیں پاتی تھیں اس لیے بیڈ پر لیٹنے ہی کچھ دیر بعد وہ سو گئیں تو ایلیا نے ہکا بھکا ان پر ڈال دیا۔ اور خود کمرے پر بیٹھ کر ایک بار پھر سوچوں میں کھو گئی۔

باہر اسی طرح بارش ہو رہی تھی۔

"تو ہے آخر بارش خوب بر سے گی۔" اس نے دل ہی دل میں کہا۔ بھی اسے موبائل کی بجلی ہی پیپ نکالی دی تو اس نے چونک کر بیڈ کے نیچے پڑے جوڑے کے ڈبے کی طرف دیکھا۔

"اوہ مجھے تو خیال ہی نہیں رہا مجھے تو انکل کو نون کرنا تھا لیکن یہ صبح۔۔۔۔۔ یہ تو نیا سینٹ ہے اور نئی سم۔ پھر یہ خبر تو کسی کو بھی نہیں معلوم" خود سے اچھے ہوئے وہ اٹھی اور آہستگی سے ڈبے سے فون نکالا۔

"ہیلو ایلیا آپ سو رہی تھیں؟" یہ آپ کی آواز تھی۔ اس کا دل کپکپا رہی زور سے دھڑکا۔

"ہاں۔۔۔۔۔ نہیں تو۔" اس نے آہستگی سے کہتے ہوئے بڑی امی کی طرف دیکھا۔

"یہاں میری بات سنو بہت غور سے۔" آپ رب کی آواز بہت آہستہ تھی۔ "یہاں تمہارا مزید رہنا خطر سے خالی نہیں۔ کئی بار مجھے گمان گزرا کہ تمہاری جان لینے کی کوشش کی جا رہی ہے یہی اوشہ کی کسی بات سے بھی ہونا کی باتوں سے پھر بادل والے دانتے سے تو۔۔۔۔۔ خیر ان باتوں کا وقت نہیں۔ آج ملک صاحب تمہاری خیریت معلوم کرنے آئے تھے لیکن انہیں تم سے ملنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ جس وقت تم لیکن میں برا خیرن سے باتیں کر رہی تھیں اس وقت ملک صاحب گیٹ پر کھڑے تھے۔" ایلیا دم ساڑھ آ رہی تھی اس کی باتیں سن رہی تھی۔ انکل آئے تھے وہ ان سے مل نہیں سکا وہ پوچھی پچھے گئے۔ ایک گھرے اندر تک گاتے ہوئے دکھنے اس کے دل کو اپنی پلیٹ میں لے لیا۔

"میں نے ان سے رابطہ کیا اور ان کے ہوٹل ان سے ملنے گیا تھا ابھی کچھ دیر پہلے ہی میری ان سے بات ہوئی ہے۔ وہ تقریباً گھنٹہ تک کھپٹے گیٹ سے کچھ فاصلے پر ایلیا گاڑی کھڑی کریں گے۔" (یہ چھوٹا گیٹ عمو کا ام اسے کوادر میں جانے کے لیے استعمال کرتے تھے اور داد مونا وغیرہ)

"تم اپنا ایک تیار کرو بہت ضروری چیزیں رکھ لو۔" اس صبح ٹیبل دوں تو خاموشی سے نیچے اتر آتا۔

"اس وقت اتنی رات گئے سب اس نے گھبرا کر

کھڑکی دیکھی۔ ایک بیٹے والا تھا۔

یہ بہت ضروری ہے ایلیا۔ میں زیادہ تفصیل میں نہیں جاسکتا اس وقت لیکن مجھے ڈر ہے آج یا کل۔۔۔۔۔ چھوٹے بھیا اور بڑے بھیا کسی ہی ایک کوشش اور کر سکتے ہاں ہیں اور ضروری نہیں کہ ہر بار وہ ناکام ہو جائیں۔" ایلیا کو لگا جیسے اس کا پورا وجود پتھر کا ہو گیا ہو۔

"انکل آقا اب تمہیں تمہارے ایپوں کے پاس پہنچا دیں گے۔" ایلیا میرا یقین کرو یہاں تمہارے لیے اب خطرہ ہے۔ آج کے بعد شاید ایسا سوچ نہ ملے۔ میں ابھی کتنی کے کسی کام سے دو تین ماہ کے لیے جا رہا ہوں۔ مجھے اوشہ نے بتایا ہے کہ۔۔۔۔۔"

"ٹھیک ہے۔" ایلیا کو اپنی آواز خود دور سے آتی ہوئی محسوس ہوئی۔ فون آف کر کے وہ کچھ دیر بیٹھی ہاتھ گود میں دھرے بیٹھی رہی۔ کھاک نے ایک بھیا تو وہ چونک کر اٹھی بہت آہستگی سے۔ چند جوڑے کپڑے زبردات اور اپنے دوسرے کاغذات وغیرہ بیک میں رکھے۔ ایک نظر سکون سے سوئی ہوئی بڑی امی پر ڈالی۔ اور پھر ایک خاکل سے کاغذ نکال کر کھٹا۔

"بڑے بھیا

یہ آپ کی ماں ہیں۔ یہ بادلوں کی گرج اور بجلی کی چمک سے ڈر کر چی رہی تھیں۔ میرا ان سے کوئی رشتہ نہیں لیکن یہ ماں ہیں اور ماں تو صرف ماں ہوتی ہے۔ بڑے بھیا مجھ سے ان کا رونا بدداشت نہیں ہوا۔ آپ ساری زندگی ان کے صرف ماں ہونے کا حق انہیں کر سکتے اس تکلیف کا جوا انہوں نے آپ کی پیدائش میں سہی۔۔۔۔۔ بڑے بھیا میں تو غیر ہوں سوچتی ہوں لیکن یہ تو آپ کی ماں ہیں ان کے لیے آپ سوچتے کیوں بن رہے ہیں۔ میں انہیں نیچے لے آئی ہوں۔ انہیں اسی کمرے میں رہنے دیں کیونکہ میں اس گھر سے جا رہی ہوں جہاں میری زندگی کو خطرہ ہے۔ میں اپنی ماں کے سینے جاری ہوں۔ آپ چاہیں تو ان کے لیے ٹیس رکھ لیں۔ دیکھ بھال کے لیے میرے اکاؤنٹ میں میرے حق مہر کے روپے ہیں وہ کسی کی تحفہ اور خرچ کر سکتے ہیں میں چیک لکھ کر رکھ رہی ہوں پھر بھی اگر آپ نہ دیکھنا چاہیں تو قید

تجائی کی سزا دینے سے بہتر ہے کہ بدمی کے ہوم میں بھیج دیا۔

ایک روز میں نے اور الوش نے فی دہی پر پروگرام دیکھا تھا۔ یوزر سے مرد اور عورتیں جو مرد اور عورتیں نہیں تھے صرف جوان بچوں کے ماں باپ تھے جن کے بچے انہیں وہاں چھوڑ گئے تھے۔ وہ پروگرام دیکھ کر میری جاپا تھا کہ بچیں مار مار کر روؤں اور ان والدین کو اتنی خوشیاں دوں کہ وہ اپنی اولاد کا ظلم بھولی جائیں لیکن کیا خوشیاں اولاد کے دیے دکھ بھلا سکتی ہیں۔ یوزر سے بھیا الوش نے مجھ سے پوچھا تھا۔ ایسا یہ بچے جو اپنے ماں باپ کو یہاں چھوڑ گئے ہیں جب یہ بوڑھے ہوں گے تو کیا ان کے بچے بھی ان کے ساتھ ایسا ہی نہیں کریں گے کیا وہ انہیں اپنے پاس رکھ لیں گے۔ میرے پاس اس سوال کا جواب نہیں تھا۔ شاید آپ کے پاس ہو۔ ایک بار یہ سوال خود سے ضرور پچھنے کا یوزر سے بھیا اور ابی جان سے کہنے لگا کہ وہ مجھے ملائی نہ دلواتے اور مجھ سے یوٹیٹیوٹ سے سب کچھ مانگ لیتے تو میں سب کچھ دے دیتی نہ اگلے آفتاب کو دولت کا لالچ تھا نہ نیچے۔۔۔ اور بھی بڑی امی کے پاس بیٹھ کر ان سے باتیں کر کے دیکھیں گے کہ وہ کتنی ہوشیاری کی باتیں کرتی ہیں۔

اس نے خط اور چیک بیل پر کھو دیا۔
وقت جیسے گزر ہی نہیں رہا تھا۔ باہر بارش کی طرح ہو رہی تھی کبھی کبھی چٹکی اور بادل گر جتا۔ کبھی اتنی مشکل سے وقت نہیں گزرا تھا جیسے آج۔ جو ہی گلاک نے دو بجائے بیل فون پر کبھی سی پیپ ہوئی وہ یکدم کھڑی ہو گئی۔ اس کا دل اتنی تیزی سے دھڑک رہا تھا کہ وہ اپنی دھڑکنیں خود سن سکتی تھی۔ اس نے کمری کی پشت پر لگی چادر اٹھا کر اپنے گرد لپیٹی اور بیک اٹھالیا پھر دھڑکنے والے سے دروازہ کھولا۔

ہر طرف خاموشی تھی بس بارش کی ٹپ ٹپ تھی۔ اس نے جوتے اتار کر ہاتھوں میں پکڑے۔ آہستگی سے دروازہ بند کر کے وہ دے قدموں چلتی ہوئی سیزینوں تک آئی اور ہوں ہی آہستگی سے سیزین اترنے لگی۔ نیچے آؤٹ میں تیز دھڑکنا بلب بلب کا تھا۔ لیکن کا دروازہ

نہم دا تھا اور کھلے دروازے میں آرب کھڑا تھا۔ اس نے دیکھ کر اسے اندر آنے کا اشارہ کیا۔ وہ یوٹیٹیوٹ سے ادر ادر دیکھتی ہوئی لیکن میں آئی آرب نے بیک اس کے ہاتھوں سے لے لیا۔ اس کا رنگ سفید ہو رہا تھا اور ہاتھ کا پتہ نہ تھا۔

”ریلیکس ایلیا۔“ آرب نے سرگوشی کی اس کا کانٹا ہاتھ ایک لمحے کے لیے اپنے ہاتھ میں لے کر پیچھا اور کچن کا دروازہ آہستگی سے بند کر دیا۔ لیکن کا دوسرا دروازہ باہر پچھلے لان کی طرف کھلتا تھا۔ کام والی لڑکیاں اسی دروازے سے کچن میں آتی تھیں۔ دروازے کے سامنے لاٹری تھی اور ساتھ ہی ملازموں کا واش روم تھا۔

”جوتے لیکن لو۔“ آرب نے سرگوشی کی۔ گو جوتے ریڈ سول کے تھے پھر بھی احتیاطاً اس نے اتار لیے تھے۔ بیک وائیں کندھے پر لٹکاتے ہوئے آرب نے اس کا دایاں ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

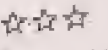
”آؤ۔“ لیکن کے دروازے کا لاک وہ پہلے ہی کھول چکا تھا کبھی سی جوتے اس سے دروازہ کھلا تو وہ خوفزدہ ہو گئی۔ اس کے ہاتھ پر آرب کے ہاتھ کا دباؤ بڑھ گیا۔ کچھ دیر بعد وہ چھوٹا سا ان عبور کر کے چھوٹے گیٹ سے باہر نکل آئے تھے۔ انہیں باہر نکلنے دیکھ کر ذرا فاصلے پر کھڑی گاڑی حرکت میں آئی۔۔۔ بالکل ان کے قریب آ کر کبھی اور دروازہ کھلا۔

”آ جاؤ بیٹا۔“ وہی میراں آواز ہے آواز آنسو اس کے رخساروں پر پھسل آئے آرب نے بیک سیٹ پر پھینکا۔

”او کے اگلے امیر اکام یہاں تک تھا اب آپ کی ذمہ داری ہے۔“

”تم نے ٹکڑہ ہو۔“ آرب کی نظر ایک لمحے کو اس کی طرف اٹھی۔ سہی سہی آنکھیں۔ بھٹکی بھٹکی پلکیں وہ ایک ٹک اسے دیکھتا چلا گیا۔ ایلیا کی نظریں اٹھی نہیں بلکہ فوراً ہی جھک گئیں۔ بلا کی دائرہ تھی آرب کی آنکھوں میں اور چہرے پر عجب اداس سے رنگ بکھرے تھے پھر وہ یکدم مڑ گیا اور ذرا نیچے گاڑی آگے بڑھا دی۔

”ایلیا بچے۔“ ملک آفتاب نے اس کی طرف دیکھا تو وہ کسی لمحے بچے کی طرح خشک ہوئے ان سے لپٹ گئی۔ وہ ایک بار وہ اس کے گروٹھاں کیے ہوئے اوٹے اسے پھینکنے لگے۔



”بابا جان آپ کو ماما سے بہت محبت تھی۔“ ایلیا نے ملک حیات کے پاؤں دبا دیا تھے ہوئے ابی کی طرف دیکھا وہ اپنے پیڑ پر لیٹے تھے اور وہ ان کی پائنتی نیچی ان کے پاؤں دبا رہی تھی حالانکہ انہوں نے اسے منع کیا تھا لیکن اسے اچھا لگتا تھا اس طرح ان کی خدمت کرنا۔ شاید اس طرح وہ اس دکھ کا ازالہ کرنا چاہتی تھی جو شرمین نے انہیں دیا تھا۔

”ہاں۔“ وہ مسکرائے۔ ”بہت زیادہ میں نے اس کے بہت لاؤ اٹھائے تھے۔ وہ اتنی بڑی ہو گئی تھی چھ سات سال کی تھی تب بھی میں اسے گود میں اٹھائے پھرتا تھا۔ میں نے اس کی ماں کے اسٹے لاؤ نہیں اٹھائے تھے۔ میں انیس سال کا تھا جب میری شادی ہوئی اور انیس سال کی عمر میں ایک بچی کا باپ بھی بن گیا۔“

”رخسانہ دادا دادی کی بہت لاؤ اٹھی اور بچے تو یہ ہے کہ اسے دادا دادی نے ہی پالا۔ وہ زمانہ کچھ ایسا تھا کہ والدین کے سامنے بچوں سے لاؤ کرتے ہوئے بھی جھجکتی آتی تھی۔ گود میں اٹھاتے ہوئے میں جھجکتا جاتا حالانکہ کبھی بڑا دل چاہتا تھا کہ اسے گود میں اٹھا کر گھمانے۔۔۔ لے جاؤں پھر کرواؤں اور وہ رہتی بھی زیادہ دادا دادی کے پاس ہی تھی۔“

وہ پرانی یادیں کر رہے تھے لاؤ اٹھانے میں بلا کی تھی اور وہ بہت خوش سے سن رہی تھی۔ ان سے اپنی ماما کی باتیں سننا اسے اچھا لگتا تھا۔ وہ بچوں ہی کوئی نہ کوئی وال کو کے یادوں کے درکھول رہی تھی۔

”پھر وہ سولہ برس کی ہوئی تو میری اماں نے اس کی شادی طے کر دی۔ میں ایسا نہیں چاہتا تھا میں چاہتا تھا وہ بڑھے لیکن اماں نے میری ایک سنی۔۔۔ اس کی ادائیگری۔۔۔ میں نے اسے جی بھر کر پیار بھی نہیں کیا۔۔۔ وہ چلی گئی اور شرمین کو ہماری جھولی میں ڈال دی۔

میں نے رخسانہ کے جیسے کا پیار بھی اسے دے ڈالا شاید میرے اس حد سے زیادہ لاؤ اٹھانے سے تھوڑا سیٹھا بنارہا تھا۔ اس کی ہر خواہش پوری کرنا ہم باپ بیٹا اپنا فرض سمجھتے تھے تب ہی تو۔۔۔ وہ ایک غلطی سانس لے کر خاموش ہو گئے۔ آنکھوں کی رخ ہیٹ کی طرح شرمین کا ذکر کرتے ہوئی ہو گئی تھی اور ہمیشہ کی طرح بہت بار کی کبھی کبھی بات کو ایلیا نے بھڑک رہا تھا۔

”بابا جان آپ اب تو ماما سے خفا نہیں ہیں۔ اب تو آپ نے انہیں معاف کر دیا نا۔۔۔“
”میں نے تو اسے بھی معاف کر دیا تھا بہت پہلے جب شرمین نے بتایا تھا کہ وہ اس دنیا میں نہیں رہی۔“
انہوں نے بھی وہی جواب دیا۔

”اس رات شرمین میرے کمرے میں آیا تو اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ شاید وہ رو رہا تھا بہت پھر وہ میرے پاس بیٹھ گیا اور اس نے میرے ہاتھ قوام لیے۔“

”بابا جان کبھی کبھی ہماری بہت جیتی چیز ہم سے کھو جاتی ہے۔“ یا اللہ میرے پاس تو اب کھونے کو کچھ نہیں رہا پھر یہ شرمین کیا کہہ رہا ہے۔

”بہو کمال ہے ٹھیک تو ہے ناں!“ میں نے گھبرا کر پوچھا۔ اس نے سر ہلادیا لیکن اس کی آنکھوں میں تو سمندر چھپے تھے۔

”بیٹا متاؤ ناں۔“ یا میں نے اسے جھجھکا تو جیسے سمندر ابل پڑے وہ بے اختیار میرے سینے سے لگ کر رونے لگا۔ بچکیاں لینے لگا۔

”بابا جان شرمین چلی گئی۔“ میں نے ڈر کر اسے دیکھا کہیں اس کا ذہنی توازن تو نہیں بگڑ گیا۔ کتنا خاموش خاموش رہنے لگا تھا ان سات آٹھ سالوں میں وہ اتنا سنجیدہ ہو گیا تھا کہ مجھے اس کی سنجیدگی سے خوف آنے لگا تھا۔

”اسے مجھے تو سال نہیں صدیاں بیت گئیں۔“
”بابا وہ اس دنیا سے چلی گئی۔“ وہ روتھ گئی۔ ہمیں منائے بغیر ہم سے ملے جتا ہمیشہ کی چھائی دے گئی۔۔۔“

میرا دل جیسے رکنے لگا۔ رک رک کر جلنے لگا۔ کچھ دیر بعد ہم باپ بیٹا ایک دوسرے کے گلے گلے اس کٹھور کے لیے رو رہے تھے جس نے ایک اجنبی کی محبت کے لیے ہماری محبتیں بھلا دی تھیں۔ پھر میں نے کہا۔
 ”اٹھو شمر چلو ہم اس کا آخری دیدار کر لیں“ لیکن شمر بیٹھا رہا پونہی۔

”بابا جان اسے اس دنیا سے رخصت ہوئے چار دن ہو گئے ہیں۔“

”اور تم اب بتا رہے ہو شمر..... کیا میرا دل پتھر تھا؟“ میں نے ناراضی سے اسے دیکھا۔

”بابا جان۔“ شمر نے اپنے آنسو پونچھ لیے۔
 ”ابھی کچھ دیر پہلے اسفند کا فون آیا تھا۔ میں نے نہیں پوچھا کہ اسے ہمارا نمبر کہاں سے ملا۔ یہ تو آفتاب کے پاس بھی نہیں شاید حویلی سے لیا ہو اس نے ہی بتایا ہے کہ چار دن پہلے..... اور وہ کہہ رہا تھا کہ مبارک ہو جشن مناؤ۔“ شمر کی آنکھیں پھر لہو روئے لگیں تو میں نے غصے سے منھیاں پینچ لیں۔ وہ میرے سامنے ہوتا تو میں اسے شوٹ کر دیتا۔

”بابا جان۔“ اس نے ان کے بوڑھے رخساروں پر اٹکے آنسو کو اپنی انگلی کی پور سے پونچھا۔

”سوری“ میں نے آپ کو اداس کر دیا۔
 ”یہ اداسیاں تو دل پر رقم ہیں بیٹا“ تم سے بات کرتا ہوں تو دھل جاتی ہیں کچھ نہ کچھ۔“ وہ آنسوؤں کے ساتھ مسکرائے تھے۔

”اور تب آپ کو میرا پتا نہیں تھا اگر آپ کو پتا ہوتا تو پھر آپ مجھ سے ملنے آتے نا.....“ آنکھوں میں آس کے جگنو چھپائے اس نے انہیں دیکھا۔

”ہاں..... ہاں کیوں نہیں آتا۔“ وہ تھوڑا سا اٹھے اور بیڈ کے کراؤن سے ٹیک لگالی۔

”شمرین کے بعد شمر کا دل تو جیسے اور بھی اداس ہو گیا تھا لگتا ہی نہیں تھا یہاں، سو ام نے ملک ہی چھوڑ دیا۔ بہت عرصے بعد پھر یہاں چلے آئے۔ میں بہت اداس ہو گیا تھا اور اپنے وطن کی فضاؤں کے لیے ترس رہا تھا۔ چھ سال پہلے یہاں آ گئے۔ شمر کو خدا نے اولاد نہیں

دی اللہ کی مرضی۔ ایک بیٹا مردہ پیدا ہوا اور اس کے بعد پھر..... سب نے ہی شمر سے دوسری شادی کے لیے کہا لیکن وہ عفت کو کوئی دکھ نہیں دینا چاہتا تھا۔ اسفند نے پھر دو سال پہلے ہمیں کھوج لیا اور ہمیں کہلوایا کہ شمرین کے حصے کی قانوناً تم وارث ہو اور اگر ہم نے تمہارا حصہ نہ دیا تو وہ تمہاری طرف سے قانونی چارہ جوئی کر دے گا۔ میں تو یہ سن کر ہی تڑپ اٹھا۔ تم تھیں میری شمرین کی نشانی اور ہم بے خبر تھے۔ شمر نے اسے کہلوایا کہ تمہارا حصہ تمہیں مل جائے گا..... ہم باخبر ہوتے تو بہت پہلے ہی دے چکے ہوتے۔ شمر نے تم سے ملنے کی خواہش بھی ظاہر کی تھی لیکن اس نے کہا۔ تم ہم سب سے نفرت کرتی ہو ملنا نہیں چاہتی۔“ یہ بات اسے پہلی بار معلوم ہو رہی تھی اور اس نے آج ایک بار پھر اسفند یار کے لیے دل میں بے حد نفرت محسوس کی۔

”شمر نے اچھی طرح تصدیق کر کے کہ تم شمرین کی بیٹی ہو۔ جائداد تمہارے نام منتقل کروانی شروع کی تھی اور یہ دل کج بخت دعا دینے لگا تو.....“

”بابا جان آپ پھر اٹھ کر بیٹھے ہوئے ہیں۔“ شمر نے اندر آ کر انہیں کندھوں سے پکڑ کر لٹایا۔ ”یقیناً ماضی کی کہانیاں سنائی جا رہی ہوں گی۔ آپ جانتے ہیں نا آپ کا دل.....“

”یار اب اٹھتر سال کی عمر میں دل نے دعا دینی ہی ہے اور تم مجھے میری بیٹی سے بھی باتیں نہیں کرنے دیتے۔“

”آپ پورے دو گھنٹے سے ایلیا سے باتیں کر رہے ہیں بس اب آرام کریں۔“

”تمہیں تو پولیس میں بھرتی ہونا چاہیے تھا شمر۔“ انہوں نے پیار بھری خفگی سے کہا اور نیم دراز ہو گئے۔

”سوری ماموں۔“ ایلیا نے شرمندگی سے انہیں دیکھا۔
 ”کوئی سوری نہیں“ چلو اٹھو باہر تمہاری مامی تمہیں بلارہی ہیں اور اب میں یہاں بیٹھوں گا۔“

”اسے کہتے ہیں ظالم سماج۔“ ملک حیات نے مسکراتی نظروں سے دونوں کو دیکھا۔

”آپ کی دوا کا بھی ٹائم ہو چکا ہے پہلے دوا لے

لیں۔" خمر نے ایلیا کی طرف دیکھا تو ایلیا نے بڑی سعادت مندی سے اٹھ کر نیپل پر دھکی دوا میں خمر کی طرف بڑھا دیں۔ اور خود پانی کا گلاس ان کی طرف بڑھا دیا۔

"جاؤ بھائی یہاں سے۔" خمر کے لہجے میں اس کے لیے شفقت و محبت تھی وہ مسکراتی ہوئی اور پیچھے مڑ مڑ کر دیکھتی ہوئی کمرے سے باہر نکل آئی ملک حیات کی نگاہوں نے دور تک اس کا تعاقب کیا۔

"مجھیں ایسا نہیں لگتا خمر جیسے خمر ہیں اس گھر میں چلن بھر رہی ہے۔ بالکل ویسی ہی ہے لیکن اس سے زیادہ سمجھدار ہے نا۔۔۔۔۔؟"

"بے اشتیاقی کے دکھوں نے اسے کھنکھاتا دیا ہے بابا جان۔" خمر بھی مسکرایا۔

"میری بچی نے بہت دکھا اٹھائے ہیں خمر میرا جی چاہتا ہے کہ میں اس کی جمالی خوشیوں سے بھر دوں کم از کم اتنا خود بخود ہی لوں کہ اس کا گھڑا بادو کچھ سکوں۔ ہم اس کی شادی بہت دھوم دھام سے کریں گے ہیں نا۔" آنکھوں میں آنسو چمکے تھے۔ خمر نے سر ہلا دیا۔ کہتے سارے پرانے خوابوں نے آنکھوں میں پھل چاوی لگی اور دردناکے کے ساتھ لگی کھڑی ایلیا آنکھوں میں آنسو آنے والے آنسو چھپائے ہوئے مای کو دھونڈتی ہوئی بچن میں آگئی۔ مای بچن میں مصروف تھیں۔

"امی آپ نے بلایا تھا؟"

"نہیں تو" انہوں نے بڑ کر اسے دیکھا۔۔۔۔۔

"بابا جان سو گئے کیا؟"

"نہیں تو لیکن ماموں جان نے مجھے وہاں سے اتھا دیا۔" اس نے منہ بتایا۔

"چند بابا جان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے وہ جب تم سے خمرین کی باتیں کرتے ہیں تو ان کا دل کمزور چڑنے لگتا ہے۔"

"مای ڈاکٹر کیا کہتے ہیں کیا کوئی خطرہ۔۔۔؟"

وہ پریشان ہوئی۔

دل کے لیے بھی اچانک کوئی خوشی اچانک کوئی دکھ نقصان رہ ہوتا ہے۔ خدا ان کا سایہ ہمارے سروں پر قائم رکھے۔"

"آمین۔" اس نے دل ہی دل میں ان کی لمبی زندگی کی دعا کی۔ "میں بد و گروں آپ کی؟"

"نہیں نہیں گزیا تم جاؤ۔ میں نہیں بابا جان کے لیے سوچ رہا تھا۔" مای تو مسلم کر لے گا سب۔"

"اللہ کرے بابا جان کو کبھی کچھ نہ ہو ابھی تو میں می بھر کر ان کی محبوبوں کو محسوس بھی نہیں کر پائی۔ ابھی تو میں می لگتا ہے۔۔۔۔۔ جیسے ابھی ابھی ان محبوبوں کا ذرا نقد چکھا ہے۔ وقت کتنی جلدی اور تیزی سے گزر رہا ہے لیکن لگتا ہے جیسے ابھی کل کی بات ہو۔" وہ بچن کے پاس سے ہٹ کر اڈانج میں آکر بیٹھ گئی۔

وہ ملک آفتاب کے ساتھ ذری کسی سایہ بول آئی تھی اور وہاں سے چاہتی کے روکنے کے باوجود وہ اگلے روز ہی اسے بائے ایٹر کر اپنی لے آئے تھے اور ملک حیات اور خمر سے اس کی ملاقات وہ کتنا جلد پانی منظر تھا۔ ملک حیات کتنی ہی دیر اسے اپنے بازوؤں میں لیے کھڑے رہے تھے پھر ان کی پیشانی پر پیسے کے قطرے نمودار ہوئے تو خمر نے اسے ان سے الگ کر دیا تھا۔ ملک آفتاب پہلے ہی انہیں سب کچھ بتا چکے تھے اس لیے کسی نے اس سے کچھ نہیں پوچھا تھا۔

"میری عمر اٹھ سو سال ہے اور میں رشتے میں تمہارا بڑا نانا لگتا ہوں لیکن تم چاہو تو مجھے بابا جان کہہ کر بلاؤ۔" اسے انہیں بابا جان بلانا بہت اچھا لگتا تھا۔ خمر کو بھی اس نے ماموں کہہ کر بلانا شروع کر دیا تھا خمر ماموں کہتے شائد ارٹھے۔ اڑتا نہیں، اتنا لیس سال کی عمر میں بھی وہ بچک ہی لگتے تھے۔ مای غصت بھی بہت چھاری تھیں اور بہت محبت کرنے والی۔

"دیکھو اللہ نے ہمیں اس عمر میں اتنی پیاری بیٹی بلائی جی دے دی۔" انہوں نے خمر حیات سے کہا تھا اور وہ مسکرا دیے تھے پھر وقت تو جیسے پر لگا کر اڑنے لگا تھا جلد ہی دوسب سے پون محل مل گئی تھی جیسے وہ خمر خمر سے یہاں ان ہی کے ساتھ رہتی چلی آ رہی تھی۔

اس اسنے بڑے خوبصورت گھر میں اس کا کراہا بابا جان نے اپنی نگہرائی میں تیار کر دیا تھا۔ بابا جان اور خمر ماموں سے باتیں کرتے اس کا جی نہیں بھر پاتا تھا۔ ہوش سنبھالنے کے بعد پہلی بار وہ دل کھول کے مٹی مٹی چمکی بار اس نے جانا تھا کہ بچوں کی محبتیں کیا ہوتی ہیں۔ اس کے آنے کے بعد ماڈل ڈاؤن والے اس گھر میں کیا بڑا میل ہوا تھا کیا کیا کچھ کہا گیا تھا اسے خمر نہیں تھی۔ آ رہا کسی گورس کے سلسلے میں ملک سے باہر چلا گیا تھا اور جانے سے پہلے وہ اس کی پر اپنی کے کاغذات والی فائل اور اس کا دھنچکا شدہ اسٹاپ بھیجے ملک آفتاب کو دے گیا تھا۔ یہ سب اس نے کیسے حاصل کیے تھے وہ نہیں جانتی تھی۔ ان تین سالوں میں آ رہا نے اس سے رابطہ نہیں کیا تھا ہاں بھی کبھی اس کے خوبصورت میجر اس کی بیسٹ دشر اسے ملتیں تو کتنی ہی دیر تک وہ کھولتی رہتی بار بار ان میجر کو پڑھتی اور ہر بار دل بچب طرح سے دھڑک اٹھتا۔

"کیا یہ محبت ہے؟" اس نے بارہا اپنے آپ سے پوچھا تھا اور "کیا میں آپ معطلی سے محبت کرنے لگی ہوں۔" لیکن اس نے کہا تھا۔

"تمہارے دانتے الگ ہیں ہم شاید کبھی مل سکیں لیکن تم ہمیشہ میرے دل میں ہی رہو گی مجھ پر حکومت کرنی رہو گی۔" یہ دانتے کیا بھی ایک نہیں ہو سکتے۔ وہاں بیٹھے بیٹھے اس نے سوچا تھا اور ادا اسی تہہ در تہہ اندر اترنے لگی تھی۔ ان بیٹے تین سالوں کے ہر لمحے میں وہ اسے یاد آیا تھا۔ اس نے بی اے کا پرائیویٹ امتحان دے کر یونیورسٹی میں ایڈمیشن لے لیا تھا اور چند دن پہلے ہی خیر دے کر فارغ ہوئی تھی۔ ان تین سالوں میں کئی بار چاہی اور آفتاب ملک اس سے ملنے آئے تھے۔ وہ ابھی ایک بار خمر ماموں کے ساتھ ان کے ہاں گئی تھی اور جب ملک آفتاب نے خوب مزے لے لے کر بتایا تھا۔

"تمہیں کراچی چھوڑ کر آیا تو اسفند یار نے مجھے فون پر خوب گالیاں سنائیں۔ ایک بار خمر کتنی بار فون کیا۔"

"تم نے ہی اسے غائب کر دیا ہے میں کیس کر

دوں گا۔"

"میں نے کیا کر دو۔" کاش ابی جان ایسے نہ ہوتے۔ اس نے دگرنگی سے سوچا کتنی خمر اس کے پاس آ کر بیٹھ گئے۔

"بابا جان سو گئے کیا؟" اس نے پوچھ کر انہیں دیکھا۔

"ہاں۔" خمر حیات خان اسے ہی دیکھ رہے تھے آنکھوں میں گہری سوچ تھی۔

"بابا جان بہت صحت مند اور طاقتور تھے لیکن خمرین کا دکھ ان کے دل کو دینک کی طرح چاشنا رہا اور ایک دن وہ ڈھسے گئے۔ اب بابا جان چاہتے ہیں کہ وہ تمہیں اپنے گھر بار کا کر دیں۔ انہیں صرف تمہارے پاس سڑ کا انتظار تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ وہ تمہاری تعلیم مکمل ہو جائے پھر۔۔۔۔۔ اور اب تمہاری تعلیم مکمل ہو چکی ہے ایلیا کچھ روز تک تمہارا رزلٹ آ جائے گا۔"

"لیکن ماموں جان میں نے تو ابھی کئی بھر کے۔۔۔۔۔ آپ سب کو دیکھا بھی نہیں۔ میرا دل تو ابھی آپ کی محبوبوں سے نہیں بھرا ابھی تو۔۔۔۔۔ اس کے ہونٹ لرزنے لگے۔

"تو گزیا۔" خمر نے مسکرا کر اسے دیکھا۔ "ہمارا دل کب بھرا ہے لیکن مٹیوں کو ایک روز رخصت کرنا ہی ہوتا ہے ریت ہے جیلا اور میں چاہتا ہوں بابا جان تمہاری شادی کر کے اپنی ناقص ضرورتیں پوری کر لیں۔ وہ تمہاری خوشی ایک نہیں۔ گزیا ہم اگر تمہارے متعلق کوئی فیصلہ کریں گے تو تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہو گا۔۔۔۔۔" انکھوں میں آ رہا معطلی کا قصور لہرایا تھا اور اندر دل کی زمین پر قطرہ قطرہ پانی کرنے لگا تھا جو سارا سن بھگتا جا رہا تھا۔ اس نے لگی میں سر ہلا دیا تو خمر حیات خان نے سنا اختیار جھٹک کر اس کی پیشانی چوم لی۔

"شکر یہ بیٹا۔۔۔۔۔ ایک دور رشتے ہیں تمہاری مای کی نظر میں تو تمہارے خواہش مند ہیں ایک تو ان کا بھائی تھا ہی ہے لیکن فائل تو بابا جان اور تم ہی کرو گی نا۔ میں کہتا ہوں غصت سے کہہ کر روز پہلے اسے کھانے پر بلا لے تم بھی دیکھ لیا۔" فرط جذبات سے ان کی آواز کاغ

رہی تھی۔

"نہیں، نہیں بس آپ اور بابا جان جو مناسب سمجھیں مجھے ٹھیک ہے۔ مجھے نہیں ملنا سکتا ہے۔" اس کی آواز بھرا گئی۔

"جھلی۔" مرنے بے اختیار اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔ آج برسوں بعد جیسے مرنے کے دئے دنوں پر مرم رکھ دیا گیا تھا۔ ایلیا کی آنکھیں برسنے کو بے تاب ہو گئیں۔

"لیکن میں ابھی آپ کے پاس ہی رہنا چاہتی تھی بابا جان کے پاس۔۔۔۔۔ یہاں اس گھر میں بہت سارے دن۔"

"تو یہ گھر تو پھر بھی تمہارا ہی رہے گا۔ تم روز آتا یہاں۔۔۔۔۔ اور جس روز تم نہ آئیں ہم آ جایا کریں گے۔" وہ ہولے سے منہ اور اٹھ کھڑے ہوئے۔

"میں تمہاری مامی سے کہتا ہوں ابھی۔" وہ تیزی سے باہر نکلتے چلے گئے تو اس نے ہاتھوں کی پشت سے اپنے کیلے رخسار پونچھے۔

"مجھے اپنی ماں کا کٹہرا بھی تو ادا کرنا ہے۔" اس نے جیسے اپنے دل کو سمجھانے کی سعی کی لیکن دل کسی ضدی بچے کی طرح جھل رہا تھا کسی کی رفاقت کے لیے جو خود ہی اسے مرنے کی جدائی کا سند پڑے کر رخصت ہو گیا تھا۔ اس نے سوچا تھا وہ ابھی ساری عمر چند خوبصورت یادوں کے سہارے گزار دے گی لیکن۔۔۔۔۔ دل سے درد اٹھا تھا اور پورے وجود میں پھیلتا چلا گیا۔ اسے یوں لگا جیسے اس کا پورا وجود پھوڑے کی طرح دکھ رہا ہو۔ یہاں وہاں ہر جگہ درد ہی درد تھا۔ اس نے آنکھیں موندتے ہوئے سرے پیچھے موڑنے کی بجائے ہر گھبراہٹ اور آرب مصطفیٰ اس کی آنکھوں میں اتر آیا۔

"میں تمہیں مجسم اپنے سامنے دیکھنے کی خواہش کو پیچھے دھکیلتے دھکیلتے تھک گیا ہوں ایلیا! تمہیں پانے اور دیکھنے کی طلب اب بس میں نہیں رہی۔" آرب مصطفیٰ بے مدد تھا کہ سارے جھگڑے اس کے سامنے بیٹھا تھا اور ایلیا اس قدر حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"مغواہتیں یوں بھی پوری ہو جاتی ہیں اچانک۔۔۔۔۔" ابھی کل رات ہی تو اس نے بہت شدت سے آرب مصطفیٰ کو روکا تھا اور آج اس وقت اس کی خوبصورت آنکھوں میں محبت کی تپش اور لہجے میں دل کا سارا گداز نکلا ہوا تھا۔ وہ دونوں ہاتھ گود میں دھرے اپنے ہاتھوں پر لگا رہے تھے کبھی سر اٹھا کر اسے دیکھ کبھی مٹی۔ مگر حیات خان ملک حیات خان کو کچھ دیر پہلے ہی چیک اپ کے لیے اسپتال لے کر گئے تھے۔ وہ جگن میں عفت مامی کے پاس کھڑی تھی جب چوکیدار نے آرب کے آنے کی اطلاع دی تھی۔

"آرب وہی ہے نا جس نے وہاں سے نکلنے میں تمہاری مدد کی تھی بے عفت مامی نے پوچھا تو اس نے سر ہلا دیا تھا۔"

"ٹھیک ہے تم بیٹھو جا کر ڈرائنگ روم میں اسے اشیہ کر دو۔ میں جائے بھگوانی ہوں اتنے میں ضرور بابا جان بھی آ جائیں گے۔"

"میں نے بہت کوشش کی ایلیا۔۔۔۔۔ بہت کہ مڑ کر تمہیں نہ دیکھوں لیکن میں جو راہ بھی چلتا ہوں وہ مڑ کر تمہاری سمت ہوتی ہے۔ اپنے راستے کی روشنائیاں خود ہی ساتھ ساتھ بھگاتے رہتا بہت اذیت تاکہ ملے ہے بہت تکلیف دہ اور روح کش لیکن میں نے تو خود ہی ساری روشنائیاں بھجا دیں لیکن ان اندھیروں میں تم پھر کہیں سے آ کر روشنائیاں کرنے لگتی ہو۔ میں بہت بے بس ہو گیا ہوں ایلیا۔۔۔۔۔ مجھے اپنا کون مجھے قبول کر لو۔ میں سارے ہتھیار چھینک کر یہاں تمہارے سامنے بیٹھا ہوں۔ اپنے سے لڑتے لڑتے ہار گیا ہوں ایلیا۔" اس نے بڑی آس سے ایلیا کی طرف دیکھا جو اس طرح ساکت بیٹھی تھی۔

"ایلیا! مجھے کسی دولت کسی جائداد کی خواہش نہیں مجھے صرف تم چاہیے ہو۔۔۔۔۔ جی چاہتا ہے اپنی بڑی دہا میں تمہیں لے کر نہیں کم ہو جائوں میں نے خود کو غور تمہارے راتوں سے بٹایا تھا ایلیا کہ میں خود کو تمہاری نظروں میں گرا نہیں چاہتا تھا میں خود پر یہ الزام نہیں لگا رہا چاہتا تھا کہ میں تمہاری دولت۔۔۔۔۔" اس نے آ

نواک کیا۔

"تم تو پہلی نظر میں ہی مجھے بہت محبوب۔۔۔۔۔ بہت چاہی گئی تھیں ایلیا اور خود کو تم سے دور کر کے میں نے جاہل محبت کیا ہوئی ہے اس کا درد کیا ہوتا ہے۔ جدائی کا طاب کیا ہے۔ گھڑ جانے کا کرب کیا ہے۔ ایلیا یہ سب مامی برداشت سے باہر ہو گیا ہے بھی تو یوں تمہارے سامنے آ بیٹھا ہوں۔"

"لیکن۔۔۔۔۔" ایلیا نے خشک ہونٹوں پر زبان پھری۔ "یہ کیسے ممکن ہے؟"

"کیوں۔۔۔۔۔ کیوں ممکن نہیں ہے ایلیا کیا کی ہے تم میں۔۔۔۔۔ خوش عقل یوں پڑھا لکھا ہوں اچھا کماتا ہوں۔" اس نے بے چینی سے پوچھا۔

"کیا کہوں۔۔۔۔۔؟" ایلیا کو لگا اس کے آفسو اس کے اندر مگر رہے ہیں قطرہ قطرہ۔۔۔۔۔ کوئی راستہ کوئی ٹی کی بھی ہی کرن کوئی امید کچھ بھی تو نہیں۔۔۔۔۔ بھلا بابا جان کیسے مانیں گے۔ یہ اس شخص کی بیوی کا بھائی ہے اس کے لگائے دشمنوں سے ابھی بھی خون رستا ہے جس نے ایسا دکھ دیا بابا جان اور شرماسوں کو جو کبھی ملکا نہیں تھا۔ بیشذ اذیت دیتا رہا۔ اس نے آنکھوں کو بے بسی سے مڑا دیا۔ "کیا ضروری تھا کہ آرب مصطفیٰ اس کے دل کو بھاتا۔"

"ایلیا خدا کے لیے ایسی بدگمان نظروں سے مجھے دیکھو۔ میں اس روز تمہارے در پر جھولی پھیلائے گا ایلیا جس روز تم سب کچھ فرسٹ کے حوالے کر دو گے۔" وہ تمہارا۔۔۔۔۔

"بات دولت اور جائداد کی نہیں آرب؟" ایلیا بلی بار اس کا نام لیا تھا۔

"پھر کیا بات ہے ایلیا؟"

"شاید بابا جان اور شرماسوں کو انکار ہو۔۔۔۔۔"

"کیا تمہیں بھی میری رفاقت سے انکار ہے؟"

"نہیں۔۔۔۔۔" بے اختیار ہی ایلیا کے لبوں سے نکلن بابا جان۔۔۔۔۔ نہیں پتھر آپ بھول جائے

مجھے اور۔۔۔۔۔

"بھولنا اختیار میں ہوتا تو تین سالوں کی سحرا نوروی کے بعد پھر کیوں تمہارے در پر آتا یہ محبت اختیار کی خدا دیں سے نکل چکی ہے۔"

"لیکن میں۔۔۔۔۔" ایلیا نے بابا جان اور شرماسوں کے متعلق سوچا۔ "میں انہیں کوئی دکھائیں دے سکتی۔ میں تو اس دکھ کا مرم بڑا چاہتی ہوں جو مامی نے انہیں دیا۔ نہیں یہ ناممکن ہے ایک بار آپ نے مجھ سے کہا تھا کہ میں بھول جاؤں آج مجھے آپ سے کبھی کہنا ہے۔"

"اتنی ظالم مت بنو ایلیا! خود پر بھی غلم مت کرو۔" بابا جان میری زندگی کے متعلق جو فیصلہ کر چکے ہیں۔ مجھے منظور ہوگا۔"

"مجھے ایک کوشش تو کرنے دو۔" آرب نے بے حدامید سے اسے دیکھا ابھی ملازم لڑکی ٹرائی لے کر اندر آئی اس کے پیچھے پیچھے عفت مامی بھی نہیں۔

"یہ عفت مامی ہیں اور یہ آرب مصطفیٰ ہیں چھوٹی امی کے بھائی۔" ایلیا نے تعارف کر دیا آرب نے ادب سے کھڑے ہو کر انہیں سلام کیا۔ اس کے سلام کا جواب دے کر عفت مامی بیٹھ گئیں۔

"وہاں ماؤں نے ان میں اس طرح ایلا کے چلے آنے سے خوب باتیں ہوئی ہوں گی۔" عفت مامی کا دہی عورتوں والا تجسس اچانک اٹھ آیا تھا اور چائے بناتے ہوئے انہوں نے اچانک پوچھ دیا۔

"ہاں کئی دن ہنگامہ رہا سب اپنی اپنی بولیاں بولتے رہے۔ بھائی جان کا خیال تھا کہ ایلیا انکل آفتاب کے پاس سا ہواں گئی ہوں گی لیکن پھر خلال نے بتایا کہ ایلیا نے اپنے خط میں لکھا ہے کہ وہ آپ لوگوں کے پاس چارہ ہی ہے اس قدر بھائی جان تو بہت اچھے تھے کہ میں نہیں کر دوں گا۔ عدالت میں جاؤں گا لیکن طلال نے انہیں ایسا نہیں کرنے دیا پھر انہی دنوں حادثہ ہو گیا۔

بلال کی اکلوتی بیٹی سیرجیوں سے اس طرح سر کے مل رہی کہ گرتے ہی اس نے جان دے دی۔ ایلیا کی جان لینا چاہتا تھا قدرت نے اس کی بیٹی کی جان لے لی پھر

میں کرنی چاہیے اور بہت سوچ کر فیصلہ کرنا ہوگا۔" بھی علت نے آکر پوچھا۔

"بابا جان آپ کھانا اپنے کمرے میں کھا نہیں گئے یا ڈانگ میں چلیں گے؟"

"میں ڈانگ میں ہی چلتا ہوں۔" وہ ایک دم کھڑے ہو گئے تو خمر نے آگے بڑھ کر انہیں سہارا دیا اور سہارا دیتے ہوئے ان کے ساتھ ساتھ چلے گئے۔

خمر نے کہا:

خمر یقین کر دے کہ آپ بہت اچھا لڑکا ہے۔" ملک آفتاب کہہ رہے تھے اور خمر حیات خان خاموشی سے انہیں سن رہے تھے۔

"مجھے تمہاری بات سے اختلاف نہیں ہے آفتاب یقیناً دوسری خوبیاں جو تم نے بتائی ہیں وہ ہوں گی اس لڑکے آرب مصطفیٰ میں اس کے باوجود مجھے ایلیا کے ساتھ اس کا رشتہ منظور نہیں ہے۔"

"کیوں صرف اس لیے کہ وہ اسفند یار کا سالہا ہے۔ خمر وہ بہت مختلف لڑکا ہے۔ وہ یہاں کراچی میں گھر لے چکا ہے اسے بڑی اچھی جاب مل گئی ہے۔ اس کا اسفند یار۔"

"پلیز آفتاب تم مجھے ایسی بات پر کیوں مجبور کر رہے ہو جس سے مجھے تکلیف ہوئی ہے۔ میں اس شخص اسفند یار کا نام بھی سن رہا نہیں چاہتا چنانچہ جانک میں اس کے ہی کسی رشتے دار کو ایلیا کا رشتہ دوں۔"

"میں تمہارے احساسات و جذبات کو سمجھتا ہوں خمر۔ ایلیا کا تمہارے ساتھ خونی رشتہ ہے لیکن مجھے بھی وہ کم عزیز نہیں۔۔۔۔۔ میں صرف یہ جان کر یہاں آیا ہوں کہ ایلیا آرب کے ساتھ خوش رہے گی۔۔۔۔۔ وہ اسے بہت خوش رکھے گا خمر میں آرب کی بارات لے کر آؤں گا۔۔۔۔۔ یار قہوڑی کچک پیدا کر دے اندر۔۔۔۔۔ آرب کو ایلیا کو پسند کرنا ہے وہ اس کے لیے کچھ بھی کر سکتا ہے جو تم کو گمے۔" خمر حیات خان کے چہرے کے نقوش سے یکایک خفیہ ہونے لگی۔

"کیا ایلیا بھی اسے پسند کرتی ہے۔ کیا وہ دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں؟"

"میرے خیال میں تو ایلیا کچھ نہیں ہے۔" ملک آفتاب نے آہستگی سے کہا۔ "آرب نے ایلیا کی ہدایت اس خوالے سے وہ اسے پسند تو نہیں کرتی ہوگی لیکن جو کچھ تم سوچ رہے ہو ایلیا نہیں ہے۔" خمر حیات خان نے ایک گہری سانس لی ان کے چہرے کے تنے ہوئے نقوش ڈھیلے ہو گئے۔

"مجھے انہیں ہے آفتاب کہ میں نے تمہاری بات روکی۔۔۔۔۔ کاش تم کسی اور کے لیے آتے کاش ایلیا زاریا کرتا تو میں تمہیں اپنا سہمی بنا کر بہت خوش ہوتا تمہارے گھر سے بہتر گھر اور کون سا ہوتا ایلیا کے لیے لیکن آرب مصطفیٰ نہیں۔۔۔۔۔ آفتاب ہرگز نہیں۔" اور آفتاب ملک کی آمد کا سن کر ان سے ملنے آئی ہوئی ایلیا وہیں ڈرانگ روم کے دوازے کے باہر ہی ٹھک کر رک گئی۔

"تم ایک دفعہ بابا جان سے تو بات کرنا خمر اور ایک بار سوچنا ضرور۔۔۔۔۔ ملک آفتاب کہہ رہے تھے۔

"تو آرب نے انکل کو بھیج ہی دیا حالانکہ کتنا منع کیا تھا۔ کتنا سمجھا تھا اسے کہ ایسا مت کرنا۔۔۔۔۔ یہاں سے ہی پلٹ جاؤ۔ یہ خیال دل سے نکال دو کہ میں خمر اموں اور بابا جان کے فیصلے کی مخالفت کروں گی۔"

"مجھے ایک کوشش تو کرنے دو ایلیا۔" اس کے لیے میں بے بسی تھی۔ "اس میں تو کوئی حرج نہیں ہے کہ میں تمہارا باقاعدہ پروپوزل بھجواؤں۔ سب سے پہلے جہاں میری ہوا وہاں خمر تو آتے ہی ہیں تم پر کوئی آٹھ نہیں آئے گی ایلیا میں وعدہ کرتا ہوں میں ایسا کوئی لفظ اپنی زبان سے نہیں نکالوں گا کہ کوئی تم سے بدگمان ہو اور اگر ایسا ہوا تو میں خود اپنی گردن اپنے ہاتھوں سے کاٹ کر تمہارے سامنے رکھ دوں گا۔ ایلیا پلیز مجھے اجازت دو کہ میں انکل آفتاب کو تمہارے بابا جان کے پاس بھیجوں۔" خمر وہ چپ ہو گئی۔

"اوکے" میں بخ ہی سا ہواں جا رہا ہوں۔" آرب نے خدا حافظ کہہ کر فون بند کر دیا تھا لیکن وہ پوری رات بے چین رہی تھی۔ یہ کب اور کس ہوڑ پر آ کر آرب نے اپنی شدتوں کا اظہار کیا تھا کہ وہ جو بابا سے

کوئی آس کوئی امید نہیں دلا سکتی تھی لیکن آرب تھا کہ باپوں نہیں ہو رہا تھا۔ اس سے مل کر جانے کے بعد کئی ہی بار اس نے اس کے سہل فون پر رات کو فون کیا تھا۔

"جانتی ہو کراچی میں رہنے اور جاب کرنے کا فیصلہ میں نے تمہاری وجہ سے کیا ہے۔ بیٹے خیر سالوں کے ہر لمحے میں میرے دل نے تمہاری محنتوں کا اعتراف کیا ہے۔ ایلیا تم اندازہ نہیں کر سکتیں کہ میں نے خود کو کتنا روکا کہ پلٹ کر نہ دیکھوں لیکن تمہاری محنتیں مجھے زیادہ دیر نہیں روک سکی۔"

"بابا میں بابا جان کو تمہارے اس پروپوزل کے متعلق لیکن مجھے یقین ہے بابا جان بھی انکار ہی کریں گے۔" خمر حیات خان کے لیے کے یقین سے ایک لمحے کے لیے اس کا دل جیسے نیچے کہیں پاتا لیکن دوسرے ہی لمحے اس نے شعوری کوشش سے خود کو سنبھالا۔۔۔۔۔

"یہ تو طے ہے کہ بابا جان اور خمر اموں آرب مصطفیٰ کا پروپوزل قبول نہیں کریں گے اور میں تو یہ پہلے ہی جانتی تھی پھر۔۔۔۔۔" اس نے اپنے ذہن کو سنبھالا اور ڈرانگ روم میں داخل ہو گئی۔ ملک آفتاب اسے دیکھ کر کھڑے ہو گئے۔

"کیسی ہو بیٹی؟" انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور محبت پاش نظروں سے انہیں دیکھا۔

"میں ٹھیک ہوں اور آپ چاہی تو کیوں نہیں لائے میں اتنی اداں ہو رہی تھی ان کے لیے۔"

"وہ بھی تمہارے لیے بہت اداں ہے لیکن اسے بوڑھوں کے درد شروع ہو گئے ہیں۔ ان دنوں طبیعت خراب تھی۔" وہ ہنسنے۔

"اب ایسے بھی بوڑھے نہیں ہوئے آپ اور ہاچی۔۔۔۔۔ خمر اموں کو دیکھیں کتنے چمکے تھے ہیں۔"

"تو یہ تو چمک ہے نا۔" ملک آفتاب نے قہقہہ لگایا۔ "ہم کھاس فیو سزور تھے لیکن ہم عمر نہیں تھے۔ کئے گئے ہوئے چودھری تھے ذرا بڑی عمر میں پڑھائی کی تھی۔"

"آپ رہیں گے نا یہاں؟" اس نے پوچھا۔

"صرف ایک دن۔۔۔۔۔"

"صرف ایک دن۔۔۔۔۔!" ایلیا کو حیرت ہوئی۔ "اتنے دنوں بعد آئے ہیں اور صرف ایک دن۔"

"بس بیٹا تمہاری چاہی بھی تو آ سکتی ہیں نا وہاں۔" ایلیا خاموش رہ گئی تھی۔

کاش ایلیا نے جلد بازی نہ کی ہوتی تو یہ ہیرالز کی ان کے گھر کا چارخ ہوئی۔ کبھی ایلیا کو سامنے دیکھ کر دکھ یوں ہی دل میں پٹنے کا لڑیٹا تھا۔ ایلیا کے ساتھ رشتہ ٹوٹ گیا تھا لیکن وہ اب بھی انہیں اتنی ہی عزیز تھی۔

دونوں میاں بیوی کا زیادہ وقت اسی کے متعلق باہم کرتے ہوئے گزرتا تھا اور جب سے نیا عادل نے بتایا تھا کہ ایلیا اور اس کی بیوی کے درمیان جھگڑے رہنے لگے ہیں تب سے تو احساس زباں اور بھی بڑھ گیا تھا۔

"آپ کیا سوچتے تھے انکل۔۔۔۔۔؟"

"ہاں کچھ نہیں۔" وہ چمکے۔

"تمہارے بابا جان جاگ گئے ہیں تو انہیں سلام کروں۔"

"جی وہ جو کب کے جاگے ہوئے ہیں۔" ایلیا نے بتایا تو وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

"چلو خمر بابا جان کے پاس چل کر بیٹھے ہیں۔"

خمر حیات خان بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔ وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبے ان کے ساتھ چلے ہوئے ڈرانگ روم سے باہر نکل گئے۔ ایلیا ہیں تھی دی۔

"کیا ضروری تھا کہ میرا دل آرب مصطفیٰ کی چاہ کر رہا جس کا ساتھ مقدر میں نہیں۔" اس نے دگرنگی سے سوچا۔

"ایلیا دیکھو انکل میرا پروپوزل لے کر آئیں گے اور اگر تمہاری رائے پوچھی گئی تو تم میرے حق میں رائے دو نا پلیز۔"

"نہیں ہرگز نہیں آرب مصطفیٰ آپ مجھ سے یہ توقع نہ رکھیں۔ میں نے ہر فیصلے کا اختیار خمر اموں اور بابا جان کو دے دیا ہے۔"

"ٹھیک ہے لیکن تم اپنی رائے تو دے سکتی ہو۔"

"آرب ایسا نہیں ہو سکتا کہ آپ بھول جائیں

مجھے اور اپنی زندگی۔۔۔۔۔

"تم بھول سکتی ہو تو بھول جانا ایلیا۔۔۔۔۔ میں نہیں بھول سکتا۔" آرب نے حتمی لہجے میں کہہ کر نون بند کر دیا تھا۔

"اب ٹرمباموں نے صاف انکار کر دیا ہے اور بابا جان۔۔۔۔۔ یقیناً بابا جان بھی۔" اس نے نیچے ہونٹوں کو دانتوں سے دبایا۔ درد بے پناہ درونے اس کے دل کو جکڑ لیا۔

☆☆☆

"تو تمہارا کیا خیال ہے اس پر پوزل کے متعلق۔۔۔۔۔؟" ملک حیات خان نے شمر کے ہاتھ سے پانی کا گلاس لیے ہوئے پوچھا۔

"میں نے آفتاب کو معاف کر دیا ہے۔"

"ہوں۔" ملک حیات نے کچھ سوچ کر نظروں سے دیکھا۔

"تم نے ایلیا سے پوچھا۔۔۔۔۔؟" شمر نے ان کے ہاتھ سے گلاس واپس لے کر میز پر رکھتے ہوئے حیرت سے ان کی طرف دیکھا۔

"کوئی خاص چیز ہے؟" شمر نے پوچھا۔

"کیا مطلب ہے آپ کا؟" شمر نے کسی قدر حیرت سے پوچھا۔

"چنانچہ کیا خبر وہ دونوں۔۔۔۔۔ آخر آرب نے کسی آس پر ہی آفتاب کو بھجوا دیا ہے۔ کچھ تو ہو گا نا۔۔۔۔۔ میں نہیں چاہتا تاریخ اپنے آپ کو دہرائے۔" شمر حیات خان ایک لمحے کو بالکل چپ کر گئے۔ اور میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ ایلیا ناخوش رہے۔" ملک حیات خان نے پھر کہا تو شمر نے باہر سے گزرتے اسلم کو آواز دے کر ایلیا کو بلائے کے لیے کہا۔ وہ گھبراہٹ ہوئی سی آئی۔

"کیا ہوا بابا جان تو ٹھیک ہیں نا؟"

"ہاں۔۔۔۔۔ بھٹو۔" شمر نے اسے بیٹھے کا اشارہ کیا تو وہ پوچھی گھبراہٹ سے گھبراہٹ ہو کر بیٹھ گئی۔

"ایلیا بچے۔" ملک حیات نے اس کی طرف دیکھا۔ "تمہارے اگلے آفتاب تمہارے لیے آرب مصطفیٰ کا پرہ پوزل لائے ہیں۔ تمہارا کیا خیال ہے۔"

"بابا جان جو آپ مناسب سمجھیں۔" اس نے سر جھکا لیا۔ "میں نے آپ سے کہا تو تھا آپ جو بھی فیصلہ کریں آپ کو اختیار ہے۔" شمر کا چہرہ چمکنے لگا لیکن ملک حیات سنجیدگی سے اسے دیکھ رہے تھے۔

"تمہارا خیال نہیں ہے آرب کے لیے تم سمجھ سکتی ہو کہ کیوں۔۔۔۔۔ ہوں اچھا بڑا لڑکا ہے وہ۔۔۔۔۔"

"جی ہاں بابا جان۔" اس نے اب بھی سر نہیں اٹھایا تھا لیکن اسے اپنا دل ڈھونڈ رہا تھا وہ اس کا نام نہ سن رہا تھا۔

"آپ بھتر جائے اور سمجھتے ہیں بابا جان۔"

"جیسی رہو۔" بے اختیار ان کے لبوں سے نکلا تھا اور شمر کو لگا تھا جیسے برسوں سے چلتے ہوئے دل پر کسی نے خندہ سے پانی کے چھینٹے ڈال دیے ہوں۔ فرط جذبات سے ان کی آنکھیں نم ہو گئیں اور انہوں نے مسکرا کر ملک حیات خان کی طرف دیکھا جن کی مسکرائی آنکھوں میں نئی پگھل رہی تھی۔

"جاؤ جتنا آرام کرو جا کر" انکے غلی میں چاہ رہا تھا کہ آفتاب کو کوئی حتمی جواب دیتے سے پہلے تم سے بھی بات کر لوں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمارا کوئی غلط فیصلہ تمہاری آئندہ زندگی میں دکھ گھول دے۔" وہ بنا کچھ کہے کھڑی ہو گئی۔ وہ یہاں بیٹھنا نہیں چاہتی تھی اسے لگ رہا تھا کہ وہ کچھ دیر اور بھی تو ضبط کھودے گی اور وہ اپنے کسی بھی عمل یا حرکت سے بابا جان اور ٹرمباموں۔۔۔۔۔ کو یہ یاد نہیں کرانا چاہتی تھی کہ اسے ان کا فیصلہ منظور نہیں ہے لیکن اپنے کمرے میں آتے ہی آنسو بے اختیار ہی آنکھوں سے نکل آئے تھے۔

"تو آرب مصطفیٰ فیصلہ ہو گیا کہ ہمیں ہمیشہ الگ الگ راتوں پر چلنا ہے اور یہ تو شاید ازل سے ملے تھا پھر میرے دل میں یہ خیال کیوں آیا۔۔۔۔۔"

☆☆☆

ایک اور بے چین رات اس نے جب کرب میں گزار دی۔ صبح بستر سے اٹھنا کمال ہو رہا تھا پر بدن درد سے ٹوٹ رہا تھا۔

"ارے کیا ہوا؟" غصت مامی نے اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھا۔ "تمہیں تو بخار لگ رہا ہے۔"

"ہاں شاید۔" اس نے آنکھیں کی کوشش کی۔ "نہ۔۔۔۔۔ نہ کبھی رہو۔" آنکھیں کی ضرورت نہیں۔ میں یہاں ہی تمہارا شہناجھو اور اس کی۔"

"نہیں میرا جی نہیں چاہ رہا کچھ بھی کھانے کو۔ ابھی چٹا ڈول لے لیتی ہوں تو۔۔۔۔۔"

"نہ خالی پیٹ کوئی دوا مت لینا۔" ملک ماما شہناجھو کر لو بھر لے لینا ایک گولی۔" کوئی خاص دوا نہیں ہو گئی چاہی بھی اس کی ایک نہیں چلے گی۔ ان بچوں کے سامنے بے بس ہو جاتی تھی وہ غصت مامی کے جانے کے بعد اس نے آنکھیں موند لیں۔ کچھ دیر بعد ہی شمر حیات اور ملک حیات خان چلے آئے ان کے ساتھ ملک آفتاب بھی تھے۔

"ارے" کہا ہو گیا میری بیٹی کو رات تو بھلی چنگی تھی۔" ملک آفتاب نے ایک محبت بھری نظر اس پر ڈالا۔

"کچھ نہیں اٹکل۔" وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ "ہوں ہی سرورہ تھا اور شاید ملک ماما شہناجھو بس مامی خود بھی پریشان ہو گئیں اور آپ صبح کو بھی پریشان کر ڈالا۔" ملک حیات مان نے اس کے سنے سے چہرے پر ایک پراسوج کی نظر اٹلی اور سامنے صوفے پر بیٹھ گئے۔

"اگر زیادہ طبیعت خراب ہے تو ڈاکٹر کے پاس جاؤ۔"

"نہیں ماموں بس چٹا ڈول لوں گی تو ٹھیک ہو جائے گا۔"

"میں تو سوچ رہا تھا تم فارغ ہو پڑ جاتی ہو تو بابا جان سے اجازت لے کر تمہیں کچھ دلوں گے۔" ملک ماما شہناجھو نے پتا ہوں کچھ دن ہمارے دیران میں بھی روٹی لگ جائے گی۔" ملک آفتاب بھی ان کے ساتھ تھا۔

"میں جو نصیب میں لکھا ہو بابا جان۔" ایلیا نے ملک آفتاب کے لہجے میں چھپے دکھ کو محسوس کیا۔ "جیسے کو پاکستان میں رہنا پسند نہیں اور ہمیں اپنی مٹی چھوڑنا منظور نہیں۔" انہوں نے قہقہہ لگایا۔ "موند وہاں خوش ہم یہاں مطمئن۔"

"انگل میرا دل بھی چاہی سے ملنے کو بہت چاہ رہا ہے۔" اس نے بات کر کے ملک حیات کی طرف اجازت طلب نظروں سے دیکھا۔

کے پاس ہی بیٹھ گئے۔

"یہ بھی کوئی زندگی ہے ماماں۔" ملک حیات نے تہنہ کیا۔ "بچوں کو پال پوس کر بڑا کرو اور وہ بڑے ہونے میں ہمیں تنہا چھوڑ جائیں۔"

"میں جو نصیب میں لکھا ہو بابا جان۔" ایلیا نے ملک آفتاب کے لہجے میں چھپے دکھ کو محسوس کیا۔ "جیسے کو پاکستان میں رہنا پسند نہیں اور ہمیں اپنی مٹی چھوڑنا منظور نہیں۔" انہوں نے قہقہہ لگایا۔ "موند وہاں خوش ہم یہاں مطمئن۔"

"انگل میرا دل بھی چاہی سے ملنے کو بہت چاہ رہا ہے۔" اس نے بات کر کے ملک حیات کی طرف اجازت طلب نظروں سے دیکھا۔

"ہاں" ملک حیات نے آفتاب ایک دن رک جانے تو چلی جاؤ ہنسنے کے لیے۔ "ملک حیات نے جیسے اس کے دل میں چھپی خواہش پڑھ لی تھی۔

"لیکن بار جلدی واپس چھوڑ جانا ہم بھی زیادہ دن اس کی جدائی برداشت نہیں کر سکتے۔" یہاں ملک آفتاب خوش ہوئے تھے وہاں ایلیا کے چہرے پر بھی مسرت کے رنگ بکھر گئے تھے۔

"اسکی بات ہے تو رک جاتا ہوں میں۔" شمر اس دوران خاموشی سے ایلیا کے چہرے کا جائزہ لے رہے تھے۔ "اس کی آنکھیں سوئی ہوئی اور سرخ ہیں لیکن کیوں۔۔۔۔۔ کیا آرب۔۔۔۔۔" شمر غصت اسلم کے ساتھ ناشتا لے کر آ گئیں۔

"اسلم یہ ناشتا رکھ یہاں اور ایلیا بیٹا چلو مت ہاتھ دھو لو ورنہ ناشتا کر کے میڈیسن لے لو۔"

"مامی آپ۔۔۔۔۔ ایلیا شرمندہ ہو گئی۔" میں نے کہا تھا میں ادھر ہی آ جاتی ہوں۔"

"اچھا خاصا بخار لگ رہا ہے تمہیں۔" ان کے لہجے میں غرور مندی تھی۔ "میں تو کہتی ہوں شہناجھو کہ ناشتا لے تو ڈاکٹر کے پاس لے چلیں۔" وہ شمر سے مخاطب ہو گئیں تو ایلیا کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ پتا نہیں کس نیکی کا صلہ تھا کہ کرائی گئی تھیں اس کا نصیب بن رہی تھیں۔ وہ اپنی آنکھوں کی نمی چھپاتی ہوئی اٹھ کر وائش روم کی طرف

گئی۔

ابناہ کینیڈا

بڑھ گئی۔

☆☆☆

”ایلیا“ دیکھو یہ زندگی تمہاری ہے۔ یہ بہت مختصر ہے۔ اسے تجربوں کی نذر مت کرو۔“

”پلیز آرب مجھے درغلائیں مت۔“ اس نے ہلکی نظروں سے آرب کی طرف دیکھا۔ ”میں نے جو فیصلہ کیا ہے مجھے اس پر قائم رہنا ہے۔“

”تم خوش نہیں رہ سکو گی۔ تم کہیں بھی کسی کے ساتھ خوش نہیں رہ سکو گی۔ کیسے کرو گی منافقت.....؟“ وہ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

”زندگی بار بار نہیں ملتی ایلا“ تم کیوں اسے ایک غلط فیصلے کی بھینٹ چڑھانا چاہتی ہو۔“

”لیکن میں ایسا نہیں سمجھتی آرب کہ میرا فیصلہ غلط ہے۔“

”لیکن میں تو سمجھتا ہوں کہ تمہارا فیصلہ غلط ہے۔ پلیز ایک بار صرف ایک بار تم بابا جان سے کہہ کر تو دیکھو کہ تم.....“

”نہیں پلیز..... میں ایسا نہیں کر سکتی۔“ ایلیا کی آنکھیں نم ہو گئیں ”آپ پلیز مجھے اس طرح بار بار فون نہ کیا کریں اور نہ آئندہ کبھی مجھ سے ملنے کی کوشش کریں۔ آپ مجھ سے بات کرتے ہیں میرے سامنے ہوتے ہیں تو میرے فیصلے کی فضیلتیں کمزور پڑنے لگتی ہیں۔“ اس کی آواز بھرا گئی تھی۔

”یہ محبت ہے احمق لڑکی لیکن تم اسے سمجھ نہیں رہی ہو۔“ آرب جھنجھلا یا۔ ”اور اس سے انکار کر رہی ہو۔“

”تمہیں اپنے اوپر اختیار ہو گا تم خود پر ظلم کر سکتی ہو لیکن میں ایسا نہیں کر سکتا..... ایلا میں بہت مجبور ہو کر یہاں آیا ہوں۔ میری خواہشوں کی لگام بار بار میرے ہاتھوں سے پھسل جاتی ہے۔ تمہیں پانے کی خواہش..... تمہاری رفاقت کی تمنا..... میں بہت بے بس ہو گیا ہوں ایلا.....“

حالانکہ جب تم پہلی نظر کو محبوب لگی تھیں تب بھی تم میری نہیں تھیں اب بھی تم میری نہیں ہو مگر میں اس دل کا کیا کروں جو ہمک ہمک کر تمہاری خواہش کرتا ہے۔“ ایلیا سر جھکائے بیٹھی تھی۔

اسے ساہیوال آئے سات دن ہو گئے تھے اور ان سات دنوں میں کوئی دن بھی ایسا نہیں گزرا تھا جب آرب نے اسے فون نہ کیا ہو اور آج وہ اس کے سامنے بیٹھا اپنی شدتوں کا اظہار کر رہا تھا لیکن ایلیا کے پاس کہنے کے لیے کچھ نہیں تھا وہ اسے بتا چکی تھی کہ شرماموں اور بابا جان کو اس کا پروپوزل قبول نہیں ہے۔ گوانکل آفتاب نے ابھی اسے کوئی حتمی بات نہیں کہی تھی پھر بھی وہ بے چین ہو کر چلا آیا تھا۔

”مجھے اس روز محسوس ہوا تھا جسے شرماموں کو میرا آنا پسند نہیں آیا اس لیے میں یہاں چلا آیا سوچا تم سے یہاں ملاقات ہو جائے گی۔“

چاچی کمرے میں تھیں اور ملک آفتاب اپنی زمینوں کے مقدمے کے سلسلے میں صبح ہی عدالت چلے گئے تھے۔ وہ برآمدے میں بیٹھی بتولاں کو چاول صاف کرتے ہوئے دیکھ رہی تھی جب اچانک ہی وہ آگیا تھا اور اب اس کے سامنے بیٹھا اس کی برداشت کو آزمایا رہا تھا۔ بتولاں چائے بنانے چلی گئی تھی۔

”تمہیں یقین ہے کہ تم میرے بغیر خوش رہ لو گی۔“ اسے خاموش دیکھ کر پوچھا۔

”خوش رہنا ضروری تو نہیں۔ زندگی تو گزر ہی جائے گی۔“

”جی چاہتا ہے تمہارا گلا گھونٹ دوں اور خود بھی مر جاؤں۔“ وہ جھنجھلا کر کھڑا ہو گیا۔

”تم کچھ مت کرنا میں خود ہی کر لوں گا کچھ۔“

”کیا..... کیا کریں گے آپ؟“ اس کا رنگ یک لخت زرد پڑ گیا۔

”بے فکر رہو تم پر آئینچ نہیں آئے گی۔“ لیکن وحشت بھری نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔

”ایلا پلیز اس طرح مت کرو۔ کیا سمجھتی ہو تم کہ میں کچھ ایسا کر سکتا ہوں جس سے تمہاری عزت پر رول آئے لیکن ڈوبتا ہوا آدمی نہپتے کے لیے آخری کوشش کے طور پر ہاتھ پاؤں تو مارتا ہے اور مجھے بھی آخری کوشش کرنی ہے۔“

”لیکن کیا کریں گے آپ.....؟“ اس نے

شانی سے پوچھا۔

”پتا نہیں ابھی تک تو مجھے خود بھی علم نہیں کہ میں کیا
دوں گا“ او کے میں چلتا ہوں۔“

”انکل سے نہیں ملیں گے اور وہ بتولاں چائے لا
دی ہے۔“

”وہ چائے تم پی لینا۔“ وہ مسکرایا۔ ”اور انکل سے
ملے شام کو آؤں گا۔ وہ کب تک واپس آئیں گے۔ یہ
ملاقاتوں کے چکر بڑے لمبے ہوتے ہیں اور مجھے ڈر ہے
کہ میں تمہارے سامنے رہا تو میرا ضبط جواب دے
ہائے گا۔“ ایلیا یونہی منہ اٹھائے اسے دیکھتی رہی اور
آر ب لمبے لمبے ڈگ بھرتا گیٹ سے باہر نکل گیا۔
دواں چائے کی ٹرالی پر ہاتھ رکھے اسے حیرت سے
ہانا دیکھتی رہی۔

”ہائے ہائے یہ آر ب صاحب ہوا کے جھونکے کی
طرح آئے اور چلے بھی گئے لو میں نے خواخواہ میں
ہائے بنائی۔“ ایلیا نے کچھ تبصرہ نہیں کیا۔

محبت بال کھولے بین کر رہی تھی۔ ایاز کے ساتھ
چار سال گزارنے کے باوجود وہ اس سے محبت نہیں کر سکی
کی اسے دیکھتے ہی دل خوف سے سہنے لگتا تھا۔ وہ گھر
میں ہوتا تو وہ اس کی نظروں سے دور رہنے کے لیے ادھر
ادھر کونوں کھدروں میں چھپتی رہتی تھی اور سامنا ہوتا تو
اس کے طنز یہ جملے دل کو چھیدنے لگتے۔ اس نے تو شاید
کبھی دھیان سے اسے دیکھا بھی نہیں تھا اور یہ شخص کیسا
ہادو کر تھا۔ اسے چند ملاقاتوں میں اسیر کر گیا تھا لیکن یہ
اس کا نصیب نہ تھا۔ پلکوں پر انکے آنسو انگلی کی پوروں
سے پونچھ کر وہ بتولاں کو وہاں حیران چھوڑ کر چاچی کے
گھر سے کی طرف چل دی۔

☆☆☆

ساہیوال میں دو ہفتے گزار کر وہ کراچی واپس
گئی تھی۔ آر ب نے پھر اسے فون نہیں کیا تھا۔ اس نے
اسے منع کر دیا تھا فون کرنے سے لیکن پھر بھی
اسے انتظار سار ہتا تھا۔

”تو بس یہ تھی اس کی محبت اور اس کا
ہام۔“ بچن میں شامی کباب بناتے ہوئے اس نے

سوچا ”اور شاید وہ حوصلہ ہار بیٹھا ہے۔“

”چندا“ شامی کباب بنا کر تم باتھ لے کر چینیج کر لینا
باقی میں دیکھ لوں گی۔“ عفت نے بچن کے دروازے پر
کھڑے کھڑے عجلت سے کہا۔

”مامی.....“ وہ مڑی تو عفت جاتے جاتے رک
گئیں۔

”مامی پلیز ان لوگوں کو پہلے سے ہی بتا دیجیے گا
میری شادی کا۔“ وہ بے حد سنجیدہ تھی۔
”لیکن.....“

”جھوٹ کا کوئی فائدہ نہیں مامی حقیقت بہر حال
کھل جاتی ہے۔“ عفت کچھ کہے بنا مڑ گئیں۔

جب سے وہ ساہیوال سے آئی تھی تین فیملیز اسے
دیکھ چکی تھیں۔ ایک کو تو بابا جان نے ریجیکٹ کر دیا۔
دوسرے یہ جان کر پیچھے ہٹ گئے کہ اس کی پہلے بھی ایک
شادی ہو چکی ہے۔ وہ اپنے کنوارے بیٹے کی شادی کسی
طلاق یافتہ سے کرنے کو تیار نہ تھے اور تیسری فیملی کے
لوگ عجیب تھے وہ دئے سٹے کی شادی کرنا چاہتے تھے یہ
جان کر انہیں مایوسی ہوئی کہ اس کا کوئی بھائی نہیں ہے اور
اب نہ جانے کون اور کیسے لوگ آر ہے تھے۔ عفت بہت
پُر امید تھیں لیکن جب دو خواتین ایک مرد کے ساتھ
آئیں تو ان کی گفتگو اور انداز نے ملک حیات کو بہت
بیزار کیا۔ جب کہ ایلیا کی طلاق کا سن کر وہ کانوں کو ہاتھ
لگانے لگیں اور وہیں رشتہ کر دانے والی خاتون سے جھگڑا
کرنے لگیں کہ ان کے بیٹے کے لیے ایک طلاق یافتہ ہی
رہ گئی ہے۔

”بھئی عفت بیٹا یہ کس قماش کی خواتین تھیں۔ کم
از کم انہیں گھر بلوانے سے پہلے ان کا بیک گراؤنڈ تو
معلوم کر لیا کریں۔“ ملک حیات خان جھنجھلا رہے تھے
جب کہ ایلیا بے تاثر چہرے کے ساتھ وہاں سے ہٹ گئی
تھی۔

”بابا جان دراصل یہ جو رشتہ کرانے والی مامی ہے
نا اس نے لڑکے کی تعریف میں اتنے زمین و آسمان کے
قلا بے ملائے تھے کہ میں جان ہی نہ سکی۔“ ملک حیات
خان نے دھیمے لہجے میں کہا۔

”اور میں نے کہا بھی تھا کہ مائی سے کہہ دینا کہ کسی کو یہاں لانے سے پہلے انہیں ایلیا کی پہلی شادی کے متعلق بتا دو۔“ عفت نے سر جھکا لیا تھا۔

”اس سے تو اچھا تھا کہ ہم تمہارے بھانجے کا پروپوزل ہی قبول کر لیتے۔ کیا اس کی بات طے ہو گئی۔“ انہیں لیکن آپا کو بھی پہلے علم نہیں تھا ایلیا کی شادی کا جب میں نے بتایا تو انہوں نے خود ہی منع کر دیا۔“ عفت شرمندہ سی ہوئیں۔

”اوہ۔“ انہوں نے جھٹکنا کر دونوں ہاتھوں کی منھیاں پھینکیں۔ ”یہ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے عفت بیٹی۔ ہماری ایلیا میں کیا کی ہے۔“

”بابا جان آپ پریشان نہ ہوں انشا اللہ اللہ بہتر کرے گا۔“

”ایلیا کیا سوچتی ہو گی۔“ انہوں نے افسردگی سے کہا۔

”وہ بہت سمجھدار اور حقیقت پسند ہے بابا جان۔“ ”وہ کمپیوٹر کلاسز لینے کا کہہ رہی تھی بیٹا تم اس سے کہنا وہ جو ان کے لئے چاہئیں کب.....“ وہ جھٹکے جھٹکے اٹھ گئے۔

ایلیا نے بابا جان کی اجازت سے کمپیوٹر اور ساتھ ہی کلنگ کلاسز بھی جوائن کر لی تھیں۔ عفت مائی نے اس کے لیے بہت سے لوگوں سے کہہ رکھا تھا اکثر رشتے کرانے والی مائی بھی آ جاتی تھی لیکن ایلیا نے خود کو بے حد مصروف کر لیا تھا۔

”اور یہ اچھا ہی ہے۔“ وہ اکثر سوچتی۔ ”اگر کوئی پسند کر لیتا تو زندگی اتنی مشکل ہوتی۔ کسی اور کی محبت دل میں بسا کر کسی اور کے ساتھ زندگی بسر کرنا کسی اذیت سے کم نہیں۔“ بے حد مصروف ہونے کے باوجود بھی وہ آرب کو بھول نہیں پاتی تھی۔ اس کی باتیں اس کا تصور اکثر اسے بے چین کر دیتا تھا۔ ”چاہئیں وہ بھی میرے بارے میں سوچتا ہو گا یا نہیں۔“ رات کو اپنے بستر پر لیٹے آنکھیں بند کیے اس نے بار بار خود سے پوچھا تھا اور ہر بار ہی آرب اس کے سامنے آنکھڑا ہوا تھا۔

”دعائیں تو میں کبھی ایک لمحے کے لیے بھی نہیں بھولا۔ تم تو میرے لبوں میں سا جکی ہو۔“ کتنے ہی آنسو اس کے آنکھوں میں جذب ہو جاتے تھے۔

ناشتا کرتے، کھانا کھاتے اور ملک حیات کے پاس بیٹھ کر باتیں کرتے کئی بار شریات خان نے اسے بغور دیکھا اور سوچا تھا۔

”یہ ایلیا کی آنکھوں میں اتنی اداسی کیوں ہے۔“

بیاتنی چپ چپ سی کیوں رہنے لگی ہے۔“ ملک حیات خان کی نظریں تو اسے اکثر خود کو کھوجتی محسوس ہوتیں تو وہ گھبرا کر ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگتی۔ خواہ مخواہ ہشتی انٹی ٹیوٹ میں جانے کب کے پڑھے ہوئے لکھنے سنانی۔

ایک بار پھر کچھ خواتین اسے دیکھ گئی تھیں لڑکا اٹھ پہلے سے شادی شدہ تھا اور بیوی کو طلاق دے چکا تھا۔ انہیں ایلیا پسند آتی تھی لیکن ملک حیات خان نے سوچ کر جواب دینے کو کہا تھا۔ عفت نے اسے لڑکے کی تصویر دی تو اس نے سرسری نظر ڈال کر واپس کر دی۔

”کیا کروں گی دیکھ کر جو آپ مناسب سمجھیں کریں۔“ مائی کو تو اس نے کہہ دیا تھا لیکن دل تھا کہ بچے جا رہا تھا۔

”یہاں سب تم سے کتنی محبت کرتے ہیں ایک بار کہہ کر تو دیکھو اپنی رضا تو بتاؤ۔“ لیکن اس نے جتنی سے دل کی خواہش کو دبا دیا۔

بالآخر وہ لمحے آ گئے تھے جن سے وہ ڈر رہی تھی۔ ایک منافقت بھری زندگی۔ اندر ہی اندر سارے وجود میں درد پھیلنا جا رہا تھا لیکن وہ غلط کئے معمول کے کاموں میں مصروف رہی۔ وہ خواہ مخواہ پھر تو نہ آئیں تاہم ایک روز عفت مائی نے اسے انٹی ٹیوٹ جانے سے منع کر دیا۔

”بیٹا آج صبح جاؤ شام کو مہمان آ رہے ہیں۔“ ”کون مہمان؟“ اس نے بے دھیانی سے پوچھا۔

”شام کو تمہاری منگنی کی تقریب ہے۔ بس کمرے

افراد ہیں۔ مہمانوں سے آفتاب ملک اور ان کی بیوی آ رہی ہیں۔“ عفت کے لبوں پر بڑی دلخیز سی مسکراہٹ تھی۔

”وہ کیوں آ رہے ہیں؟“ بے اختیار اس کے لبوں سے نکلا تو عفت نے حیرت سے اسے دیکھا۔

”آفتاب ملک تمہیں اپنی بیٹی کہتے ہیں صرف کہتے ہی نہیں سمجھتے بھی ہیں۔“

”لیکن مائی یہ کئی دغیر کی کیا ضرورت تھی کون سی بیٹی شادی ہے؟“ نہ چاہتے ہوئے بھی لکچے میں لی آ رہی۔ ”غفلت ہاتھیں مت کیا کرو ایلیا۔“ عفت نے اسے ٹھکرا۔ ”ان کی خوشی ہے۔ انہیں تو شگن کرنا ہے۔“

”کیا..... ایک بار شگن کر کے دل نہیں بھرا۔“ وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑاتی اور ناشتا پونجی ادھورا چھوڑ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔

شرخان صبح سے ہی کہیں نکل گئے تھے۔ بابا جان نے ناشتا اپنے کمرے میں کیا تھا اور ناشتے کی ٹیبل پر وہ دونوں بیٹھیں۔ کمرے میں آ کر اس نے آنکھیں میو میو طرح رگڑ ڈالیں۔ بے حد چلن تھی لیکن دور دور تک کہیں کوئی آنسو نہ تھا۔ وہ سارا دن عجیب بے حس سی کمرے میں بیٹھی رہی۔ عفت مائی نے بھی اسے نہیں بلایا۔ دو بجے کے قریب باہر شور مچا تھا اور لاؤنچ سے چائیں کی آواز آتی تھی۔

”میری بیٹی کہاں ہے پہلے اس سے قول لوں۔“ لیکن وہ پونجی بے حس سی بیٹھی رہی پھر اس نے چائیں کے قدیموں کی پیچاب سنی انہیں کمرے کا دروازہ کھولتے دیکھا۔ پونجی ٹھنڈوں پر ٹھونڈی رکھے انہیں اپنے قریب آتے دیکھتی رہی۔

”میری بیٹی۔“ چائیں نے بازو پھیلائے اور ان کے سینے سے نکتے ہی جیسے خشک آنکھوں میں مسند اتر آئے۔

”ارے..... ارے.....“ انہوں نے اسے زور سے سمجھ کر بار بار جوتا اور ان کی اپنی آنکھیں بھی برس پڑیں۔ چائیں کیا کیا یاد آ گیا تھا۔ کوئی اس طرح بھی

اپنا خزانہ کسی کے حوالے کرتا ہے۔ دل نے چنگی بھری تھی لیکن ان کا اس پر حق کہاں رہا تھا۔ محافظ نے خود ہی.....

”بس اب اور نہیں رہنا۔“ اپنے ہاتھوں سے اس کے آنسو پونچھتے ہوئے وہ اس کے قریب بیٹھ گئیں۔ ”بہت رو لیا تم نے۔“ وہ مسکرائیں۔

”اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں سرخ رو کیا۔“

جب سے ایاز نے.....“ انہوں نے بات ادھوری چھوڑ کر جیسے کسی درد کو پچا تھا۔ ”شب سے دن رات دعاؤں کی تمہیں کہ تمہارے نصیب میں ایاز سے اچھا اور بہترین رشتہ ہو۔ اللہ نے ہماری دعاؤں سن لیں۔ آرب ہر لحاظ سے بہتر ہے۔“

اس نے چونک کر چائیں کو دیکھا۔ یہ انہوں نے کیا نام لیا تھا شاید میں نے غلط سنا ہے۔ اس نے پھر سر جھکا لیا۔ ابھی دروازہ کھلا۔ لمبی سی دہلی چلی لڑکی کون تھی ایک لمحے کو اسے حیرت ہوئی لیکن دوسرے ہی لمحے اس کے لبوں سے نکلا۔

”انوش.....“ لڑکی مسکراتی ہوئی اس کی طرف بڑھی۔ ان تین چار سالوں میں وہ کتنی لمبی ہو گئی تھی لیکن وہ یہاں کیسے؟

”میں ماموں کے ساتھ آئی ہوں۔“ اس نے ہاتھ ملاتے ہوئے اسے بتایا۔ ”اور مجھے تو بھی پتا تھا کہ دال میں کچھ کالا ہے۔“ اس کے کان میں سرگوشی کرتے ہوئے اس کی آنکھوں میں بے خواہش چمک تھی۔

”یہ ماموں بھی چھپرے رستم نکلے چپکے چپکے سب بٹے کر لیا اور کسی کو خبر تک نہ ہونے دی۔“ وہ حیران سی آنکھیں پھاڑے اسے دیکھ رہی تھی۔ ”اس کی منگنی آرب کے ساتھ ہو رہی تھی یہ سب کب اور کیسے ہوا..... تو.....“

”ہم تو کل رات اچانک ہی آئے تھے۔ مجھے کراہی دیکھنے کا شوق تھا اور بڑے بھیا کسی کام سے آ رہے تھے میں بھی ضد کر کے چلی آئی۔ حالانکہ ممانے بہت گالیاں دیں مجھے۔“ وہ زور سے ہنسی۔ ”اور یہاں آ کر پتا چلا کہ.....“

”بڑے بھیا..... کیا بڑے بھیا.....؟“ لفظ اس

حلق میں پھنس گئے۔

”ہاں بڑے بھیا بھی آئے ہیں اسی لیے تو منگتی کے بجائے نکاح ہو رہا ہے اور یہ بڑے بھیا کی خواہش تھی کہ نکاح ہو جائے کیونکہ وہ...“

تبھی بڑے بھیا اکل آفتاب سب ہی اس کے کمرے میں چلے آئے تھے۔ بڑے بھیا شرمندہ سے تھے۔

”ایلا ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا۔“ اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے ان کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔

”بڑی امی۔“ ایلا کے لبوں سے نکلا۔

”امی ٹھیک ہیں تمہیں یاد کرتی ہیں اور میں بہت جلد انہیں اور شاہی کو لے کر کینیڈا شفٹ ہو رہا ہوں۔ ایلا میں تمہاری شادی میں شریک نہیں ہو سکوں گا لیکن تمہاری زندگی کی خوشیوں کے لیے بہت دعا کروں گا۔ یہ تمہاری امانت۔“ انہوں نے پانچ لاکھ کا چیک اس کی طرف بڑھایا۔

اس کے لب کپکپائے وہ بڑی محبت سے اسے دیکھ رہے تھے۔ یہ محبتیں پانے کے لیے اس نے کتنی دعائیں کی تھیں۔

”میں بہت شرمندہ ہوں تم بڑے دل کی بڑے ظرف کی ہو۔ مجھے معاف کر دینا۔“ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے تھے۔

انوشہ مسلسل اس کے کانوں میں کچھ نہ کچھ بولتی رہی تھی لیکن وہ تو کچھ نہیں سن رہی تھی۔ دل کی دھڑکنیں بے ترتیب تھیں اور اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کیسے ہوا بابا جان شرماموں نے کیسے آرب کی بات مانی۔ یہ صرف آرب ہی اسے بتا سکتا تھا اور یہاں آرب نہیں صرف انوشہ تھی جو جانے کیا کیا کہہ رہی تھی باقی سب لوگ باہر چلے گئے تھے۔

”وہاں سب ماموں سے سخت ناراض ہیں لیکن انہیں آپ کے ساتھ ان کی منگنی کا علم نہیں ہے۔ ابی جان کہتے ہیں کہ اگر ماموں نے ان کے گھر میں قدم رکھا تو وہ انہیں شوٹ کر دیں گے اور ماما وہ کبھی کبھار بات کر لیتی ہیں ماموں سے فون پر لیکن دل میں خفا ہیں۔ انہیں شک

ہے کہ شاید آپ کو انہوں نے بھگایا ہے آپ خود اتنی باہمت نہیں تھیں اور پتا ہے میں نے تو ابھی سے سوچ لیا ہے کہ میں ضرور آپ کی شادی میں آؤں گی کوئی اچھا سا بہانہ سوچ لوں گی۔“

وہ اپنے دل کی دھڑکنیں چھپائے انوشہ کی باتیں سنتی رہی۔ یوں جیسے وہ خواب دیکھ رہی تھی اور اسی خواب کے عالم میں ہی نکاح ہو گیا۔ بابا جان نے اس کی پیشانی چوم کر اسے دعا دی تو آنسو ایک بار پھر اس کی آنکھوں سے بہنے لگے۔ تب شرمیات نے اسے گلے سے لگا کر دعا دی۔

”آرب کے ساتھ تم خوش رہو گی ایلا ہم نے تمہارے لیے ایک بہترین شخص کو چنا ہے۔“ اس نے ذرا کی ذرا نظریں اٹھا کر دیکھا۔ سب خوش تھے عفت مائی بابا جان شرمیات خان سب اور سب کے ساتھ کھڑے ملک آفتاب اگرچہ مسکرا رہے تھے ان کی آنکھوں میں چھپے کرب کو ایلا نے بڑی شدت کے ساتھ محسوس کیا لیکن یہ مقدر میں لکھا تھا اور نہ اس نے کب ان کے گھر سے کہیں اور جانے کی خواہش کی تھی۔

پھر وہ سب ایک ایک کر کے کمرے سے باہر نکل گئے اور وہ کمرے میں تنہا رہ گئی۔ باہر اس کی شادی کی تاریخ طے ہو رہی تھی۔ اس سے اس کے دل میں بڑی شدت سے آرب کو ایک نظر دیکھنے کی خواہش پیدا ہوئی لیکن وہ جانتی تھی کہ ایسا ممکن نہیں بابا جان کی اپنی روایات تھیں اور اپنی قدریں..... جب انوشہ نے عفت مائی سے پوچھا کہ کیا ایلا تیار نہیں ہوگی تو انہوں نے بتایا تھا کہ ہمارے ہاں اس طرح کا رواج نہیں ہے بس رخصتی پر ہی تیار ہوگی۔

”ادہ بے چارے ماموں وہ تو خوش ہو رہے تھے کہ آج آپ کے ساتھ زبردست تصاویر بنوائیں گے لیکن خیر پھر سہی۔“

دو ماہ بعد رخصتی کی تاریخ رکھی گئی تھی۔ بڑے بھیا جانے سے پہلے ایک بار پھر اس کے پاس آئے تھے۔ شرمندہ شرمندہ سے۔

”ہم انسان بڑے کمزور ہوتے ہیں ہمیں پھسلنے

میں ایک لمحہ بھی نہیں لگتا۔ میں تم سے ہمیشہ شرمندہ رہوں گا۔“ وہ کچھ بھی نہ کہہ سکی تھی تب بڑے بھیا اس دعائیں دے کر چلے گئے۔

☆☆☆

یہ سب کچھ اتنا اچانک اور غیر متوقع تھا کہ نکاح کے بعد بھی کئی دن تک اسے یقین نہیں آیا کہ اس کا نکاح آرب کے ساتھ ہو گیا ہے۔ عفت مامی اس کی شادی کی تیاریوں میں مصروف ہو گئی تھیں اور ساتھ ساتھ اسے بھی کھینتی پھر رہی تھیں۔ پورے ہفتے بعد وہ کمپیوٹر سینٹر آئی تھی۔ وہ بھی عفت مامی نے صرف ایک دن کے لیے اجازت دی تھی کہ وہ سب کو بتا آئے اور جب وہ سب کو سینٹر چھوڑنے کا بتا کر باہر آئی تو آرب اسٹاپ کے پاس ہی اس کا منتظر تھا۔

”آپ یہاں.....؟“

”جلدی سے گاڑی میں بیٹھو۔“ وہ قریب ہی پارکنگ کی طرف بڑھ گیا۔

”لیکن آپ کو کیسے پتا چلا کہ میں آج.....؟“

”عفت مامی زندہ باد۔“ اس نے گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔ ”میں دیکھنا چاہتا تھا بیوی بن کر کیسی لگتی ہو۔“ ایلیا کے رخساروں پر شفقت اتر آئی پلکوں کی تتلیاں لرزنے لگیں۔ آرب نے دلچسپی اور شوق سے اسے دیکھا۔

”تم نے تو صاف انکار کر دیا تھا لیکن میرا جذبہ سچا تھا، رنگ لایا۔“

”لیکن بابا جان شرماسوں انہوں نے کیسے؟“ وہ حیرانی سے پوچھ رہی تھی۔

”میں اکثر بابا جان سے ملنے چلا جاتا تھا جب تم سینٹر میں ہوتی تھیں اور ہولے ہولے ان کا دل نرم کرتا رہا۔ ایک روز میں نے ان سے کہا آپ جہاں بھی ایلیا کی شادی کریں گے وہ لوگ کتنے بھی اعلیٰ ظرف ہوئے وہ ہمیشہ اس شک میں رہیں گے کہ اس کی پہلی شادی کیوں ٹوٹی اور کبھی نہ کبھی وہ اس کا اظہار بھی کر دیں گے جب کہ میں اصل حقیقت جانتا ہوں۔“ وہ ڈرائیو کرتے ہوئے اسے بتا رہا تھا۔ ”میں نے انہیں یقین دلایا تھا کہ

میں تمہیں خوش رکھوں گا سب سے کہیں زیادہ۔ میں حیات خان سے بھی ملتا تھا شروع میں وہ بیزار ہو گئے تھے ناگواری ان کے چہرے سے جھلکتی تھی لیکن تین چار ماہ لگ گئے سب کو موم کرنے میں۔“

”یہ آپ کہاں جا رہے ہیں؟“

”کیوں کسی جگہ کچھ دیر کو بیٹھیں گے اور گھبراؤ عفت مامی کی اجازت سے لے جا رہا ہوں تمہیں اس میں تم سے بہت ساری باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ بہت دیکھنا چاہتا ہوں۔ اپنی خوش قسمتی پر یقین کرنا چاہتا ہوں لیکن وہاں گھر میں تمہارے بابا جان سے ڈر لگتا ہے کہ کہیں غصے میں آ کر رخصتی سے ہی مکر جائیں۔“

”خدا نہ کرے.....!“ بے اختیار ایلیا کے لبوں سے نکلا۔

”اچھا.....!“ آرب نے اچھا کو لمبا کیا۔ ”آپ ہمارے بغیر بھی خوش تھیں اور اس ڈنگر ڈاکٹر سے نکاح کرنے جا رہی تھیں جو پہلے ایک ہی نہیں دو بیویوں کا طلاق دے چکا تھا۔“ ایلیا نے سر جھکا لیا۔ آرب مسکرا کر اسے دیکھا۔

”لیکن یہ کیسے ممکن تھا تمہیں تو میری زندگی میں تھا خوش ہونا۔“ آرب نے ذرا سارخ موڑ کر دیکھا تو اس کے لبوں پر شرمیلی سی مسکراہٹ بکھر گئی۔

”ابھی قصہ ادھورا ہے

ابھی پوری کہانی ہے

ابھی سارا بڑھاپا ہے

ابھی آدھی جوانی ہے

ابھی اس پار جانا ہے

ڈرائیو کرتے ہوئے آرب گنگناتا رہا تھا۔

”ابھی اک خواب باقی ہے

ابھی جھیلوں میں پانی ہے

اور ایلیا زندگی کے اس اچانک رخ پر

اتنی ہی حیران ہو رہی تھی جتنی اپنے نکاح والے